اُصول تفسیر کے موضوع پر امام جلال الدین سیوطی کی اہم کتاب
"الاتقان" کا اُردو زبان میں بہترین خلاصہ

زُبدة الإتقان
في
عُلوم القرآن

تالیف

علامہ ڈاکٹر سید محمد بن علوی مالکی (مکہ مکرمہ)

ترجمہ

مولانا غلام نصیر الدین چشتی

۲۳، جاپان مینشن، ریگل صدر کراچی - ۷۴۴۰۰
(اسلامیہ جمہوریہ پاکستان)

زُبدة الاتقان
فِي
عُلومِ القرآن

تالیف

علامہ ڈاکٹر سید محمد بن علوی مالکی (مکہ مکرمہ)

ترجمہ

مولانا غلام نصیر الدین چشتی

الرابطہ انٹرنیشنل
۲۳۔ جاپان مینشن، ریگل صدر کراچی۔ ۷۴۴۰۰
(اسلامیہ جمہوریہ پاکستان)

جملہ حقوق عکس وطباعت بحق الرابطہ انٹر نیشنل محفوظ ہیں

نام ـــــــــ زبدۃ الاتقان فی علوم القرآن

تالیف (عربی) ـــــــــ ڈاکٹر سید محمد بن علوی مالکی مکی

ترجمہ (اردو) ـــــــــ مولانا غلام نصیر الدین چشتی

سن اشاعت ـــــــــ بار اول ۱۴۲۰ھ / ۱۹۹۹ء

تعداد ـــــــــ ۱۱۰۰

صفحات ـــــــــ ۳۵۲

نگران اشاعت ـــــــــ اقبال احمد اختر القادری

ناشر ـــــــــ الرابطہ انٹر نیشنل (پاکستان)

ھدیہ ـــــــــ

☆

الرابطه انٹرنیشنل

پوسٹ بکس نمبر ۹۴۸۹ کراچی ۔ ۷۴۲۰۰، فون ۲۵۱۵۰ ۷۷ ۔ ۰۲۱ ۔ ۰۹۲

فیکس ۲۵۶۱۵۷۴ ۔ ۰۲۱ ۔ ۰۹۲ (اسلامی جمہوریہ پاکستان)

E-mail: drmasood@hotmail.Com.

الاھداء

ترجمان القرآن

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما

کے نام

جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت

اور دعا کی برکت سے تمام امت میں سب سے

بڑے ماہر قرآن ٹھہرے۔

عرض ناشر

"الرابطہ انٹر نیشنل" (پاکستان) بین الاقوامی اشاعتی دینی ادارہ ہے جس کا بنیادی مقصد بلاد اسلامیہ کے علماء و مشائخ اور مذہبی اسکالرز میں رابطہ قائم کرنا ہے تاکہ ایک دوسرے کی تصانیف، علمی و تحقیقی کام اور روحانی خدمات سے استفادہ کیا جاسکے۔ اس اعلیٰ مقصد کے حصول کے لئے علماء عجم کی تصانیف و تالیفات کا عربی ترجمہ اور علمائے عرب کی کتب کا اردو زبان میں ترجمہ کر کے ایک دوسرے تک اس کا ابلاغ کرنا ہے۔

حضرت علامہ ڈاکٹر سید محمد بن علوی مالکی مکی کا خاندان صدیوں سے مکہ مکرمہ میں علم حدیث اور علوم دینیہ کی خدمات انجام دے رہا ہے۔ دور حاضر میں حضرت علامہ سید محمد بن علوی مالکی کا علمی و روحانی مقام بہت بلند ہے بلکہ اگر آپ کو اسلامی تہذیب و تمدن کا داعی، ایک مجاہد اعظم، عالم اسلام کا مقتدا اور آج کے دور کا امام المحدثین کہا جائے تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ الرابطہ انٹر نیشنل آپ ہی کی کتاب "زبدۃ الاتقان فی علوم القرآن" کا اردو میں ترجمہ شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

اس ضمن میں ہم حضرت علامہ مفتی محمد خان قادری صاحب کے بے حد ممنون ہیں جنہوں نے اردو ترجمہ کی سبیل پیدا کی نیز حضرت علامہ غلام نصیر الدین چشتی صاحب کے بھی نہایت شکر گزار ہیں کہ انہوں نے نہ صرف ترجمہ فرمایا بلکہ اپنی نگرانی میں کمپوزنگ کا کام بھی پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ ہم جناب حاجی محمد رفیق برکاتی صاحب کا بھی تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں جن کے مالی تعاون کی وجہ سے اس کی اشاعت ممکن ہو سکی۔ اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو دونوں جہانوں میں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

(سید وجاہت رسول قادری)

فہرست

پیش لفظ

تمام تعریفیں اللہ تعالی کے لئے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور درود و سلام ہو تمام رسولوں میں افضل ہمارے آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ کی آل پاک اور تمام صحابہ پر۔

قرآن کریم وہ بلند رتبہ کتاب ہے جس کے ذریعے اللہ تعالی نے تمام کتب کو منسوخ فرما دیا۔ اور اللہ تعالی نے اس کو ایسے عظیم نبی پر نازل فرمایا جن کے ذریعے نبیوں کی آمد کا سلسلہ مکمل اور ختم ہوا۔ آپ ایک ایسا دین لے کر تشریف لائے جو خاتم الادیان ٹھہرا۔

قرآن حکیم مخلوق کی اصلاح کے لئے خالق کا دستور ہے۔ زمین والوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے آفاقی قانون ہے اس کو نازل فرمانے کے ساتھ ہی اللہ تعالی نے تمام سابقہ شریعتوں کو منسوخ فرما دیا ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالی نے تمام تر ترقی کے راز ودیعت رکھ دیئے ہیں اور ہر قسم کی سعادت کا حصول قرآن ہی کے ذریعے ممکن ہے قرآن پاک رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہت بڑا معجزہ اور آپ کی رسالت پر زبردست دلیل ہے جو کہ ایک عالم کی زبانوں پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر شاید آپ کی نبوت پر ناطق اور آپ کی صداقت و امانت پر ایک روشن دلیل ہے۔

قرآن مجید ہی دین اسلام کا وہ بلند قلعہ ہے جس کے حصار اور فراہم کردہ پناہ گاہ پر اسلام اپنے عقائد و نظریات' عبادات اور ان کی فلاسفی احکام و آداب (قوانین و کلچر)' قصص (اگلوں کی داستانوں سے عبرت پذیری اور ماضی کی تاریخ کے آئینہ میں حال و استقبال کو سلجھانے' سنوارنے کا وافر سامان) مواعظ اور علوم و معارف سب امور میں مکمل اعتماد اور بھروسہ کرتا ہے۔

قرآن مجید:۔ لغت عرب کی بقاء اور سلامتی کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ لغت عربی کے لسانی خطوط اور جہتوں کا تعین اور اس کی سمتوں کی استقامت اسی بلند

اور روشن مینار کی روشنی میں کی جاتی ہے۔

علوم عربیہ اپنی تمام تر انواع و کثرت کے ساتھ قرآن مجید ہی کے مرہون منت ہیں۔ عربی علوم و فنون کو اپنے نفس مضمون اور اسالیب میں قرآن پاک کی ہی بدولت دنیا بھر میں تمام عالمی زبانوں پر تفوق و برتری حاصل ہے۔

یہی کچھ وہ وجوہ و اسباب تھے کہ جن کی بنا پر قرآن مجید' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرام' امت مصطفویہ کے سلف اور خلف کے مطالعہ اور توجہ کا محور و مرکز رہا۔

ہر دور میں ارباب علم و فضل اور اصحاب تحقیق نے مختلف شکلوں میں قرآن پاک کے ہر پہلو پر تحقیقی کام جاری رکھا ہے۔ کبھی قرآن مجید کے الفاظ اور اس کی ادائیگی کے طریقوں پر تحقیق ہوئی تو کبھی قرآن پاک کا اسلوب اور اعجاز مرجع التفات رہا۔

کوئی قرآن پاک کی کتابت اور رسم الخط کے طریقوں کو اپنا موضوع تحقیق بناتا ہے تو کسی کا وظیفہ حیات اور شغل زندگی قرآن مجید کی تفسیر اور اس کی آیات کی شرح کرنے کی سعادت حاصل کرنا رہا ہے اسی طرح اور بہت سے گوشوں پر تحقیقی کام ہوا۔

علمائے امت نے قرآن مجید کے ہر پہلو پر الگ الگ تحقیق اور ریسرچ کر کے مستقل کتابیں تالیف کی ہیں ان کے لئے علوم وضع کئے اور کتب مدون فرمائی ہیں اور اس وسیع میدان میں بہت بلیغ کوششیں فرمائی ہیں اور یہ سلف صالحین کی کوششوں ہی کا نتیجہ ہے۔ کہ آج ان بزرگوں کی مساعی جمیلہ اور عظیم کارناموں کی بدولت نہایت قابل قدر سرمایہ علمی سے ہمارے کتب خانے مالا مال ہیں اور اس گراں قدر علمی سرمایہ پر ہمیں بجاطور پر ہمیشہ فخر رہا ہے۔ اور اسلاف کی اس علمی اور تحقیقی دولت و ثروت کے بل پر ہم اقوام عالم کو چیلنج کرنے اور ہر ملک اور ہر ملت کے افراد اغیار کو دندان شکن اور مسکت جواب دے سکنے کی پوزیشن میں ہیں اور اس طرح علماء محققین کی کاوشوں سے آج ہمیں زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق جملہ علوم و فنون پر تصانیف اور

گراں بہا شروحات دستیاب ہیں۔

ایک قرآن مجید ہی کو لے لیں اس کے متعلقہ علوم میں سے مثلاً" علم قرات، علم تجوید، نسخ عثمانی کا علم، علم تفسیر، علم ناسخ و منسوخ علم غرائب القرآن، علم اعجاز القرآن، علم اعراب القرآن اور اس طرح دیگر بہت سارے علوم دینیہ اور علوم عربیہ کے جو واقعی لائق اعتبار ہیں اور تاریخ نے اس کو تمام کتب کی اصل یعنی قرآن پاک کی حفاظت کے لئے عمدہ گردانا ہے۔ ایسے ہر علم پر کتابیں لکھی ہیں ان تمام علوم کی تدوین اور منصہ شہود پر ان کی جلوہ گری اللہ تعالی کی طرف سے ایک معجزہ کاظہور ہے۔ جو اللہ تعالی کے ارشاد گرامی۔

انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحفظون ہ (الحجر 9-15)

(بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود ہی اس کے نگہبان ہیں)

کی تصدیق کرنے والا ہے۔

پھر ان علوم مذکورہ کی کوکھ سے ایک نہایت عمدہ جدید علم نکلا جو ان تمام علوم کا بڑا ہی عمدہ آمیزہ مرکب ہے اور بفحوائے "الولدسر لابیہ" ان جملہ علوم کے اغراض و مقاصد اور اسرار و خصوصیات کا جامع ہے۔ اور وہ "علوم القرآن" کے نام سے جانا جاتا ہے اور یہی "علم جدید" ہماری اس زیر بحث کتاب کا موضوع ہے۔ تاہم ہم علوم القرآن پر صرف انہی امور سے بحث کریں گے جن کا تعلق براہ راست علم تفسیر سے ہے۔ تاکہ قرآن پاک کی گہرائیوں میں اترنے والوں کے لئے آسانی پیدا ہو۔ اور ہماری یہ کتاب تفسیر کے طالبان کے لئے کلیدی کردار ادا کرے۔

اس پہلو سے جائزہ لیا جائے تو "علوم القرآن" کی حیثیت تفسیر پڑھنے والوں کے لئے وہی ہے۔ جو حدیث شریف پڑھنے کا ارادہ رکھنے والوں کے لئے علوم الحدیث کی حیثیت ہوتی ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب (الاتقان فی علوم القرآن) کے خطبہ میں لکھتے ہیں۔

"میں زمانہ طالب علمی سے متقدمین کی اس بات پر بڑا تعجب کرتا تھا کہ انہوں نے علوم قرآن پر کوئی کتاب تالیف نہیں کی جس طرح سے کہ انہوں نے علم حدیث کے متعلق کتابیں تصنیف فرمائیں ہیں"

پس یہ چند فصلیں علوم القرآن سے متعلق ہیں اور یہ دراصل ہم نے امام جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب "الاتقان فی علوم القرآن" کی تلخیص پیش کی ہے اور کچھ اضافی اور تحقیقی باتیں ہم نے اپنی طرف سے بھی اس میں شامل کردی ہیں اور اس کا نام "زبدہ الاتقان فی علوم القرآن" رکھا ہے اللہ تعالی سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اس کو بھی اصل کی طرح نافع بنائے اور ہمارا نیک عمل اللہ تعالی کی جناب میں خالص لوجہ اللہ قرار پا جائے۔

مولا کریم تو ایسا ہی کر دے!

المترجم

سید محمد بن سید علوی بن سید عباس مالکی حسنی

۸ ربیع الاول 1401ھ

نوٹ:۔ ترجمہ صفحہ 53 سے شروع ہو رہا ہے۔ جبکہ صفحہ 15 تا 52 مقدمہ از مترجم ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ دربیان مصطلحات تفسیر — ازمترجم

قرآن مجید کی تفسیر کا مطالعہ کرنے سے پہلے علم تفسیر کی اصطلاحات کا جاننا ضروری ہے قرآن مجید کی آیات کے معانی کا سمجھنا تفسیر کی اصطلاحات کے جاننے پر موقوف ہے لہٰذا قرآن مجید کی تفسیر پوری بصیرت کے ساتھ اور کماحقہ سمجھنے کے لئے اولاً" مکی اور مدنی سورتوں کی معرفت' اور ناسخ و منسوخ اور اسباب نزول کا معلوم کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ جو شخص ان امور کی معرفت حاصل کئے بغیر تفسیر قرآن میں غور و خوض شروع کر دیتا ہے وہ ورطہ حیرت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور قرآن مجید کے معانی اور مطالب اس پر نہیں کھلتے نیتجۃً اس کی تفسیر کے ساتھ دلچسپی ہی ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔

بعض متقدمین کا بیان ہے قرآن کا نزول تیس قسموں پر ہوا ہے ان میں سے ہر ایک قسم دوسری قسم سے بالکل جداگانہ ہے' پس جو شخص ان باتوں کی وجوہ سے واقف ہو کر پھر دین میں کلام کرے گا وہی بات ٹھیک کرے گا اور اصول دین کے موافق زبان کھولے گا اور اگر بغیر ان امور کی معرفت حاصل کئے دین میں کچھ زبان سے نکالے گا تو معلوم رہنا چاہئے کہ غلطی اس کے گردو پیش منڈلاتی رہے گی اور وہ چیزیں حسب ذیل ہیں جن کا جاننا مطالعہ تفسیر سے پیشتر ضروری ہے مثلاً" مکی' مدنی' ناسخ منسوخ' محکم' متشابہ' تقدیم' تاخیر مقطوع' موصول سبب نزول' اضمار' خاص ۔ عام ۔نہی' وعد' وعید' حدود' احکام ۔ خبر استفہام' اعذار' انذار حجت' احتجاج' مواعظ' امثال اور قسم جن کی تفصیل آگے آ رہی ہے مقدمہ میں مندرجہ ذیل امور پر روشنی ڈالی گئی ہے تفسیر کا لغوی اور اصطلاحی معنی علم تفسیر کی تعریف' موضوع اور غرض و غایت فائدہ و ثمرہ واضع تفسیر نسبت ۔ استمداد' فضیلت وحی کی حقیقت' قرآن مجید کی تعریف' قرآن مجید کا اعجاز تفسیر اور تاویل کی تعریف' تفسیر کی ضرورت' تفسیر بالرائے کی تحقیق جمع و تدوین قرآن کی تاریخ مضامین قرآن کا خاکہ ایک نظر میں۔

تفسیر اور تاویل کا لغوی معنی

علامہ زبیدی لکھتے ہیں

ابن الاعرابی نے کہا(فسر) کا معنی ظاہر کرنا اور بند چیز کو کھولنا ہے بصائر میں ہے معنی معقول کو منکشف کرنا"فسر" ہے' نیز فسر کا معنی' طبیب کا پیشاب کا معائنہ کرنا ہے " تفسرۃ " اس پیشاب کو کہتے ہیں جس سے مریض کے مرض پر استدلال کیا جاتا ہے' اس کا طبیب معائنہ کرتے ہیں' اور اس کے رنگ سے مریض کے مرض پر استدلال کرتے ہیں' تفسیر اور تاویل دونوں کا ایک معنی ہے۔ یا تفسیر مشکل لفظ کی مراد کے بیان کرنے کو کہتے ہیں' اور تاویل دو احتمالوں میں سے کسی ایک احتمال کے ترجیح دینے کو کہتے ہیں۔ جو بظاہر عبارت کے مطابق ہو لسان العرب میں اسی طرح مذکور ہے۔ ایک قول یہ ہے کو قرآن مجید میں جو مجمل قصے ہیں ان کی شرح کرنا اور مشکل الفاظ کے معانی بیان کرنا اور آیات کا شان نزول بیان کرنا تفسیر ہے اور معانی متشابہ کو بیان کرنا تاویل ہے اور جن الفاظ کا غور و فکر کئے بغیر قطعیت کے ساتھ معنی معلوم نہ ہو سکے وہ متشابہ ہیں (تاج العروس ج 3 ص 470 مطبعہ خیریہ مصر 1306ھ بحوالہ تبیان القرآن)

علامہ میر سید شریف لکھتے ہیں:۔

تفسیر کا لغوی معنی ہے کشف اور ظاہر کرنا اور اصطلاحی معنی ہے واضح لفظوں کے ساتھ آیت کے معنی کو بیان کرنا اس سے مسائل مستنبط کرنا' اس کے متعلق احادیث و آثار بیان کرنا اور اس کا شان نزول بیان کرنا(کتاب التعریفات ص 38ھ بحوالہ تبیان القرآن)

تاویل کا لغوی معنی ہے لوٹانا اور اصطلاح شرح میں ایک لفظ کو اس کے ظاہری معنی سے ہٹا کر ایک ایسے معنی پر محمول کرنا جس کا وہ احتمال رکھتا ہو اور وہ احتمال کتاب اور سنت کے موافق ہو' مثلاً" اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہےیخرج الحی من المیت وہ مردے سے زندہ کو نکالتا ہے۔ اگر اس آیت میں انڈے سے پرندے کو نکالنا مراد ہو تو تفسیر ہے اور اگر کافر سے مومن کو پیدا کرنا یا جاہل سے عالم کو پیدا کرنا مراد ہو تو یہ تاویل ہے(کتاب التعریفات ص 22 مطبعہ خیریہ مصر 1306ھ)

تفسیر کا اصطلاحی معنی علامہ ابوالحیان اندلسی لکھتے ہیں:۔

تفسیر وہ علم ہے جس میں الفاظ قرآن کی کیفیت نطق، ان کے مدلولات، ان کے مفرد اور مرکب ہونے کے احکام، حالت ترکیب میں ان کے معانی اور ان کے تتمات سے بحث کی جاتی ہے (البحرالمحیط ج 1 ص 26 دار لفکر بیروت 1412ھ)

الفاظ قرآن کی کیفیت نطق سے مراد علم قرات ہے الفاظ قرآن کے مدلولات سے مراد ان الفاظ کے معانی ہیں اور اس کا تعلق علم لغت سے ہے، مفرد اور مرکب کے احکام، اس سے مراد علم صرف، علم نحو(عربی گرائمر) اور علم بیان اور علم بدیع (فصاحت و بلاغت) ہے اور حالت ترکیب میں الفاظ قرآن کے معانی سے مراد یہ ہے کہ کبھی لفظ کا ظاہری معنی مراد نہیں ہوتا اور اس کو مجاز پر محمول کیا جاتا ہے اس کا تعلق علم معانی اور بیان سے ہے اور تتمات سے مراد ناسخ اور منسوخ کی معرفت آیات کا شان نزول اور مبہمات قرآن کا بیان ہے۔

علامہ ابن الجوزی لکھتے ہیں:۔

کسی چیز کو (جہالت کی) تاریکی سے نکال کر (علم کی) روشنی میں لانا تفسیر ہے، اور کسی لفظ کو اس کے اصل معنی سے نقل کر کے دوسرے معنی پر محمول کرنا تاویل ہے۔ جس کی وجہ ایسی دلیل ہو کہ اگر وہ دلیل نہ ہوتی تو اس لفظ کو اس کے ظاہر سے نہ ہٹایا جاتا(زادالسیرج نمبر10، ص 4 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت 1407ھ بحوالہ تبیان القرآن)

تفسیر اور تاویل کا فرق

جس لفظ کا صرف ایک معنی ہو اس کو بیان کرنا تفسیر ہے اور جس لفظ کے کئی معنی ہوں تو دلیل سے کسی ایک معنی کو بیان کرنا تاویل ہے۔ امام ماتریدی نے کہا ہے کہ قطعیت سے بیان کرنا کہ اس لفظ کا یہ معنی ہے، اور اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ تعالی نے اس لفظ سے یہ معنی مراد لیا ہے، یہ تفسیر ہے، سو اگر کسی دلیل قطعی کی بنا پر یہ شہادت دی گئی ہے تو یہ تفسیر صحیح ہے ورنہ تفسیر بالرائے ہے، اور یہ منع ہے، اور لفظ کے کئی محتملات میں سے کسی ایک احتمال کو بغیر قطعیت اور شہادت کے متعین کرنا

تاویل ہے اور ابو طالب ثعلبی نے بیان کیا ہے کہ لفظ کی حقیقت اور مجاز کو بیان کرنا تفسیر ہے، جیسے "صراط" کی تفسیر راستہ ہے اور "صیب" کی تفسیر بارش ہے اور تاویل لفظ کے باطن کو بیان کرنا ہے مثلاً "ان ربک لبالمرصاد" (الفجر:14) اس کا لفظی معنی ہے بے شک آپ کا رب ضرور گھات میں ہے اور اس کی تاویل یہ ہے کہ وہ نافرمانوں کو دیکھ رہا ہے اور اس سے ان کو نافرمانی کرنے سے ڈرایا گیا ہے

تاویل میں دلیل قطعی سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ یہاں لفظ کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے علامہ اصبہانی تفسیر اور تاویل کا فرق بیان کرتے ہوئے اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ" تفسیر کا معنی ہے قرآن کے معانی کو بیان کرنا، کبھی اس میں مشکل الفاظ کے معانی بیان کئے جاتے ہیں مثلاً" بحیرہ، سائبہ اور وصیلہ کے معانی اور کبھی کسی قصہ کو متضمن ہوتا ہے اور اس قصہ کے بیان کے بغیر اس کلام کی معرفت نہیں ہوتی۔ مثلاً" انما النسی زیادۃ فی الکفر تقدیم و تاخیر کفر میں زیادتی کے سوا کچھ نہیں (التوبہ:37)

یہ آیت اس قصہ کو متضمن ہے کہ کفار اپنی ہوائے نفس کی بناء پر مہینوں کو آگے پیچھے کر دیتے تھے۔

1:- اور تاویل میں کبھی لفظ کو عموم پر محمول کیا جاتا ہے اور کبھی خصوص پر۔ مثلاً" ایمان کا لفظ مطلقاً" تصدیق کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے اور تصدیق شرعی کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے اور کبھی ایک لفظ جو کئی معنی میں مشترک ہوتا ہے اس کے کسی ایک معنی کی تعیین کی جاتی ہے جیسے (قروء) یہ حیض اور طہر دونوں میں مشترک ہے۔

بعض علماء نے کہا تفسیر کا تعلق روایت کے ساتھ ہے اور تاویل کا تعلق درایت کے ساتھ ہے اور ابو نصر قشیری نے کہا تفسیر اتباع اور سماع میں منحصر ہے اور تاویل کا تعلق استنباط کے ساتھ ہے۔

مجدد گولڑوی قدس سرہ لکھتے ہیں:۔

"بداں کہ تفسیر بالرائے جائز نیست بخلاف تاویل کہ آں درست است تفسیر آں رائے گویند کہ بغیر از نقل دانستہ نشود مثل اسباب نزول وغیرہ و تاویل آنست کہ ممکن

باشد ادراک او بقواعد عربیہ (اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان وما اہل بہ لغیر اللہ سید مہر علی شاہ قدس سرہ)

ترجمہ:۔ معلوم ہونا چاہئے کہ تفسیر بالرائے جائز نہیں اور تاویل بالرائے جائز ہے تفسیر اسے کہتے ہیں جو نقل یعنی روایت کے بغیر معلوم نہ ہوسکے جیسے شان نزول وغیرہ اور تاویل وہ ہے جو قواعد عربیہ کے ذریعے معلوم کی جاسکے۔

نیز لکھتے ہیں:۔

(ترجمہ) علامہ سلیمان الجمل نے جلالین شریف کے حاشیہ میں تحریر فرمایا کہ

"تفسیر کا معنی کشف اور اظہار ہے اور تاویل کا معنی رجوع یعنی لوٹانا ہے اور علم تفسیر وہ ہے جس میں قرآن مجید کے احوال سے انسانی طاقت کے مطابق بحث کی جائے اس حیثیت سے کہ یہ اللہ تعالی کی مراد پر دلالت کرتی ہے پھر یہ دو قسم پر ہے اول تفسیر جو بغیر نقل اور روایت کے معلوم نہ ہوسکے جیسے اسباب نزول دوم تاویل جو عربی قواعد سے معلوم ہوسکے اور اس بات کا راز کہ تاویل بالرائے درست ہے اور تفسیر بالرائے نادرست یہ ہے کہ تفسیر میں انسان اللہ تعالی پر گواہی دیتا ہے کہ اس لفظ سے اللہ تعالی جل مجدہ کی قطعی طور پر یہی مراد ہے اور یہ چیز بغیر توقیف (نقل و سماع) کے ناممکن اور ناروا ہے اس لئے حاکم نے یقینی طور پر کہا ہے کہ حضرات صحابہ کرام علیہم رضوان کی تفسیر مطلقاً" حدیث مرفوع کا درجہ رکھتی ہے اور تاویل بالرائے میں دو احتمالوں میں سے ایک کو غیر یقینی طور پر ترجیح دے دینا ہے۔

فائدہ اور غرض و غایت:۔

علم تفسیر کا فائدہ قرآن مجید کے معانی کی معرفت ہے اور اس کی غرض و غایت سعادت دارین ہے۔

موضوع:۔ اور اس کا موضوع کلام اللہ لفظی ہے کیونکہ موضوع وہ ہوتا ہے جس کے عوارض ذاتیہ سے اس علم میں بحث کی جاتی ہے اور علم تفسیر میں کلام لفظی کے عوارض ذاتیہ سے بحث کی جاتی ہے تفسیر قرآن کی فضیلت پر عقلی دلائل

امام راغب اصفہانی نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ تمام صنعتوں میں سب سے افضل صنعت قرآن مجید کی تفسیر اور تاویل ہے کیونکہ صنعت کی فضیلت یا تو اس کے موضوع کے اعتبار سے ہوتی ہے' جیسے کہا جاتا ہے سنار کی صنعت دباغ کی صنعت سے افضل ہے کیونکہ سنار کا موضوع سونا اور چاندی ہے اور دباغ (کھال رنگنے والا) کا موضوع مردار کی کھال ہے یا صنعت کی فضیلت اس کی غرض کے اعتبار سے ہوتی ہے جیسے طب کی صنعت جمعدار کی صنعت سے افضل ہے کیونکہ طب کی غرض صحت کا افادہ کرنا ہے اور جمعداری کی غرض بیت الخلاء کی صفائی ہے نیز صنعت کی فضیلت صورت کے اعتبار سے ہوتی ہے تلوار کی صنعت بیڑیاں بنانے کی صنعت سے افضل ہے۔

اور صنعت تفسیر ان تینوں جہات کے اعتبار سے تمام صنعتوں سے افضل ہے' کیونکہ اس کا موضوع اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو ہر حکمت کا منبع و سرچشمہ اور ہر صورت کا معدن ہے اور اس کی صورت اللہ تعالیٰ کے مخفی اسرار کا اظہار ہے اور تدوین شریعت ہے اور یہ ہر صورت سے افضل ہے اور اس کی غرض سعادت حقیقیہ تک پہنچنا اور خیر کثیر کا حصول ہے جو ہر غرض سے افضل ہے قرآن مجید میں ہے۔

ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیر اکثیرا(البقرہ 269)

اور جسے حکمت دی گئی تو بے شک اسے خیر کثیر دی گئی ایک قول یہ ہے کہ خیر کثیر سے مراد قرآن کریم کی تفسیر ہے تفسیر قرآن کی فضیلت کے متعلق احادیث و آثار علامہ ابن عطیہ لکھتے ہیں:۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ قرآن کا کون سا علم افضل ہے۔ آپ نے فرمایا: اس کی عربیت' سو تم اس کو شعر میں تلاش کرو' نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن مجید کے معانی کی فہم حاصل کرو' اور اس کے مشکل الفاظ کے معانی تلاش کرو' کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے معانی کی معرفت حاصل کرنے کو پسند کرتا ہے۔

قاضی ابو محمد عبدالحق رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا قرآن مجید کے اعراب شریعت میں اصل ہیں، کیونکہ اسی کے ذریعے وہ معانی حاصل ہوتے ہیں جو شرع میں مطلوب ہیں۔

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ کے علم کی تعریف کی، ان سے ایک شخص نے کہا میں آپ پر قربان جاؤں، آپ کا خود اتنا عظیم مقام ہے اور آپ حضرت جابر کی تعریف کر رہے ہیں؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: حضرت جابر کو قرآن مجید کی اس آیت کی تفسیر کا علم ہے ان الذی فرض علیک القرآن لرادک الی معاد۔

شعبی نے کہا مسروق نے ایک آیت کی تفسیر کے لئے بصرہ کا سفر کیا، وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ جو شخص اس آیت کی تفسیر کرتا تھا وہ شام چلا گیا ہے پھر وہ شام پہنچے اور اس شخص سے اس آیت کی تفسیر کا علم حاصل کیا۔

ایاس بن معاویہ نے کہا جو لوگ قرآن کریم پڑھتے ہیں اور اس کی تفسیر کو نہیں جانتے وہ ان لوگوں کی مثل ہیں جن کے پاس اندھیری رات میں بادشاہ کا مکتوب آیا ہو اور ان کے پاس چراغ نہ ہو اور ان کو علم نہ ہو سکے کہ اس میں کیا لکھا ہے اور وہ اس وجہ سے پریشان اور مضطرب ہوں، اور جو لوگ قرآن مجید کی تفسیر جانتے ہیں، ان کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جن کے پاس رات کے وقت بادشاہ کا مکتوب آیا ہو اور اس کے پڑھنے کے لئے ان کے پاس چراغ موجود ہو۔

مجاہد نے کہا اللہ کے نزدیک اس کی مخلوق میں سب سے زیادہ پسندیدہ وہ شخص ہے جس کو قرآن مجید کا سب سے زیادہ علم ہو۔

حضرت ابن عباس اپنی مجلس میں پہلے قرآن پڑھتے پھر اس کی تفسیر کرتے پھر حدیث بیان کرتے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا ہر چیز کا علم قرآن میں ہے، لیکن انسان کی عقل اس کو حاصل کرنے سے عاجز ہے

وحی کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ مجد الدین فیروز آبادی لکھتے ہیں:

اشارہ، لکھنا، مکتوب، رسالہ، الہام، کلام خفی، ہر وہ چیز جس کو تم غیر کی طرف القاء کرو اسے اور آواز کو وحی کہتے ہیں (قاموس ج 4 ص 579)

علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں:

حدیث میں وحی کا بکثرت ذکر ہے، لکھنے، اشارہ کرنے، کسی کو بھیجنے، الہام اور کلام خفی پر وحی کا اطلاق کیا جاتا ہے (نہایہ ج 4 ص 163 مطبوعہ مؤسسہ مطبوعاتی ایران)

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں وحی کا اصل معنی سرعت کے ساتھ اشارہ کرنا ہے، یہ اشارہ کبھی رمز اور تعریض کے ساتھ کلام میں ہوتا ہے، اور کبھی محض آواز سے ہوتا ہے، کبھی اعضاء اور جوارح سے ہوتا ہے اور کبھی لکھنے سے ہوتا ہے، جو کلمات انبیاء اور اولیاء کی طرف القاء کئے جاتے ہیں ان کو بھی وحی کہا جاتا ہے، یہ القاء کبھی فرشتہ کے واسطہ سے ہوتا ہے جو دکھائی دیتا ہے اور اس کا کلام سنائی دیتا ہے، جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام کسی خاص شکل میں آتے تھے۔ اور کبھی کسی کے دکھائی دیئے بغیر کلام سنا جاتا ہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا، اور کبھی دل میں کوئی بات ڈال دی جاتی ہے جیسے حدیث شریف میں ہے جبرائیل نے میرے دل میں بات ڈال دی اور اس کو نفث فی الروح کہتے ہیں اور کبھی یہ القاء اور الہام کے ذریعے ہوتا ہے جیسے اس آیت میں ہے۔

واوحینا الی ام موسیٰ ان ارضعیہ (القصص:7) اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو الہام فرمایا کہ ان کو دودھ پلاؤ۔

اور کبھی یہ القاء تسخیر ہوتا ہے جیسے اس آیت میں ہے واوحی ربک الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتا ومن الشجر ومما یعرشون (النحل 68)

اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ ڈالا کہ پہاڑوں میں درختوں میں اور ان چھپروں میں گھر بنا جنہیں لوگ اونچا بناتے ہیں۔

اور کبھی خواب میں القاء کیا جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے نبوت منقطع ہو گئی

اور سچے خواب باقی رہ گئے ہیں۔(المفردات ص 516-515 ملتحصا" مکتبہ مرتضویہ ایران)

علامہ بدرالدین عینی نے وحی کا اصطلاحی معنی یہ لکھا ہے

اللہ کے نبیوں میں سے کسی نبی پر جو کلام نازل کیاجاتا ہے وہ وحی ہے(عمدہ القاری ج 1 ص 14)

ضرورت وحی اور ثبوت وحی

○ انسان مدنی الطبع ہے اور مل جل کر رہتا ہے اور ہر انسان کو اپنی زندگی گزارنے کے لئے خوراک کپڑوں اور مکان کی ضرورت ہوتی ہے اور افزائش نسل کے لئے نکاح کی ضرورت ہے ان چار کے حصول کے لئے اگر کوئی قانون اور ضابطہ نہ ہو تو ہر زور آور اپنی ضرورت کی چیزیں طاقت کے ذریعہ کمزور سے حاصل کرلے گا۔ اس لئے عدل اور انصاف کو قائم کرنے کی غرض سے کسی قانون کی ضرورت ہے اور یہ قانون اگر کسی انسان نے بنایا تو وہ اس قانون میں اپنے تحفظات اور اپنے مفادات شامل کرے گا' اس لئے یہ قانون مافوق الانسان کا بنایا ہوا ہونا چاہئے تاکہ اس میں کسی جانب داری کا شائبہ اور وہم و گمان نہ ہو' اور ایسا قانون صرف اللہ کا بنایا ہوا قانون ہو سکتا ہے۔ جس کا علم اللہ کے بتلانے اور اس کے خبردینے سے ہی ہو سکتا ہے اور اسی کا نام وحی ہے

○ انسان عقل سے خدا کے وجود کو معلوم کر سکتا ہے' عقل سے خدا کی وحدانیت کو بھی جان سکتا ہے' قیامت کے قائم ہونے' حشرو نشر اور جزاء وسزا کو بھی عقل سے معلوم کر سکتا ہے لیکن وہ عقل سے اللہ تعالی کے مفصل احکام کو معلوم نہیں کر سکتا وہ عقل سے یہ بات جان سکتا ہے کہ اللہ کا شکر ادا کرنا اچھی بات ہے اور ناشکری بری بات ہے لیکن وہ عقل سے یہ نہیں جان سکتا کہ اس کا شکر کس طرح ادا کیاجائے' اس کا علم صرف اللہ تعالی کے خبردینے سے ہی ہو گا اور اسی کا نام وحی ہے۔

○ اللہ تعالی نے انسان کو دنیا میں عبث اور بے مقصد نہیں بھیجا بلکہ اس لئے بھیجا ہے کہ وہ اپنی دنیاوی ذمہ داریوں کو پورا کرنے اور حقوق اور فرائض ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالی کی عبادت کرے اور اس کی دی ہوئی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرے

برے کاموں اور بری خصلتوں سے بچے اور اچھے کام اور نیک خصلتیں اپنائے' اور اللہ تعالیٰ کی عبادات کیا کیا ہیں؟ اور وہ کس طرح ادا کی جائیں۔ وہ کون سے کام ہیں جن سے بچا جائے اور وہ کون سے کام ہیں جن کو کیا جائے اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے بتلانے اور خبر دینے سے ہی ہو سکتا ہے اور اسی کا نام وحی ہے۔

○ بعض چیزوں کو ہم حواس کے ذریعے جان لیتے ہیں جیسے رنگ' آواز اور ذائقہ کو' اور بعض چیزوں کو عقل سے جان لیتے ہیں جیسے دو اور دو کا مجموعہ چار یا مصنوع کے وجود سے صانع کے وجود کو جان لیتے ہیں' لیکن کچھ ایسی چیزیں ہیں جن کو حواس سے جانا جا سکتا ہے نہ عقل سے' مثلاً" نماز کا کیا طریقہ ہے' کتنے ایام کے روزے فرض ہیں زکوٰۃ کی کیا مقدار ہے۔ اور کس چیز کا کھانا حلال ہے اور کس چیز کا کھانا حرام ہے غرض عبادات اور معاملات کے کسی شعبہ کو ہم حواس خمسہ اور عقل کے ذریعے نہیں جان سکتے' اس کو جاننے کا صرف ایک ذریعہ ہے اور وہ ہے وحی!

○ بعض اوقات حواس غلطی کرتے ہیں مثلاً" ریل میں بیٹھے ہوئے شخص کو درخت دوڑتے ہوئے نظر آتے ہیں اور بخار زدہ شخص کو میٹھی چیز کڑوی معلوم ہوتی ہے اور حواس کی غلطیوں پر عقل تنبیہہ کرتی ہے اس طرح بعض اوقات عقل بھی غلطی کرتی مثلاً" عقل یہ کہتی ہے کہ کسی ضرورت مند کو مال نہ دیا جائے مال کو صرف اپنے مستقبل کے لئے بچا کر رکھا جائے اور جس طرح حواس کی غلطیوں پر متنبہ کرنے کے لئے عقل کی ضرورت ہے' اسی طرح عقل کی غلطیوں پر متنبہ کرنے کے لئے وحی کی ضرورت ہے۔

وحی کی تعریف میں ہم نے یہ ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کو جو چیز بتلاتا ہے وہ وحی ہے' اور نبوت کا ثبوت معجزات سے ہوتا ہے' اب یہ بات بحث طلب ہے کہ وحی کے ثبوت کے لئے نبوت کیوں ضروری ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر نبوت کے بغیر وحی کا ثبوت ممکن ہوتا تو اس دنیا کا نظام فاسد ہو جاتا' مثلاً" ایک شخص کسی کو قتل کر دیتا ہے اور کہتا ہے مجھ پر وحی اتری تھی کہ اس شخص کو قتل کر دو۔ ایک شخص بزور کسی کا

مال اپنے قبضہ میں کر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ پر وحی نازل ہوئی تھی کہ اس کے مال پر قبضہ کر لو' اس لئے ہر کس و ناکس کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ وحی کا دعویٰ کرے وحی کا دعویٰ صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت پر فائز کیا ہو۔ لہٰذا وحی کا دعویٰ صرف نبی ہی کر سکتا ہے اور نبوت کا دعویٰ تب ثابت ہو گا جب وہ اس کے ثبوت میں معجزات پیش کرے گا۔

ایک سوال یہ ہے کہ جب نبی کے پاس فرشتہ وحی لے کر آتا ہے تو نبی کو کیسے یقین ہوتا ہے کہ یہ فرشتہ ہے اور یہ اللہ کا کلام لے کر آیا ہے' امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ فرشتہ نبی کے سامنے اپنے فرشتہ ہونے اور حامل وحی الٰہی ہونے پر معجزہ پیش کرتا ہے اور امام غزالی کی بعض عبارات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کو ایسی صفت عطا فرماتا ہے جس سے وہ' جن' فرشتہ اور شیطان کو الگ الگ پہچانتا ہے۔

جیسے ہم انسانوں' جانوروں اور نباتات او جمادات کو الگ الگ پہچانتے ہیں کیونکہ ہماری رسائی صرف عالم شہادت تک ہے اور نبی کی پہنچ عالم شہادت میں بھی ہے اور عالم غیب میں بھی ہے۔

وحی کی اقسام

بنیادی طور پر وحی کی دو قسمیں ہیں وحی متلو اور وحی غیر متلو۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر الفاظ اور معانی کا نزول ہو تو یہ وحی متلو ہے اور یہی قرآن مجید ہے' اور اگر آپ پر صرف معانی نازل کئے جائیں اور آپ ان معانی کو اپنے الفاظ سے تعبیر کریں تو یہی وحی غیر متلو ہے اور اس کو حدیث نبی کہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کی متعدد صورتیں ہیں جن کا احادیث صحیحہ میں بیان کیا گیا ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت حارث بن ہشام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم! آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کبھی وحی گھنٹی کی آواز کی طرح (مسلسل) آتی ہے اور یہ مجھ پر بہت شدید ہوتی ہے۔ یہ وحی (جب) منقطع ہوتی ہے تو میں اس کو یاد کر چکا ہوتا ہوں، اور کبھی میرے پاس فرشتہ انسانی شکل میں آتا ہے وہ مجھ سے کلام کرتا ہے، اور جو کچھ وہ کہتا جاتا ہے میں اس کو یاد کرتا جاتا ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے کہا میں نے دیکھا ہے کہ سخت سردی کے دنوں میں آپ پر وحی نازل ہوتی اور جس وقت وحی ختم ہوتی تھی تو آپ کی پیشانی سے پسینہ بہہ رہا ہوتا تھا (صحیح بخاری ج 1 ص 2)

اس حدیث پر یہ سوال ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول کی دو صورتیں بیان کی ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

علامہ بدرالدین عینی نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ اللہ تعالی کی عادت جاریہ یہ ہے کہ قائل اور سامع میں کوئی مناسبت ہونی چاہئے تاکہ تعلیم اور تعلم اور افادہ اور استفادہ متحقق ہو سکے اور یہ اتصاف یا تو اس طرح ہو گا کہ سامع پر قائل کی صفت کا غلبہ ہو اور وہ قائل کی صفت کے ساتھ متصف ہو جائے اور (صلصلة الجرس)بانگ درا سے یہی پہلی قسم مراد ہے۔ اور یا قائل سامع کی صفت کے ساتھ متصف ہو جائے اور یہ دوسری قسم ہے جس میں فرشتہ انسانی شکل میں متشکل ہو کر آپ سے کلام کرتا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کی پہلی قسم کی تشبیہ گھنٹی کی آواز کے ساتھ دی ہے۔ جس کی آواز مسلسل سنائی دیتی ہے۔ اور اس کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا، اس میں آپ کو متنبہ کیا ہے کہ جس وقت یہ وحی قلب پر نازل ہوتی ہے تو آپ کے قلب پر خطاب کی ہیبت طاری ہوتی ہے اور وہ قول آپ کو حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن اس قول کے ثقل کی وجہ سے اس وقت آپ کو اس کا پتا نہیں چلتا اور جب اس کے جلال کی ہیبت زائل ہو جاتی ہے تو پھر آپ کو اس کا علم ہوتا ہے اور وحی کی یہ قسم ایسی ہے

جیسے ملائکہ پر وحی نازل ہوتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالی آسمان پر کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو فرشتے عاجزی سے اپنے پروں کو جھڑ جھڑاتے ہیں جیسے پتھر پر زنجیر ماری جائے اور جب ان کے دلوں سے وہ ہیبت زائل ہوتی ہے تو وہ آپس میں کہتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں حق فرمایا اور عظیم اور کبیر ہے' اور اس حدیث میں ہم پر یہ ظاہر ہوا ہے کہ وحی کی پہلی قسم دوسری سے شدید ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم حالت بشری سے فرشتے کی حالت کی طرف منتقل ہوتے تھے پھر آپ پر اس طرح وحی کی جاتی تھی جس طرح فرشتوں پر وحی کی جاتی ہے' اور یہ آپ کے لئے مشکل تھا اور دوسری قسم میں فرشتہ انسانی شکل میں آتا تھا اور یہ قسم آپ کے لئے آسان تھی۔

(عمدہ القاری ج 1 ص 44، مطبوعہ ادارہ الطباعہ المنیریہ مصر 1348ھ بحوالہ تبیان القرآن)

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ گھنٹی کی آواز میں ہر چند کہ عام لوگوں کے لئے کوئی معنی اور پیغام نہیں ہوتا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس آواز میں کوئی معنی اور پیغام ہوتا تھا جیسا کہ اس ترقی یافتہ دور میں ہم دیکھتے ہیں جب ٹیلی گرام دینے کا عمل کیا جاتا ہے تو ایک طرف سے صرف ٹک ٹک کی آواز ہوتی ہے اور دوسری طرف اس سے پورے پورے جملے بنا لئے جاتے ہیں اسی طرح یہ ہو سکتا ہے کہ وحی کی یہ آواز بظاہر صرف گھنٹی کی مسلسل ٹن ٹن کی طرح ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس میں پورے پورے فصیح و بلیغ جملے موجود ہوں۔

علامہ بدرالدین عینی نے نزول وحی کی حسب ذیل اقسام بیان کی ہیں:

1- کلام قدیم کو سننا جیسے حضرت موسی علیہ السلام نے اللہ تعالی کا کلام سنا' جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالی کا کلام سنا' جس کا ذکر آثار صحیحہ میں ہے۔

2- فرشتہ کی رسالت کے واسطہ سے وحی کا موصول ہونا۔

3- وحی کو دل میں القاء کیا جائے' جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے روح القدس نے میرے دل میں القاء کیا۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف اسی طرح وحی کی جاتی تھی' اور انبیاء علیہم السلام کے غیر کے لئے جو وحی کا لفظ بولا جاتا ہے۔ وہ الہام یا تسخیر کے معنی میں ہوتا ہے۔

علامہ سہیلی نے الروض الانف (ج 1 ص 154' مطبوعہ ملتان) میں نزول وحی کی یہ سات صورتیں بیان کی ہیں:

1- نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند میں کوئی واقعہ دکھایا جائے۔

2- گھنٹی کی آواز کی شکل میں آپ کے پاس وحی آئے۔

3- نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں کوئی معنی القاء کیا جائے۔

4- نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فرشتہ انسانی شکل میں آئے اور حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکل میں آئے' حضرت دحیہ کی شکل میں آنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ حسین ترین شخص تھے ' حتی کہ وہ اپنے چہرے پر نقاب ڈال کر چلا کرتے تھے' مبادا عورتیں ان کو دیکھ کر فتنہ میں مبتلا ہوں۔

5- حضرت جبرائیل آپ کے پاس اپنی اصلی صورت میں آئے اس صورت میں ان کے چھ سو پر تھے جن سے موتی اور یاقوت جھڑتے تھے۔

6- اللہ تعالیٰ آپ سے یا تو بیداری میں پردہ کی اوٹ سے ہم کلام ہو جیسا کہ معراج کی شب ہوا' یا نیند میں ہم کلام ہو' جیسے جامع ترمذی میں ہے اللہ تعالیٰ میرے پاس حسین صورت میں آیا اور فرمایا ملاء اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں

7- اسرافیل علیہ السلام کی وحی' کیونکہ شعبی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت اسرافیل علیہ السلام کے سپرد کر دیا گیا تھا اور وہ تین سال تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے رہے' اور وہ آپ کے پاس وحی لاتے تھے' پھر آپ کو حضرت جبرائیل علیہ السلام کے سپرد کر دیا گیا' اور مسند احمد میں سند صحیح کے ساتھ شعبی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث کیا گیا اور

تین سال تک آپ کی نبوت کے ساتھ حضرت اسرافیل رہے اور وہ آپ کو بعض کلمات اور بعض چیزوں کی خبردیتے تھے' اس وقت آپ پر قرآن مجید نازل نہیں ہوا تھا' اور جب تین سال گزر گئے تو پھر حضرت جرائیل علیہ السلام آپ کے پاس رہے پھر بیس سال آپ پر آپ کی زبان میں قرآن مجید نازل ہوا' دس سال مکہ میں اور دس سال مدینہ میں اور تریسٹھ سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا۔ البتہ واقدی وغیرہ نے اس کا انکار کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ حضرت جرائیل علیہ السلام کے علاوہ آپ کو اور کسی فرشتہ کے سپرد نہیں کیا گیا (عمدہ القاری ج 1 ص 40 مصر' تبیان القرآن علامہ غلام رسول سعیدی)

قرآن مجید کی تعریف اور قرآن مجید کے اسماء

اللہ تعالی کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ سابقہ آسمانی کتابوں کے منختلط محرف اور محو ہو جانے کے بعد دنیا میں قیامت تک وحی الہی صرف قرآن مجید کی صورت میں باقی اور محفوظ رہے گزشتہ شریعتیں' شریعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد منسوخ ہو گئیں اور اللہ تعالی نے قیامت تک کے لئے صرف شریعت محمدی اور دین اسلام کے واجب القبول ہونے کا اعلان فرما دیا۔ اور دین اسلام اور شریعت محمدی کی اساس اور برہان قرآن مجید ہے' اس میں اللہ تعالی کی ذات اور صفات پر دلائل ہیں انبیاء میں سابقین اور سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت' رسالت اور ان کی عظمتوں کا بیان ہے حلال اور حرام ۔ عبادات اور معاملات ۔ آداب اور اخلاق کے جملہ احکام کا بیان ہے' معاد جسمانی' حشر ونشر اور جنت و دوزخ کا تفصیل سے ذکر ہے۔ اور انسان کی ہدایت کے لئے جس قدر امور کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ اس سب کا قرآن مجید میں بیان ہے اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔

ونزلنا علیک الکتب تبیانا لکل شئی وهدی ورحمة وبشری للمسلمین

(النحل 89) ہم نے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا ہے جو ہر چیز کا روشن بیان ہے

اور ہدایت اور رحمت ہے اور مسلمانوں کے لئے بشارت ہے۔

علماء اصول فقہ نے قرآن مجید کی یہ تعریف کی ہے

قرآن مجید اللہ تعالی کا معجز کلام ہے جو ہمارے نبی سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر عربی زبان میں نازل ہوا یہ مصاحف میں لکھاہوا ہے اور ہم تک تواتر سے پہنچا ہے اس کی ابتداء سورت فاتحہ سے ہے اور اس کااختتام سورۃ الناس پر ہے۔

قرآن مجید کے ترجمہ پر قرآن مجید کا اطلاق نہیں ہو گا کیونکہ قرآن مجید الفاظ عربیہ میں ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہےانا انزلنا قرانا عربیا(یوسف 2) ہم نے اس کتاب کو بطور عربی قرآن نازل کیا۔

اسی طرح قرات شاذہ جو تواتر سے منقول نہیں ہیں ان پر بھی قرآن مجید کا اطلاق نہیں ہو گا۔

قرآن مجید کے نام

تفسیر کبیر اور تفسیر عزیزی وغیرہ میں ہے کہ قرآن پاک کے 32 نام ہیں جو کہ قرآن پاک میں مذکور ہیں (1) قرآن (2) فرقان (3) کتاب (4) ذکرو تذکرہ (5) تنزیل (6) الحدیث (7) موعظ (8) حکم (9) حکمت حکیم، محکم (10) شفاء (11) ہدی (12) صراط مستقیم (13) حبل (14) رحمت (15) روح (16) قصص (17) بیان تبیان (18) بصائر (19) فصل (20) نجوم (21) مثانی (22) نعمت (23) برہان (24) بشیرو نذیر (25) قیم (26) (27) مھیمن (28) ہادی (29) نور (30) حق (31) عزیز (32) کریم (33) عظیم، مبارک یہ تمام نام قرآن کی مختلف آیتوں میں مذکور ہیں وہ آیتیں یا تو کسی حافظ سے معلوم کر لی جائیں یا تفسیر کبیرو عزیزی میں اسی مقام پر دیکھ لی جائیں۔

ان ناموں کی وجہ

حضرت حکیم الامت تفسیر نعیمی کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

لفظ قرآن یا تو قرء سے بنا ہے یا قراء سے یا قرن سے (تفسیر کبیر پارہ نمبر 2) قرء

کے معنی جمع ہونے کے ہیں۔ اب قرآن کو قرآن اس لئے کہتے ہیں کہ یہ بھی سارے اولین و آخرین کے علموں کا مجموعہ ہے (تفسیر کبیر روح البیان پارہ نمبر 2) دین و دنیا کا کوئی ایسا علم نہیں جو قرآن میں نہ ہو اسی لئے حق تعالی نے فرمایا کہ

نزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئی نیز یہ سورتوں اور آیتوں کا مجموعہ ہے نیز یہ تمام بکھروں کو جمع کرنے والا ہے۔ دیکھو ہندی، سندھی عربی، عجمی لوگ ان کے لباس، طعام، زبان، طریق زندگی سب الگ الگ کوئی صورت نہ تھی کہ یہ اللہ تعالی کے بکھرے ہوئے بندے جمع ہوتے لیکن قرآن مجید نے ان سب کو جمع فرمایا اور ان کا نام رکھا مسلمان خود فرمایا سماکم المسلمین ()

جیسے کہ شہد مختلف باغوں کے رنگ برنگے پھولوں کا رس ہے مگر اب ان سب رسوں کے مجموعہ کا نام شہد ہے اسی طرح "مسلمان" مختلف ملکوں، مختلف زبانوں کے لوگ ہیں مگر ان کا نام ہے مسلمان، تو گویا یہ کتاب اللہ کے بندوں کے جمع فرمانے والی ہے۔ اسی طرح زندوں اور مردوں میں بظاہر کوئی علاقہ باقی نہ رہا تھا۔ لیکن اس قرآن عظیم نے ان کو بھی خوب جمع فرمایا۔ مردے مسلمان زندوں سے فیض لینے لگے کہ اسی قرآن سے ان پر ایصال ثواب وغیرہ کیا جاتا ہے۔ اور زندے فوت شدگان سے کہ وہ حضرات اسی قرآن کی برکت سے ولی، قطب، غوث بنے اور ان کا فیض بعد وفات جاری ہوا انشاء اللہ اس کی بحث ایاک نستعین (تفسیر نعیمی) میں آئے گی۔

اور اگر یہ قرأۃ سے بنا ہے تو اس کے معنی ہیں پڑھی ہوئی چیز تو اب اس کو قرآن اس لئے کہتے ہیں کہ اور انبیاء کرام کو کتابیں یا صحیفے حق تعالی کی طرف سے لکھے ہوئے عطا فرمائے گئے۔ لیکن قرآن کریم پڑھا ہوا اترا۔ اس طرح کہ جبرائیل امین حاضر ہوتے اور پڑھ کر سنا جاتے اور یقیناً" پڑھا ہوا نازل ہونا لکھے ہوئے نازل ہونے سے افضل ہے (جس کی بحث نزول کے باب میں آ رہی ہے) نیز جس قدر قرآن کریم پڑھا گیا اور پڑھا جاتا ہے اس قدر کوئی دینی دنیوی کتاب دنیا میں نہ پڑھی گئی۔ کیونکہ جو آدمی کوئی کتاب بناتا ہے - وہ تھوڑے سے لوگوں کے پاس پہنچتی ہے اور وہ بھی ایک آدھ دفعہ

پڑھتے ہیں۔ اور پھر کچھ زمانہ بعد ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح پہلی آسمانی کتابیں بھی خاص خاص جماعتوں کے پاس آئیں اور کچھ دنوں رہ کر پہلے تو بگڑیں پھر ختم ہو گئیں لیکن قرآن کریم کی شان یہ ہے کہ سارے عالم کی طرف آیا اور ساری خدائی میں پہنچا۔ سب نے پڑھا بار بار پڑھا اور دل نہ بھرا' اکیلے پڑھا' جماعتوں کے ساتھ پڑھا اگر کبھی تراویح کی جماعت یا شبینہ دیکھنے کا اتفاق ہوا تو معلوم ہو گا کہ اس عظمت کے ساتھ کوئی کتاب پڑھی ہی نہیں گئی پر لطف بات یہ ہے کہ اس کو مسلمان نے بھی پڑھا اور کافر نے بھی پڑھا۔

لطیفہ:۔ ایک بار رام چندر آریہ نے حضرت صدر الافاضل سید نعیم الدین مراد آبادی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے عرض کیا کہ مجھے قرآن کریم کے چودہ پارے یاد ہیں۔ بتائیے آپ کو میرا وید کتنا یاد ہے؟ حضرت موصوف نے فرمایا یہ تو میرے قرآن کا کمال ہے کہ دوست تو دوست دشمنوں کے سینوں میں بھی پہنچ گیا۔ تو تیرے وید کی یہ کمزوری ہے کہ دوستوں کے دل میں بھی گھر نہ کر سکا اور بقول تمہارے وید کو دنیا میں آئے ہوئے کروڑوں برس ہو چکے لیکن ہندوستان سے آگے نہ نکل سکا۔ مگر قرآن کریم چند صدیوں میں تمام عالم میں پہنچ گیا۔

اور اگر یہ قرن سے بنا ہے تو قرن کے معنی ہیں ملنا اور ساتھ رہنا اب اس کو قرآن اس لئے کہتے ہیں کہ حق اور ہدایت اس کے ساتھ ہے نیز اس کی سورتیں اور آیتیں ہر ایک بعض بعض کے ساتھ ہیں کوئی کسی کے مخالف نہیں نیز اس میں عقائد اور اعمال اور اعمال میں اخلاق' سیاسیات' عبادات' معاملات تمام ایک ساتھ جمع ہیں نیز یہ مسلمان کے ہر وقت ساتھ رہتا ہے دل کے ساتھ' ظاہری اعضاء کے ساتھ اور باطنی عضووں کے ساتھ' دل میں پہنچا اس کو مسلمان بنایا ہاتھ پاؤں ناک کان وغیرہ کو حرام کاموں سے روک کر حلال میں مشغول کر دیا۔ غرضیکہ سر سے لے کر پاؤں تک کے ہر عضو پر اپنا رنگ جما دیا۔ پھر زندگی میں ہر حالت میں ساتھ بچپن میں ساتھ جوانی میں ساتھ بڑھاپے میں ساتھ پھر ہر جگہ ساتھ رہا تخت پر ساتھ تختے پر ساتھ' گھر میں ساتھ'

مسجد میں ساتھ آبادی میں ساتھ' جنگل میں ساتھ سوتے میں ساتھ جاگتے میں ساتھ
مصیبت میں ساتھ آرام میں ساتھ سفر میں ساتھ حضر میں ساتھ غرضیکہ ہر حال میں
ساتھ پھر مرتے وقت ساتھ کہ پڑھتے اور سنتے ہوئے مرے۔ قبر میں ساتھ کہ بعض
صحابہ کرام کو ان کی وفات کے بعد قبر میں قرآن پاک پڑھتے سنا گیا۔ اور حشر میں ساتھ
کہ گنہگار کو خدا سے بخشوائے۔ پل صراط پر نور بن کر مسلمان کے آگے چلے اور راستہ
دکھائے اور بتائے اور جب مسلمان جنت میں پہنچے گا تو فرمایا جائیگا کہ پڑھتا جا اور بڑھتا
جا۔ غرضیکہ یہ مبارک چیز کبھی بھی ساتھ نہیں چھوڑتی۔

فرقان:۔ اس کا دوسرا نام فرقان ہے یہ لفظ فرق سے بنا ہے اس کے معنی ہیں فرق
کرنے والی چیز' قرآن کو فرقان اس لئے کہتے ہیں کہ حق و باطل جھوٹ اور سچ مومن
اور کافر میں فرق فرمانے والا ہے۔ قرآن بارش کی مثل ہے۔ دیکھو کسان زمین کے
مختلف حصوں میں مختلف بیج بو کر چھپا دیتا ہے کسی کو پتہ نہیں لگتا کہ کہاں کونسا بیج بویا
ہوا ہے۔ مگر بارش ہوتے ہی جہاں جو بیج دفن تھا۔ وہاں وہی پودا نکل آتا ہے۔ تو بارش
زمین کے اندرونی تخم کو ظاہر کرتی ہے۔ اسی طرح رب تعالی نے اپنے بندوں کے
سینوں میں ہدایت گمراہی سعادت' شقاوت ' کفرو ایمان کے مختلف تخم امانت رکھے۔
نزول قرآن سے پہلے سب یکساں معلوم ہوتے تھے۔

صدیق و ابوجہل فاروق و ابولہب میں فرق نظر نہیں آتا تھا قرآن نے نازل ہو کر
کھرا اور کھوٹا علیحدہ کر دیا صدیق کا ایمان زندیق کا کفر ظاہر فرما دیا لہٰذا اس کا نام فرقان
ہوا یعنی ان میں فرق ظاہر کرنے والا۔

الکتاب کی وجہ تسمیہ یہ کتب سے بنا ہے اس کے چند معانی ہیں جمع کرنا اسی لئے
لشکر کو کتیبہ کہتے ہیں کیونکہ اس میں بہت سے انسان جمع ہوتے ہیں اور اس میں مختلف
قصص احکام اور آیات کو جمع کیا گیا ہے اس لئے اس کا نام کتاب ہے۔ فرض اور تقدیر
کے معنی میں کتاب کا لفظ مستعمل ہے قرآن مجید میں ہے۔
یایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم

(البقرہ 183) اے ایمان والو تم پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر
فرض کیا گیا تھا۔

قل لن یصیبنا الا ماکتب اللہ لنا (التوبہ 51) آپ کے لئے ہمیں صرف وہی چیز
پہنچے گی۔ جو ہمارے لئے اللہ نے مقدر کر دی ہے۔

کتاب کا لفظ بنانے اور شمار کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے قرآن مجید میں ہے

فاکتبنا مع الشاہدین(آل عمران 53) سو گواہی دینے والوں کے ساتھ ہمارا شمار کر
لے اللہ کی طرف سے حجت ثابتہ کے معنی میں بھی کتاب کا لفظ مستعمل ہے' قرآن
کریم میں ہے ام اتینا هم کتابا من قبلہ(الزخرف 21) کیا ہم نے اس (قرآن) سے
پہلے انہیں کوئی حجت ثابتہ دی ہے؟

فاتوا بکتابکم ان کنتم صادقین(الصافات:157) تم اپنی حجت ثابتہ لے آؤ اگر تم
سچے ہو!

کتاب کا لفظ حکم کے معنی میں بھی وارد ہے قرآن مجید میں ہے

لولا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم(الانفال 68) اگر
پہلے سے (معاف کر دینے کا) حکم' اللہ کی طرف سے نہ ہوتا تو(کافروں سے) جو (فدیہ کا
مال) تم نے لیا تھا' تمہیں اس میں ضرور بڑا عذاب پہنچتا۔

میعاد یا مدت ولها کتاب معلوم

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں کتب کا معنی ہے چمڑے کے دو ٹکڑوں کو سی کر
ایک کو دوسرے کے ساتھ ملا دینا' اور عرف میں اس کا معنی' بعض حروف کو لکھ کر
بعض دوسرے حروف کے ساتھ ملانا (کمپوز کرنا) (Compos) اور کبھی صرف ان ملائے
ہوئے حروف پر بھی کتاب کا اطلاق ہوتا ہے اسی اعتبار سے اللہ کے کلام کو کتاب کہا جاتا
ہے۔ اگرچہ وہ لکھے ہوئے نہیں ہیں۔

4- ذکرو تذکرہ کے معنی ہیں یاد دلانا چونکہ یہ قرآن کریم اللہ اور اس کی نعمتوں کو اور
میثاق کے عہد کو یاد دلاتا ہے اس لئے اس کو ذکر و تذکرہ کہتے ہیں۔

5- تنزیل کے معنی ہیں اتاری ہوئی کتاب چونکہ یہ بھی رب کی طرف سے اتاری گئی ہے اس لئے اسے تنزیل کہتے ہیں (6) حدیث اس کے معنی ہیں نئی چیز یا کلام اور بات چونکہ بمقابلہ توارات و انجیل کے یہ دنیا میں زمین پر بعد میں آیا اس لئے یہ نیا ہے۔ نیز یہ پڑھا ہوا اترا نہ کہ لکھا ہوا اس لئے یہ بات ہے (7) موعظہ کے معنی نصیحت کے ہیں اور یہ کتاب سب کو نصیحت کرنے والی ہے اس لئے اس کا نام موعظہ ہے (8) حکمت حکم محکم یا حکم سے بنے ہیں اس کے معنی ہیں مضبوط کرنا لازم کرنا اور روکنا چونکہ یہ قرآن پاک مضبوط بھی ہے کوئی اس میں تحریف نہ کر سکا اور لازم بھی ہے کہ کسی کتاب نے اس کو منسوخ نہ کیا اور بری باتوں سے روکنے والا بھی ہے اس لئے اس کے یہ نام ہوئے (9) شفاء اس لئے کہتے ہیں کہ یہ ظاہری اور باطنی بیماریوں سے سب کو شفا دینے والی کتاب ہے (10) ہدیٰ ہادی اس لئے کہتے ہیں کہ یہ لوگوں کو ہدایت کرتی ہے۔ (11) صراط مستقیم اس لئے کہتے ہیں کہ اس پر عمل کرنے والا اپنی منزل مقصود پر آسانی سے پہنچ سکتا ہے (12) حبل اس لئے کہتے ہیں کہ حبل کے معنی ہیں رسی اور رسی سے تین کام لئے جاتے ہیں اس سے چند بکھری ہوئی چیزوں کو باندھ لیتے ہیں رسی کو پکڑ کر نیچے سے اوپر پہنچ جاتے ہیں رسی ہی کے ذریعے کشتی پار لگ جاتی ہے۔ چونکہ قرآن کے ذریعے مختلف لوگ ایک ہو گئے اسی طرح اس کی برکت سے کفر کے دریا میں ڈوبنے سے بچ جاتے ہیں اور رسی کے ذریعے سے حق تعالیٰ تک پہنچتے ہیں۔ اسی لئے رسی کو "حبل" کہتے ہیں۔ (13) رحمت اس لئے کہتے ہیں کہ یہ علم ہے اور جہالتوں اور گمراہیوں سے نکالنے والا ہے اور علم حق تعالیٰ کی رحمت ہے (14) روح حضرت جبرائیل علیہ السلام کے معرفت آئی اور یہ جانوں کی زندگی ہے اس لئے اس کو روح کہتے ہیں نیز روح کے چند کام ہیں جسم کو باقی رکھنا بے جان جسم جلد سڑ گل جاتا ہے جسم کی حفاظت کرنا کہ بے جان جسم کو جانور کھا جاتے ہیں جسم پر روح کرنا کہ جسم کی ہر جنبش روح کے ارادہ سے ہوتی ہے۔ قرآن شریف میں بھی مسلم قوم کی بقا کا ذریعہ ہے۔ مسلمان کو شیاطین اور کفار سے بچاتا ہے قوم مسلم پر روح کرتا ہے کہ

مسلمان کی ہر حرکت قرآن کے ماتحت ہے لہٰذا یہ روح ہے۔

(15) قصص۔ قصے کے دو معنی ہیں حکایت اور کسی کے پیچھے چلنا چونکہ قرآن پاک نے انبیاء کرام اور دوسری قوموں کے سچے قصے بیان کئے اور لوگوں کا یہ امام ہے کہ سب لوگ اس کے پیچھے چلتے ہیں اس لئے اس کا نام قصص ہے (16) بیان تبیان مبین ان سب کے معنی ہیں ظاہر کرنے والا چونکہ یہ قرآن سارے شرعی احکام کو اور سارے علوم غیبیہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر فرمانے والا ہے اس لئے اس کے یہ نام ہیں۔ (17) بصائر جمع بصیرت کی ہے بصیرت کہتے ہیں دل کی روشنی جو جیسے بصارت آنکھ کے نور کو کہا جاتا ہے چونکہ اس کتاب سے دلوں میں صدہا نور پیدا ہوتے ہیں اس لئے اسے بصائر بھی کہا جاتا ہے۔ (18) فصل کے معنی ہیں فیصلہ کرنے والی یا جدا کرنے والی چونکہ یہ آپس کے جھگڑوں کی فیصلہ کرنے والی بھی ہے اور مسلمانوں اور کفار میں فیصلہ فرمانے والی اس لئے اس کا نام فصل ہے۔

(19) نجوم نجم سے بنا ہے اس کے معنی تارے کے بھی ہیں اور حصہ کے بھی۔ چونکہ قرآن پاک کی آیتیں تاروں کی طرح لوگوں کو ہدایت کرتی ہیں اور علیحدہ علیحدہ آئیں اس لئے ان کا نام نجوم ہوا (20) مثانی جمع ہے مثنی کی مثنی کے معنی ہیں بار بار کیونکہ اس میں احکام اور قصے بار بار آئے ہیں۔ اور یہ کتاب خود بھی بار بار اتری ہے اس لئے اس کو مثانی کہتے ہیں (21) نعمت کے معنی ظاہر ہیں (22) برہان کے معنی ہیں دلیل اور یہ بھی رب کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اور تمام سابقہ انبیاء کرام کے صدق کی دلیل ہے اس لئے اسے برہان کہتے ہیں

(23) بشیر و نذیر ہونا ظاہر ہے کیونکہ یہ کتاب خوشخبری بھی دیتی ہے اور ڈراتی بھی ہے (24) قیم کے معنی قائم رہنے والی یا قائم رکھنے والی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کو قیوم کہتے ہیں قرآن پاک کو اس لئے قیم کہتے ہیں کہ وہ خود بھی قیامت تک قائم رہے گا۔ اور اس کے ذریعے سے دین بھی قائم رہے گا۔

(25) مھیمن کے معنی ہیں امانت دار یا محافظ چونکہ یہ کتاب مسلمانوں کی دنیا و آخرت

میں محافظ ہے اور رب تعالیٰ کے احکام کی امانت داربنی امین پر اتری اور ان صحابہ کرام کے ہاتھوں میں رہی جو کہ اللہ کے امین تھے اس لئے اس کو مھیمن کہا گیا ہے۔ (26) ہادی کے معنی بالکل ظاہر ہیں (27) نور اسے کہتے ہیں جو خود بھی ظاہر ہو اور دوسروں کو ظاہر کرے جس کا ترجمہ ہے چمک یا روشنی چونکہ یہ قرآن پاک خود بھی ظاہر ہے اور اللہ کے احکام کو انبیاء کرام کو توریت و انجیل وغیرہ سب کو ظاہر فرمانے والا ہے اس لئے اس کو نور کہا جن پیغمبروں کے نام قرآن نے بتا دیئے وہ سب میں ظاہر اور مشہور ہو گئے اور جن کا قرآن کریم نے ذکر نہ فرمایا وہ بالکل چھپ گئے۔ نیز یہ قرآن کریم پل صراط پر نور بن کر مسلمانوں کے آگے آگے چلے گا (28) حق اس کے معنی ہیں سچی بات بمقابل باطل یعنی جھوٹی بات قرآن پاک سچی بات بتاتا ہے سچے کی طرف سے آیا ہے سچا اس کو لایا سچے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا اس لئے اسے حق کہتے ہیں (29) عزیز کے معنی ہیں غالب اور بے مثل، قرآن پاک بھی سب پر غالب رہا اور اب بھی سب پر غالب ہے اور بے مثل بھی اس لئے اس کو عزیز کہا جاتا ہے۔ (30) کریم اس کے معنی ہیں سخی۔ چونکہ قرآن کریم علم' خدا کی رحمت' اور ایمان اور بے حساب ثواب دیتا ہے اس لئے اس سے بڑھ کر سخی کون ہو سکتا ہے (31) عظیم کے معنی ہیں بڑا چونکہ سب سے بڑی کتاب یہی ہے اس لئے اس کو عظیم فرمایا گیا ہے۔ (32) مبارک کے معنی ہیں برکت والا۔ چونکہ اس کے پڑھنے اور اس پر عمل کرنے سے ایمان میں برکت نیک عملوں عزت چہرے کے نور میں برکت ہے اس لئے اس کو مبارک کہتے ہیں

نزول قرآن کریم:۔ نزول کے معنی ہیں اوپر سے نیچے اترنا کلام میں اترنا! کلام میں نقل و حرکت نہیں ہو سکتی لہٰذا اس کے اترنے اور نقل و حرکت کی تین صورتیں ہو سکتیں ہیں یا تو کسی چیز پر لکھا جائے اور اس چیز کو منتقل کیا جائے جیسے کہ ہم کوئی بات خط میں لکھ کر بھیج دیں تو وہ بذریعہ اس کاغذ کے منتقل ہوئی اسی طرح پہلی کتابوں کا نزول ہوا تھا۔ یا کسی آدمی سے کوئی بات کہلا کے بھیج دی جائے۔ اس صورت میں حرکت کرنے والا وہ آدمی ہو گا اور وہ کلام اس کے ذریعے سے حرکت کریگا اور یا بغیر

کسی واسطے کے سننے والے سے گفتگو کر لی جائے قرآن کریم کا نزول ان پچھلے دو طریقوں سے ہوا یعنی جبرائیل امین آتے تھے اور آکر سناتے تھے یہ نزول بذریعہ قاصد ہوا اور قرآن کریم کی بعض آیتیں معراج میں بھی بغیر واسطہ جبرائیل امین عطا فرمائی گئیں۔ جیسا کہ مشکواہ شریف باب المعراج میں ہے کہ سورہ بقرہ کی آخری آیتیں حضور علیہ السلام کو معراج میں عطا فرمائی گئیں لہٰذا قرآن پاک کا نزول دوسری آسمانی کتابوں کے نزول سے زیادہ شاندار ہے کہ وہ لکھی ہوئی آئیں۔ یہ بولا ہوا آیا اور لکھنے اور بولنے میں بڑا فرق ہے کیونکہ بولنے کی صورت میں بولنے کے طریقے سے اتنے معنی بن جاتے ہیں کہ جو لکھنے سے حاصل نہیں ہوتے مثلاً" ایک شخص نے ہم کو لکھ کر دیا کہ "تم دہلی جاؤ گے" ہم لکھی ہوئی عبارت سے ایک ہی مطلب حاصل کر سکتے ہیں لیکن اس جملے کو اگر وہ بولے تو پانچ چھ طریقے سے بول کر اس میں وہ پانچ چھ معنی پیدا کر سکتا ہے ایسے لہجوں سے بول سکتا ہے کہ جس سے سوال، حکم تعجب، تمسخر وغیرہ کے معنی پیدا ہو جائیں۔

قرآن مجید کے غیر تحریف شدہ ہونے کے متعلق علماء شیعہ کی تصریحات شیخ ابو علی فضل بن حسن طبرسی لکھتے ہیں:

اگر تم یہ سنو کہ روایات شاذہ میں ہے کہ قرآن مجید میں تحریف ہوئی اور اس کا بعض حصہ ضائع ہو گیا' تو ان روایات کا کوئی وزن نہیں ہے۔ یہ روایات مضطرب اور ضعیف ہیں اور یہ روایات مسلمانوں کے مخالف ہیں

(مجمع البیان ج اول ص 19 مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران 1411 ھ بحوالہ تبیان القرآن)

نیز شیخ طبرسی لکھتے ہیں:

شیخ المحدثین نے کتاب الاعتقاد میں لکھا ہے کہ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس قرآن کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا یہ وہ قرآن ہے جو مسلمانوں کے درمیان موجود ہے اور وہ اس سے زیادہ نہیں ہے اور جو ہماری طرف یہ منسوب کرتا ہے کہ ہم اس سے زیادہ قرآن کو مانتے ہیں وہ جھوٹا ہے اور جن روایات میں ہے۔ کہ قرآن مجید کو کم کر دیا گیا ہے۔ ان کے کئی محمل ہیں' شیخ مفید نے فصل الخطاب کے اواخر میں لکھا ہے کہ قرآن مجید میں سے کوئی کلمہ' کوئی آیت اور کوئی سورت کم نہیں ہوئی البتہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے مصحف میں آیات قرآن کے معانی کی جو تفسیر اور تاویل لکھی ہوئی تھی اس کو حذف کر دیا گیا' سید مرتضیٰ نے کہا کہ قرآن مجید میں کوئی کمی نہیں ہے' بعض امامیہ اور بعض حشویہ نے بعض ضعیف روایات کی بنا پر یہ کہا کہ قرآن مجید میں کمی کی گئی ہے لیکن ان کا اختلاف غیر معتبر ہے اور شیخ طوسی نے تفسیر تبیان کے اول میں لکھا ہے کہ قرآن مجید میں زیادتی اور کمی کے موضوع پر بحث کرنا مناسب نہیں ہے' کیونکہ قرآن مجید میں زیادتی کے باطل ہونے پر اجماع ہے اور کمی کا قول کرنا بھی مسلمانوں کے مذاہب کے خلاف ہے۔ اور ہمارا صحیح مذہب یہی ہے اور یہی ظاہر الروایات ہے' البتہ بہت سی روایات میں قرآن مجید میں کمی کرنے کا ذکر ہے لیکن یہ روایات اخبار آحاد ہیں جو علم اور عمل کے لئے مفید نہیں ہیں اور ان سے

اعراض کرنا بہتر ہے (ایضا")

شیخ کاشانی لکھتے ہیں:

قرآن مجید جس طرح نازل ہوا تھا اسی طرح باقی ہے اور زیادتی اور کمی سے محفوظ ہے تمام علماء اسلام عام ہوں یا خاص اس پر متفق ہیں کہ قرآن مجید میں کوئی چیز زیادہ نہیں ہوئی البتہ کمی کے متعلق ایک جماعت کا عقیدہ ہے کہ قرآن مجید میں کمی ہوئی ہے اور منافقین نے چند آیات کو حذف کر دیا ہے اور شیعہ فرقے کے اکثر علماء اور سنی علماء اس پر متفق ہیں کہ قرآن مجید میں کوئی تغیر' تبدل' کمی اور زیادتی نہیں ہوئی۔ (الی ان قال) جن روایات سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں تحریف' تبدیل' حذف یا تغیر ہوا ہے۔ ان روایات کی تاویل اور توجیہہ کرنی چاہئے اور اگر ان روایات کی توجیہہ نہ ہو سکے تو ان کو مسترد کر دینا چاہئے (منہج الصادقین ج اول ص 48-47 خیابان ناصر خسرو ایران)

جمع قرآن کے متعلق علماء شیعہ کا نظریہ

آیت اللہ مکارم شیرازی لکھتے ہیں:

اسی جگہ ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ ایک گروہ کے درمیان' یہ مشہور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن متفرق صورت میں تھا۔ اس کے بعد (حضرت) ابوبکر یا (حضرت) عمر یا (حضرت) عثمان کے زمانہ میں اس کو جمع کیا گیا' اس کے برعکس واقعہ یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن اسی طرح جمع کیا ہوا تھا جس طرح آج جمع کیا ہوا ہے' اور اس کی ابتداء میں یہی سورت فاتحہ تھی' اور اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ یہ سورت سب سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ اس پر متعدد دلائل ہیں کہ جس صورت میں آج قرآن ہمارے سامنے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپ کے حکم سے اس کو اسی طرح جمع کیا گیا تھا۔

پہلی دلیل یہ ہے کہ علی بن ابراہیم نے امام صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا۔ قرآن مجید ریشم اور کاغذ وغیرہ کے ٹکڑوں میں متفرق ہے۔ اس کو جمع کرو پھر حضرت علی علیہ السلام اس مجلس سے اٹھے اور زرد رنگ کے ایک کپڑے میں قرآن مجید کو جمع کر کے اس پر مہر لگا دی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ مشہور سنی عالم خوارزمی نے کتاب المناقب میں علی بن رباح سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابی بن کعب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن مجید کو جمع کیا تھا۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ اہل سنت کے مشہور امام حاکم نیشاپوری نے مستدرک میں حضرت زید بن ثابت سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قرآن کو متفرق ٹکڑوں سے جمع کر کے پیش کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک جس آیت کا جو مقام تھا وہاں اس آیت کو رکھنے کا حکم دیتے تھے' البتہ اس وقت یہ نوشتہ متفرق تھا (یکجا نہ تھا) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے کہا کہ اس کو ایک جگہ جمع کریں' اور ہم کو اس سے خبردار کرتے تھے کہ کہیں قرآن ضائع نہ ہو جائے۔

علماء شیعہ کے بہت بڑے عالم سید مرتضیٰ کہتے ہیں کہ جس صورت میں آج ہمارے پاس قرآن ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس صورت میں موجود تھا۔

طبرانی اور ابن عساکر نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ چھ انصاری صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن مجید کو جمع کیا اور قتادہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کس نے قرآن کو جمع کیا تھا' انہوں نے کہا چار صحابہ کرام نے اور وہ سب انصار سے تھے حضرت ابی بن کعب' حضرت زید بن ثابت' حضرت معاذ اور حضرت ابو زید

اگر یہ سوال کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت علی

نے قرآن جمع کیا تھا یا دوسروں نے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی نے صرف قرآن کو جمع نہیں کیا تھا بلکہ اس مجموعہ میں قرآن بھی تھا' تفسیر بھی تھی آیات کا شان نزول بھی تھا اور اس کی مثل دیگر امور تھے اور ہمارے ہاتھوں میں جو قرآن ہے یہ حضرت عثمان کا جمع کیا ہوا ہے جس میں انہوں نے اختلاف قرات کو ختم کر کے ایک قرات پر قرآن کو جمع کیا اور حروف پر نقطے لگائے کیونکہ اس سے پہلے لگانے کا رواج نہ تھا۔ البتہ اس پر اصرار کرنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن جمع کیا ہوا نہ تھا حضرت عثمان یا خلیفہ اول یا دوم کا حصہ ہے، محض ان کی فضیلت سازی ہے(تفسیر نمونہ ج 1 ص 11 - 8' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران 1369 ھ) تفسیر نمونہ کے اس اقتباس میں اس بات پر زور دیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن کو جمع کر لیا گیا تھا' یہ ہمارے مخالف نہیں ہے جب کہ اس میں یہ اعتراف کر لیا ہے کہ جمع کا مطلب یہ ہے کہ آیات اور ولیوں کے محل اور مقامات بتا دیئے گئے تھے اور اس کو لکھ کر جمع کر لیا گیا تھا لیکن ایک جگہ جمع نہیں کیا گیا' ایک جگہ جمع پہلی بار حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ کے عہد خلافت میں حضرت عمر کے مشورہ سے کیا گیا اور حضرت عثمان نے مختلف لغات یا قرات کو ختم کر کے ایک قرات پر قرآن مجید کو جمع کیا اور یہ بہت بڑی فضیلت ہے کوئی معمولی بات نہیں ہے

قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق کو کیا کریں

علامہ شامی لکھتے ہیں مجتبی میں لکھا ہے کہ جب مصحف پرانا اور بوسیدہ ہو جائے تو اس کو دفن کرنا احسن ہے جیسے نبیوں اور رسولوں کو دفن کیا جاتا ہے' اور باقی دینی کتابیں جب بوسیدہ ہو جائیں تو ان کا بھی یہی حکم ہے' اور دفن کرنا تعظیم کے خلاف نہیں ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کو بھی دفن کیا جاتا ہے اور ذخیرہ میں ہے کہ جب مصحف پرانا ہو جائے اور اس سے پڑھنا دشوار ہو جائے تو اس کو آگ میں نہیں جلایا جائے گا امام محمد نے اسی طرف اشارہ کیا ہے اور ہم اسی پر عمل کرتے ہیں اور مناسب یہ ہے کہ ایک کپڑے میں لپیٹ کر اس کی لحد بنائی جائے، کیونکہ اگر اس کی قبر بہ طریق

شق بنائی گئی تو اس پر مٹی گرے گی اور اس میں ایک قسم کی تحقیر ہے ہاں اگر چھت بنا
کر پھر مٹی ڈالی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے اسی طرح اگر کسی پاک جگہ قرآن مجید کو
رکھ دیا جائے جہاں نہ کسی بے وضو کا ہاتھ لگے' نہ گرد و غبار پڑے اور نہ اس کی تعظیم
میں فرق آئے تو یہ بھی جائز ہے

(ردالمحتار ج 5 ص 373 مطبعہ عثمانیہ استنبول' 1327ھ)

قرآن مجید پر نقطے اور اعراب لگانے کی تاریخ اور تحقیق

شروع میں جب قرآن مجید کو لکھا جاتا تھا تو قرآن مجید کے حروف پر نقطے نہیں
لگائے جاتے تھے اور نہ حرکات' سکنات اور اعراب لگائے جاتے تھے اور نہ رموز اوقاف
تھے' کیونکہ اہل عرب اپنی زبان اور محاورہ کی مدد سے نقطوں اور حرکات' سکنات اور
اعراب کے بغیر بالکل صحیح قرآن پڑھ لیتے تھے' اور نہ انھیں کسی فقرہ کو ملانے یا اس پر
وقف کرنے کے لئے رموز اوقاف کی ضرورت تھی' وہ اہل زبان تھے اور ان تمام چیزوں
سے مستغنی تھے' حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ نے جو مصحف تیار کرایا تھا وہ بھی
ان تمام چیزوں سے معری تھا پھر جیسے جیسے اسلام پھیلتا گیا اور غیر عرب لوگ مسلمان
ہوتے گئے اور وہ اہل زبان نہ ہونے کی وجہ سے قرات میں غلطیاں کرنے لگے تو پھر
قرآن مجید کی کتابت میں ان تمام چیزوں کا اہتمام اور التزام کیا گیا۔ سب سے پہلے قرآن
مجید کے حروف پر نقطے لگائے گئے۔ پھر حرکات سکنات اور اعراب لگائے گئے' پھر قرآن
مجید کو صحیح پڑھنے کے لئے قرات اور تجوید کے قواعد مقرر کئے گئے' اور عام لوگوں کی
سہولت کے لئے قرآن مجید کی آیتوں پر رموز اوقاف کو لکھا گیا۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں

عبدالملک بن مروان نے مصحف کے حروف کو متشکل کرنے اور ان پر نقطے
لگانے کا حکم دیا اس نے اس کام کے لئے حجاج بن یوسف کو شہر واسط میں فارغ کر دیا'
اس نے بہت کوشش سے اس کام کو انجام دیا اور اس میں احزاب کا اضافہ کیا اس وقت

حجاج عراق کا گورنر تھا۔ اس نے حسن اور یحیٰ بن یعمر کے ذمہ یہ کام لگایا' اس کے بعد واسط میں ایک کتاب لکھی جس میں قرات کے متعلق مختلف روایات کو جمع کیا بڑے عرصہ تک لوگ اس کتاب پر عمل کرتے رہے حتی کہ ابن مجاہد نے قرات میں ایک کتاب لکھی۔

زبیدی نے کتاب الطبقات میں مبرد کے حوالے سے یہ لکھا ہے جس شخص نے سب سے پہلے مصحف کے حروف پر نقطے لگائے وہ ابوالاسود الدولی (متوفی 69 ھ) ہیں اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ابن سیرین کے پاس ایک مصحف تھا' جس پر یحیٰ بن یعمر نے نقطے لگائے تھے (تبیان القرآن) (الجامع لاحکام القرآن ج 1 ص 63' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' 1387 ھ)

علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں

ابوالاسود الدولی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے علم نحو کو وضع کیا' حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو بتایا کہ کلام کی کل تین قسمیں ہیں اسم، فعل اور حرف اور فرمایا اس پر تم قواعد تحریر کرو ایک قول یہ ہے کہ ابوالاسود عراق کے گورنر زیاد کے بچوں کو پڑھاتا تھا۔ ایک دن وہ زیاد کے پاس گیا اور کہا اللہ امیر کی خیر کرے' میں دیکھتا ہوں کہ عربوں کے ساتھ بہ کثرت عجم مخلوط ہو گئے ہیں اور ان کی زبان متغیر ہو گئی ہے کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں ان کے لئے ایسے قواعد تحریر کر دوں جس کی بناء پر وہ درست طریقہ سے عربی بولیں؟ زیاد نے کہا نہیں؟ پھر ایک دن ایک شخص نے کہا توفی ابانا وترک بنون' زیاد نے حیرت سے کہا' توفی ابانا وترک بنون؟ (کہنا چاہئے تھا توفی ابونا وترک بنین' ہمارا باپ فوت ہو گیا اور اس نے بیٹے چھوڑے ہیں گویا اس نے عربی زبان میں گرامر کی غلطی کی) تب زیاد نے کہا ابوالاسود کو بلاؤ' جب وہ آیا تو اس سے کہا لوگوں کے لئے وہ قواعد تحریر کرو کہ جن سے میں نے پہلے منع کیا تھا۔

ایک قول یہ ہے کہ زیاد نے از خود ابوالاسود سے اس علم کی فرمائش کی لیکن اس

نے زیاد سے معذرت کر لی' پھر ایک دن ابوالاسود نے ایک شخص سے سنا وہ سورہ توبہ کی آیت غلط پڑھ رہا ہے۔

ان اللہ بری من المشرکین ورسولہ (التوبہ 3) اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بیزار ہیں۔

اس آیت میں رسولہ میں رسول پر پیش ہے' وہ شخص زیر پڑھ رہا تھا اور اس سے یہ معنی ہو جاتا ہے۔ اللہ مشرکوں اور اپنے رسول سے بیزار ہے۔ العیاذ باللہ! تب ابوالاسود' زیاد کے پاس گیا اور کہا میں اب عربی قواعد لکھنے پر تیار ہوں اس وقت ابوالاسود نے زبر کی علامت حرف کے اوپر ایک نقطہ قرار دی(---) اور پیش کی علامت حرف کے سامنے ایک نقطہ قرار دی۔ (------) اور زیر کی علامت حرف کے نیچے ایک نقطہ قرار دی (----) ابوالاسود 69 ھ میں بصرہ میں طاعون کی بیماری میں فوت ہوا اس کی عمر 85 سال تھی (وفیات الاعیان ج 2ص 539/535)

علامہ زرقانی لکھتے ہیں

ایک عرصہ تک حرکات اور اعراب کے لئے یہ علامات رائج رہیں لیکن چونکہ ان علامات کا نقطوں کے ساتھ اشتباہ تھا اس لئے پھر زبر زیر اور پیش کے ------ ---- اس طرح کی علامات مقرر کر دی گئیں (مناہل العرفان ج 1 ص 401 بیروت)

عبدالملک بن مروان 66 ھ میں سریر آرائے سلطنت ہوا اور 86 ھ میں فوت ہوا' اور ابوالاسود 69 ھ میں فوت ہوا' اس کا مطلب یہ ہے کہ 66 ھ اور 69 ھ کے درمیان قرآن مجید پر نقطے اور اعراب لگائے گئے۔

قرآن مجید پر رموز اور اوقاف لگانے کی تاریخ اور تحقیق

قرآن مجید کو صحیح پڑھنے کے لئے ضروری ہے کہ وقف اور وصل کا صحیح علم حاصل کیا جائے، یعنی کس جملہ کو دوسرے جملہ یا کس لفظ کو دوسرے لفظ کے ساتھ ملا کر پڑھنا ہے یا کس جملہ اور لفظ کو دوسرے جملہ اور لفظ سے جدا کر کے پڑھنا ہے اردو

میں اس کی مثال ہے (روکو، مت جانے دو) اگر روکو پر وقف کر لیا جائے تو اس کا معنی
روکنا ہے اور روکو مت پر وقف کر کے جانے دو پڑھا جائے تو اس کا معنی نہ روکنا ہے
قرآن مجید سے اس کی حسب ذیل دو واضح مثالیں ہم پیش کر رہے ہیں

وما یعلم تاویلہ الا اللّٰہ والراسخون فی العلم یقولون امنا بہ (آل عمران: 7)
اور اس کی (آیات متشابہات کی) تاویل کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ علم
میں پختہ ہیں وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لاتے ہیں

اس آیت میں اگر الا اللہ پر وقف کیا جائے تو یہی معنی ہو گا جو ہم نے لکھا ہے
اور اگر والراسخون فی العلم پر وقف کیا جائے تو معنی بدل جائے گا اور اب یوں معنی ہو
گا، آیات متشابہات کی تاویل کو اللہ اور علماء راسخین کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

واللہ لا یھدی القوم الظالمین الذین امنوا وھاجروا وجھدوا فی سبیل اللّٰہ
(التوبہ: 20-19)

اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا، جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت
کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔

اس آیت میں اگر القوم الظالمین پر وقف کیا جائے تو یہی معنی ہو گا جو ہم نے لکھا
ہے اور اگر اس پر وقف نہ کیا اور اس کو دوسری آیت کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو پھر
یہ معنی ہو گا اللہ ان ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت
کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، اور ایسے لوگوں کو ظالم کہنا قرآن مجید کی بہت ساری
آیتوں کی تکذیب ہے۔ اور قرآن مجید کی تکذیب کفر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ
قرآن مجید میں صحیح جگہ پر وقف نہ کرنا قرآن مجید کے معنی اور منشا کو بدل دیتا ہے اور
بعض اوقات کفر تک پہنچا دیتا ہے۔

اہل عرب اپنی زبان دانی کی وجہ سے جس طرح بغیر اعراب کے قرآن مجید کو صحیح
پڑھنے پر قادر تھے۔ اسی طرح وہ قرآن مجید کو پڑھتے وقت صحیح جگہ پر وقف کرتے تھے
اور ان سے معنی میں کوئی غلطی واقع نہیں ہوتی تھی لیکن جب اسلام کا پیغام عرب کے

باہر پہنچا اور عربی زبان سے ناواقف لوگوں نے قرآن مجید کو پڑھنا شروع کیا تو معانی سے لاعلمی کی وجہ سے وہ غلط جگہ پر وقف کرنے لگے' اس لئے اس وقت کے علماء نے قرآن مجید کی آیات پر رموز اوقاف لگانے کی ضرورت محسوس کی۔ سب سے پہلے اس موضوع پر امام احمد بن یحیٰی الثعلب النحوی المتوفی 291 ھ نے کتاب الوقف والا تبداء کے نام سے کتاب لکھی۔ اس طرح تیسری صدی ہجری میں قرآن مجید کی آیات پر رموز اوقاف لگائے گئے۔

قرآن مجید کی آیات پر وقف کرنے کی اصل یہ حدیث ہے۔

امام طحاوی روایت کرتے ہیں

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ ایک بڑے عرصہ تک ہمارا یہ معمول رہا کہ ہم میں سے کوئی شخص قرآن پڑھنے سے پہلے ایمان لے آتا تھا' سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی سورت نازل ہوتی' ہم اس سورت کے حلال اور حرام کا علم حاصل کرتے' اور اس چیز کا علم حاصل کرتے کہ اس سورت میں کہاں کہاں وقف کرنا چاہئے جس طرح تم آج کل قرآن کا علم حاصل کرتے ہو' اور اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ لوگ ایمان لانے سے پہلے قرآن کو پڑھ لیتے ہیں' سورہ فاتحہ سے لیکر آخر تک قرآن پڑھتے ہیں اور ان میں سے کسی کو یہ پتا نہیں ہوتا کہ قرآن نے کس چیز کا حکم دیا ہے اور کس چیز سے منع کیا ہے'۔اور نہ اس کو یہ پتا ہوتا ہے ۔کہ قرآن کی آیتوں میں کس کس جگہ وقف کرنا چاہئے (شرح مشکل الاثار ج 4 ص 85 مطبوعہ بیروت 1415ھ)

وقف کی پانچ مشہور اقسام ہیں

وقف لازم۔ وقف مطلق۔ وقف جائز المرخص بوجہ اور المرخص ضرورہ ان کی تعریفات اور مثالیں حسب ذیل ہیں۔

(وقف لازم) اس کو کہتے ہیں کہ اگر اس جگہ وقف نہ کیا جائے اور ملا کر پڑھا

جائے تو ایسا بھی لازم آئے گا جو اللہ کی مراد نہیں ہے۔ اس کی مثال یہ ہے وما ھم بمومنین ○ یخدعون اللہ(البقرہ 9 - 8)(وہ منافق) مومن نہیں ہیں' وہ اللہ کو دھوکا دیتے ہیں۔

اگر اس جگہ بمومنین پر وقف نہ کیا جائے اور اس کو یخدعون اللہ کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو یہ معنی ہو گا' وہ منافق ایسے مومن نہیں ہیں جو اللہ کو دھوکا دیں' حالانکہ مراد یہ ہے کہ وہ مطلقاً" مومن نہیں ہیں۔

(وقف مطلق) وہ ہے جس کو ملائے بغیر ابتداء پڑھنا مستحسن ہو' اس کی مثال یہ ہے ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا یعبلوننی لا یشرکون بی شیئا(النور : 55) اللہ' ان کے خوف کے بعد ان کی حالت کو ضرور امن سے بدل دے گا وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں قرار دیں گے۔

پہلے جملہ میں اللہ تعالی کے فعل کا بیان ہے اور دوسرے جملہ میں بندوں کے فعل کا بیان ہے' اس لئے ان دونوں جملوں کو ملائے بغیر الگ الگ پڑھنا مستحسن ہے

○ وقف جائز وہ ہے جس میں ایک جملہ کو دوسرے جملہ سے ملا کر پڑھنا اور پہلے جملہ پر وقف کر کے دوسرے کو ابتداء" پڑھنا دونوں طرح جائز ہو' اس کی مثال یہ آیت ہے۔

ولقد ھمت بہ وھم بھا لولا ان را برہان ربہ (یوسف :24)

اگر ھم بھا پر وقف کیا جائے تو معنی اس طرح ہو گا عزیز مصر کی عورت نے یوسف کے ساتھ برے فعل کا قصد کیا اور یوسف نے اس عورت سے اجتناب کا قصد کیا' اگر یوسف نے زنا کی برائی پر اپنے رب کی برہان کا مشاہدہ نہ کیا ہوتا تو وہ اس برائی میں مبتلا ہو جاتے اور اگر "ھم بھا کے بعد والے جملہ سے ملا کر پڑھا جائے تو معنی اس طرح ہو گا۔

عزیز مصر کی عورت نے یوسف کے ساتھ برے فعل کا قصد کیا' اگر یوسف نے اس فعل کی برائی پر اللہ کی برہان کا مشاہدہ نہ کیا ہوتا تو وہ بھی اس عورت کے ساتھ

برے فعل کا قصد کر لیتے۔

واضح رہے کہ ھم کا درجہ عزم سے کم ہوتا ہے ھم کا معنی ہے کسی فعل کا قصد کیا جائے اور اس میں اس فعل کو نہ کرنے کا بھی پہلو ہو، اور عزم کا معنی ہے کسی فعل کو کرنے کا پختہ قصد ہو اور اس میں اس فعل کو نہ کرنے کا پہلو بالکل نہ ہو (اس کی وضاحت لا تعزموا عقدۃ النکاح البقرہ 235 کے تحت تفسیر التبیان ج ص 1075 میں ملاحظہ فرمائیے)

المرخص بوجہ= جس میں ایک وجہ سے وقف کرنا اور دوسری وجہ سے ملا کر پڑھنا جائز ہو اس کی مثال یہ آیت ہے۔

اولئک الذین اشتروا الحیٰوۃ الدنیا بالاخرۃ فلا یخفف عنھم العذاب (البقرہ 86) یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے آخرت کے بدلہ دنیا کی زندگی خریدی تھی، سو ان کے عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی۔ فلا یخفف عنھم العذاب پہلے جملے کے لئے بہ منزلہ سبب اور جزاء ہے اور اس کا تقاضا ملا کر پڑھنا ہے - اور لفظ فاء ابتداء کو چاہتا ہے اس لئے پہلے جملہ پر وقف کر کے فلا یخفف سے ابتداء پڑھنا بھی جائز ہے۔

المرخص ضرورہ= جو لفظ یا جو جملہ پہلے لفظ یا جملہ سے مستغنی نہ ہو اور اس میں اصل ملا کر پڑھنا، لیکن مسلسل پڑھنے کی وجہ سے انسان کا سانس ٹوٹ جائے اور وہ ملا کر پڑھنے کی بجائے ٹھہر جائے تو اس کی اجازت ہے اور دوبارہ ملا کر پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے اس کی مثال یہ آیت ہے۔

الذی جعل لکم الارض فراشا والسماء بناء وانزل من السماء ماء (البقرہ 22) جس ذات نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتارا۔

انزل من السماء میں انزل کی ضمیر الذی کی طرف لوٹ رہی ہے اس لئے یہ جملہ پہلے جملہ سے مستغنی نہیں ہے اور ان کو ملا کر پڑھنا چاہئے لیکن اگر طول کلام کی وجہ

سے پڑھنے والے کا سانس ٹوٹ جائے اور وہ والسماء بناء پر وقف کرے تو اس کو اجازت ہے کیونکہ والسماء بناء کو الگ پڑھنے سے بھی اس کا معنی سمجھ میں آجاتا ہے۔

جس جگہ ملا کر پڑھنا ضروری ہے اور وقف کرنا جائز نہیں ہے یہ وہ کلام ہے۔ جو شرط اور جزاء پر مشتمل ہو شرط اور جزاء کو ملا کر پڑھنا ضروری ہے اور شرط پر وقف کرنا جائز نہیں ہے یا کلام مبتداء اور خبر پر مشتمل ہو تو مبتداء پر وقف کرنا صحیح نہیں ہے' اسی طرح موصوف اور صفت کو ملا کر پڑھنا چاہئے اور موصوف پر وقف نہ کیا جائے۔ اس کی مثال یہ ہے۔

وما یصل بہ الا الفاسقین○ الذین ینقضون عہداللّٰہ من بعد میثاقہ(البقرہ= 27 - 26) اور اللہ صرف فاسقوں کو گمراہ کرتا ہے جو اللہ کے عہد کو پکا کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اس آیت میں الذین ینقضون الفاسقین کی صفت ہے۔ اس لئے ان کو ملا کر پڑھا جائے۔

رموز اوقاف کی تفصیل حسب ذیل ہے

م= وقف لازم

ط= وقف مطلق

سکتہ= اس طرح ٹھہرا جائے کہ سانس نہ ٹوٹے' پورے قرآن مجید میں صرف سات جگہ یہ علامت ہے مذکورہ الصدر علامات پر وقف کرنا ضروری ہے

لا= جب 5 اور کے بغیر "لا" ہو تو ملا کر پڑھنا ضروری ہے۔ اس کی مثال یہ آیت ہے=ولما جاء ھم کتب من اللّٰہ مصدق لما معھم وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا(البقرہ= 89 - 88)

اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے کتاب آگئی' جو اس کی تصدیق کرنے والی ہے جو ان کے پاس (اصلی آسمانی کتاب) ہے حالانکہ وہ (یہود) اس سے پہلے (اس کتاب اور صاحب کتاب کے وسیلہ سے) کفار کے خلاف فتح کی دعا کرتے تھے۔

وکانوا' من قبل کا جملہ' سابقہ جملہ کی "ھم" ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے اور حال

اور ذوالحال میں فصل نہیں ہوتا اس لئے یہاں ملا کر پڑھنا ضروری ہے۔

حسب ذیل مقامات پر وصل کر کے پڑھنا اولی ہے

ز= وقف مجوز

ج= ز وقف جائز و مجوز

ق= وقف کا قول ضعیف ہے

صلی= وصل کر کے پڑھنا اولی ہے اور جہاں وقف لکھا ہو اس کا معنی ہے وقف کرنا اولی ہے

صل= ملاؤ

5= اس کا مطلب ہے اس کے وقف یا وصل میں اختلاف ہے

○= وقف اور وصل دونوں جائز ہیں۔

ج= وقف کرنا جائز ہے

ص= وقف کی رخصت ہے۔

قرآن مجید میں جب ایک مضمون ختم ہو جاتا ہے تو وہاں رکوع کی علامت "ع" لکھی ہوتی ہے قرآن مجید میں کل 558 رکوع ہیں' یہ معلوم نہیں ہو سکا اس کی ابتداء کب اور کیسے ہوئی۔ قرآن مجید میں سورتوں کے اسماء اور آیتوں کی تعداد لکھنے کا بھی رواج نہیں تھا۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں اس کا بہ کثرت' رواج ہے اور علماء سلف کی اتباع کرنا اولی ہے (تفسیر القرآن ج 7 ص 451 مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت' 1385ھ)

فتاوی عالم گیری میں مذکور ہے= قرآن مجید میں سورتوں کے اسماء اور آیتوں کی تعداد لکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہر چند کہ یہ ایک نیا کام ہے لیکن یہ بدعت حسنہ ہے' اور کتنے ہی کام نئے ہیں اور بدعت حسنہ ہیں اور کتنی چیزوں کا حکم زمان اور مکان کے اختلاف سے مختلف ہو جاتا ہے (فتاوی عالمگیری ج 5 ص 323 مطبوعہ بولاق مصر' 1310ھ)

مضامین قرآن کا خاکہ ایک نظر میں

-1	قرآن مجید کے پارے	30
-2	قرآن مجید کی سورتیں	114
-3	قرآن مجید کی آیتیں ابن عباس کی روایت کے مطابق	6616
-4	امر	1000
-5	نہی	1000
-6	وعد	1000
-7	وعید	1000
-8	قصص و اخبار	1000
-9	عبرو امثال	1000
-10	حرام و حلال	500
-11	دعا	100
-12	منسوخ الحکم آیات (باعتبار شہرت)	12

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکی اور مدنی سورتوں کی شناخت

مکی اور مدنی آیات اور سورتوں کے بارے میں (اہل علم) لوگوں کی تین اصطلاحیں ہیں۔ جن میں سے زیادہ مشہور اصطلاح یہ ہے کہ قرآن مجید کا جو حصہ ہجرت نبوی سے پہلے نازل ہوا وہ مکی ہے اور ہجرت کے بعد جس قدر قرآن نازل ہوا (وہ مدنی ہے) خواہ مکہ میں ہوا ہو یا مدینہ منورہ میں فتح مکہ کے موقعہ پر ہو یا حجتہ الوداع کے یا کسی سفر کے دوران میں اس کا نزول ہوا وہ تمام صورتوں میں مدنی کہلائے گا۔

دوسری اصطلاح یہ ہے کہ مکی اس کو کہتے ہیں جو مکہ میں نازل ہوئی خواہ ہجرت کے بعد ہی اس کا نزول کیوں نہ ہوا ہو۔

اور مدنی وہ ہے جس کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا۔ اس اصطلاح کے اعتبار سے ایک واسطہ ثابت ہو گیا کہ سفر کی حالتوں میں نازل ہونے والے حصہ پر مکی کا اطلاق ہو گا اور نہ مدنی کا۔

اور تیسری اصطلاح یہ ہے کہ مکی وہ سورت یا آیت ہے جس میں اہل مکہ سے خطاب ہے۔ اور مدنی وہ ہے جس کے مخاطب اہل مدینہ ٹھہرے۔

قاضی ابوبکر اپنی کتاب "انتصار" میں لکھتے ہیں مکی اور مدنی کی معرفت میں صرف صحابہ کرام اور تابعین (رضی اللہ تعالی عنھم اجمعین) کے بیان کو ہی مدار بنایا جا سکتا ہے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں کوئی قول وارد نہیں ہوا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم من جانب اللہ اس پر مامور نہ تھے اور نہ اللہ تعالی نے اس چیز کا علم امت کے فرائض سے قرار دیا ہے۔

اور اگر قرآن مجید کے بعض حصوں کے متعلق علماء پر یہ معلوم کرنا واجب ہے کہ ان میں سے ناسخ کون ہے اور منسوخ کون؟ تو یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح ارشاد کے علاوہ اور ذرائع سے معلوم کی جا سکتی ہے۔

مکی اور مدنی کی شناخت کے فوائد

مکی اور مدنی کی معرفت کے بہت فوائد ہیں ان میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے ناسخ اور منسوخ کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔

اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ نزول کے اعتبار سے قرآن کی ترتیب اور آیات کے متاخر و متقدم ہونے کا علم حاصل ہو جاتا ہے اور بعض صحابہ جن میں سے حضرت علی عبداللہ بن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین سرفہرست ہیں اس چیز (مکی اور مدنی کی شناخت) کو بہت اہمیت دیتے تھے۔

مکی اور مدنی کی علامات

علماء کرام نے مکی اور مدنی سورتوں کی پہچان کے سلسلے میں کچھ علامات ذکر کی ہیں ان میں سے بعض درج ذیل ہیں

ایک علامت یہ ہے کہ جس سورت میں "یا ایھا الناس" کے الفاظ کے ساتھ خطاب ہوا اور یا ایھاالذین آمنوا کے ساتھ نہ ہو وہ مکی ہے (البتہ سورت حج میں اختلاف ہے)

دوسری علامت یہ ہے کہ جس سورت میں "کلا" وارد ہوا ہے وہ مکی ہے

اور تیسری علامت یہ ہے کہ جس سورت میں حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کا ذکر ہو وہ مکی ہے سوائے سورت بقرہ کے

اور چوتھی علامت یہ ہے کہ جس سورت میں منافقین کا ذکر ہو وہ مدنی ہے۔ البتہ سورت عنکبوت اس سے مستثنیٰ ہے۔

اور ہشام بن عروہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا ہے۔ کہ جس سورت میں حدود اور فرائض کا ذکر ہے وہ مدنی ہے۔ اور جن سورتوں میں قرون سابقہ کا ذکر ہے وہ مکی ہیں۔

فائدہ

قرآن مجید کی کل ایک سو چودہ سورتیں ہیں جن میں سے انتیس سورتیں مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہیں اور باقی پچاسی سورتیں مکہ میں نازل ہوئی ہیں۔

مدینہ منورہ میں نازل ہونے والی سورتیں یہ ہیں

سورت بقرہ، آل عمران، سورت النساء، سورت المائدہ، الانفال، التوبہ، الرعد، الحج، النور، الاحزاب، سورہ محمد، سورہ فتح، سورہ حجرات، سورہ حدید، سورہ مجادلہ، سورہ حشر سورہ ممتحنہ، سورہ صف، سورہ جمعہ، سورہ منافقون، سورہ تغابن، سورہ طلاق، سورہ تحریم سوہ قیامہ، سورہ زلزلہ، سورہ قدر، سورہ نصر، سورہ فلق، سورہ ناس

ان مدنی سورتوں کے علاوہ باقی تمام سورتیں مکی ہیں

حضری اور سفری آیات اور سورتوں کا بیان

حضری:۔ وہ آیات جن کا نزول شہر میں ہوا

سفری:۔ وہ آیات جو سفر میں اتریں

مثالیں:۔ حضری آیات یعنی وہ آیتیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ یا مدینہ قیام کی حالت میں اتریں ان کی مثالیں چونکہ اصل ہونے کے اعتبار سے بکثرت موجود ہیں لہٰذا توضیح کے لئے ان کی مثال پیش کرنے کی حاجت نہیں ہے البتہ سفری آیات کی مثالیں ذکر کی جاتی ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

سفری آیات اور سورتیں یعنی وہ جو مکہ اور مدینہ کے علاوہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی سفر کے دوران نازل ہوئیں ان میں سے ایک سورت المائدہ میں واقع آیت تیمم ہے جس کی ابتداء" یا ایھا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ(الایہ) سے ہوتی ہے سورہ المائدہ آیت نمبر 6 اے ایمان والوں جب نماز کے لئے (کھڑے

کی مثالیں ذکر کی جاتی ہیں۔ چنانچہ ان میں ایک آیت تحویل قبلہ ہے۔

صیفی کی مثال:۔ آیت کلالہ ہے (یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالہ) آیت نمبر 176 سورہ النساء کے آخر تک۔ اس آیت کے بارے میں صحیح مسلم میں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام آیت صیف رکھا ہے۔

شتائی کی مثال:۔ سورہ النور میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔ ان الذین جاء وا بالافک اللہ تعالیٰ کے قول۔ (ورزق کریم) تک حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔ انہوں نے بیان کیا ہے۔ کہ یہ موسم سرما میں نازل ہوئی۔

1- النساء آیت نمبر 176 آپ سے حکم پوچھتے ہیں فرما دیجئے اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کلالہ (کی میراث میں)

2- نور آیت نمبر 11 بے شک جو لوگ (ام المومنین صدیقہ پر) کھلا بہتان لائے۔

سب سے پہلے قرآن مجید کا کون سا حصہ نازل ہوا

قرآن مجید کے سب سے پہلے نازل ہونے والے حصہ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں ان میں سے پہلا قول اور یہی صحیح ہے -کہ سب سے پہلے "اقراء باسم ربک" نازل ہوئی امام بخاری، مسلم اور دیگر محدثین نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا آپ بیان فرماتی ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء سچے خوابوں سے ہوئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو خواب دیکھتے اس کی تعبیر روشن صبح کی طرح ظاہر ہو جاتی۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں تنہائی کی محبت پیدا کی گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم غار حراء میں جا کر تنہائی میں عبادت کرنے لگے کئی کئی دن غار میں رہتے اور جتنے دن وہاں رہنے کا ارادہ ہوتا اتنے دنوں کا سامان خورد و نوش ساتھ لے جاتے (جب کھانے پینے کی چیزیں ختم ہو جاتیں) تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس

ہونے کا (تمہارا ارادہ) ہو یہ آیت ذوالحلیفہ کے مضافات میں "ذات الجیش" کے مقام پر نازل، اورایک کے قول کے مطابق البیداء جو ذوالحلیفہ ہی کا نام ہے کے مقام پر اتری اور یہ مقام مدینہ کے قریب مکہ سے آتے ہوئے راستہ میں پڑتا ہے۔ بہرصورت اس آیت کا نزول غزوہ المریسیع سے واپسی پر اس وقت ہوا جب لوگ مدینہ منورہ میں داخل ہو رہے تھے صحیح روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے اسی طرح مروی ہے

دوسری مثال سورہ الفتح ہے -حاکم نے روایت کیا ہے -کہ سورہ الفتح کا نزول مقام "کراع الغمیم" میں ہوا تھا۔ یہ ایک وادی کا نام ہے -اس وادی اورمدینہ کے درمیان ایک سوستر میل کا فاصلہ ہے جبکہ مکہ سے تقریباً" تیس میل اور عسفان سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

تنبیہہ تقسیم نزول قرآن

مکان کے اعتبار سے قسمیں۔ مکان کے اعتبار سے نزول قرآن کی حسب ذیل قسمیں ہیں:۔ مکی، مدنی، حضری، اور سفری

زمان کے اعتبار سے قسمیں

زمانہ کے اعتبار سے آیات اور سورتوں کی قسمیں درج ذیل ہیں:۔

لیلی، نہاری، صیفی، شتائی

لیلی:۔ جو رات میں نازل ہوئیں۔

نہاری:۔ جو دن میں اتریں۔

صیفی:۔ جو موسم گرما میں اتریں۔

شتائی:۔ جن کا نزول سردیوں میں ہوا۔

مثالیں:۔ نہاری کے امثلہ اصل ہونے کے ناطے بے شمار ہیں جو محتاج بیان نہیں لیلی

آکر اور چیزیں لے جاتے اسی دوران غار حرا میں اچانک آپ پر وحی نازل ہوئی فرشتے نے آکر آپ سے کہا "اقراء" (پڑھئے) آپ نے فرمایا "میں پڑھنے والا نہیں ہوں" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ پھر فرشتہ نے زور سے گلے لگا کر مجھے تھکا دیا پھر مجھے چھوڑ کر کہا "پڑھیے" میں نے کہا میں پڑھنے والا نہیں ہوں، حضور فرماتے ہیں کہ فرشتہ دوبارہ مجھے پکڑ کر بغل گیر ہوا حتی کہ مجھے تھکا دیا پھر مجھے چھوڑ کر کہا "پڑھیے" میں نے کہا، میں پڑھنے والا نہیں ہوں حضور فرماتے ہیں فرشتہ تیسری بار مجھے پکڑ کر بغل گیر ہوا حتی کہ مجھے تھکا دیا، پھر مجھے چھوڑ کر کہا" اقرا باسم ربک الذی خلق○خلق الانسان من علق○ اقراء وربک الاکرم○ الذی علم بالقلم○ علم الانسان مالم یعلم○ سورہ العلق آیت نمبر 2 تا 5 (اپنے رب کے نام سے پڑھئے جو خالق ہے جس نے انسان کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا پڑھیے، آپ کا رب سب سے زیادہ کریم ہے۔ جس نے قلم سے لکھنا سکھایا اور انسان کو وہ باتیں بتائیں جو وہ نہیں جانتا تھا)

دوسرا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے سورہ "یا ایھاالمدثر" نازل ہوئی شیخین نے ابو سلمہ بن عبدالرحمن سے روایت کی ہے ابو سلمہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) سے پوچھا کہ قرآن کا کونسا حصہ پہلے نازل ہوا حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ "یا ایھا المدثر" میں نے کہا" یا" اقراء باسم ربک یہ سن کر حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا میں تم سے وہ بات بیان کرتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیان فرمائی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غار حراء میں عبادت کرنے کے لئے خلوت نشین ہوا تھا جب میں نے یہ مدت پوری کر لی تو میں وادی کے دامن میں چلا گیا (اچانک کسی نے مجھے آواز دی) میں نے آگے پیچھے، دائیں بائیں دیکھا (مجھے کوئی نظر نہ آیا) پھر میں نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی تو اچانک مجھے جبرائیل علیہ السلام نظر آئے جس سے مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی اور میں خدیجہ (رضی اللہ تعالی عنہا) کے پاس آیا۔ اور میں نے کہا مجھے کپڑے اوڑھاؤ اہل

خانہ نے مجھے کپڑے اوڑھائے اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "یا یھا المدثرo قم فانذر" "اے کپڑا اوڑھنے والے اٹھو! اور لوگوں کو ڈراؤ" علماء نے اس تعارض کے کئی جواب دیئے ہیں۔

زیادہ مشہور جواب یہ ہے کہ (حدیث جابر میں) یہاں اولیت سے حکم انذار (عذاب خداوندی سے ڈرانے) کی خاص اولیت مراد ہے بعض لوگوں نے اس کی تعبیر اس طرح بھی کی ہے۔ کہ "نبوت" کے بارے میں سب سے پہلے "اقرا باسم ربک" نازل ہوئی ہے اور "رسالت" کے لئے سب سے پہلے (یا ایھا المدثر) نازل ہوئی ہے اور یہ قوی اور عمدہ جواب ہے۔

بعض حضرات نے اس تعارض کا یہ جواب دیا ہے کہ سائل کا سوال کامل سورت کے نازل ہونے کے بارے میں تھا۔ لہٰذا حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ پہلے پہل جو سورہ مکمل نازل ہوئی وہ سورہ (المدثر) تھی اور اس وقت تک سورہ "اقراء" مکمل نازل نہیں ہوئی تھی کیونکہ سورہ "اقراء" میں سب سے پہلے اس کا ابتدائی حصہ نازل ہوا ہے (لہٰذا سورہ مدثر کی اولیت مطلقاً" اقراء کی اولیت کے معارض نہ ہوئی) اس قول کی تائید خود حضرت جابر کی ایک اور روایت سے ہوتی ہے۔ جس کو امام بخاری اور مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی رک جانے کے زمانہ کا تذکرہ فرما رہے تھے۔ آپ نے فرمایا میں جا رہا تھا اچانک میں نے ایک آواز سنی میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ جو میرے پاس غار حراء میں آیا تھا وہ آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ میں خوف زدہ ہو گیا اور گھر واپس پہنچا اور میں نے اہل خانہ سے کہا مجھے کپڑا اڑھاؤ' مجھے کپڑا اڑھاؤ انہوں نے مجھے کپڑے اڑھائے' اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (یا ایھا المدثر)

اس لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول کہ "وہ فرشتہ جو غار حراء میں میرے پاس آیا تھا" اس بات پر صریح دلالت کرتا ہے کہ یہ قصہ بعد میں واقع ہوا۔ اور غار

حراء کا واقعہ جس میں (اقراء باسم ربک) کا نزول ہوا ہے پہلے کا واقعہ ہے مصنف کہتا ہے کہ یہ جواب اس باب میں دلیل کے حوالہ سے زیادہ درست ہے۔

اور بعض نے یہ جواب دیا ہے۔ کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ نے یہ بات قیاس سے کہی ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نہیں ہے اس لئے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی روایت حضرت جابر رضی اللہ تعالی کی بات پر مقدم ہے اور یہ تمام جوابات میں خوبصورت جواب ہے۔

○ تیسرا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے "سورہ الفاتحہ" نازل ہوئی اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو امام بیہقی نے (کتاب الدلائل) میں روایت کیا ہے لیکن علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس میں "سورہ الفاتحہ" کے "اقراء" کی سورت کے نزول کے بعد نازل ہونے کی خبر دی گئی ہو۔

○ چوتھا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" نازل ہوئی ہے۔

لیکن علامہ جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس کو ایک مستقل قول قرار دینا صحیح نہیں اس لئے کہ کسی سورت کے نازل ہونے کے وقت یہ بات بھی ضروری ہے کہ بسم اللہ اس کے ساتھ ہی نازل ہو۔

سب سے پہلے نازل ہونے والی آیات کے بارے اور اقوال بھی ہیں لیکن سند کے اعتبار سے ان میں ثبوت بہم نہیں پہنچتا اور اگر ان کی سند فراہم ہو جاتی ہے تو پھر اس کی تاویل یوں کی جائے گی کہ اس میں لفظ "من" مقدر ہے تقدیر عبارت اس طرح ہو گی کہ "من اول ما نزل"

اوائل مخصوصہ

(یعنی وہ آیات جو خاص خاص معاملات کے بارے میں سب سے پہلے نازل ہوئی ہیں)

مکہ معظمہ میں سب سے پہلے جو سورت نازل ہوئی وہ "اقراء باسم ربک" ہے اور مدینہ طیبہ میں سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت "البقرہ" ہے اور بعض نے کہا "ویل للمطففین" ہے

2- اور سب سے آخری سورت مکہ میں نازل ہونے والی "سورہ المومنون" ہے اور مدینہ میں سب سے آخر میں "سورہ براۃ" نازل ہوئی ہے۔

3- جنگ کی اجازت میں سب سے پہلے جو آیت کریمہ نازل ہوئی وہ (اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا) ہے (الحج: 39)

4- شراب کے بارے میں سب سے پہلے سورہ بقرہ کی آیت نمبر 219 نازل ہوئی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ (یسلونک عن الخمر والمیسر) آیت نمبر 219 سورہ البقرہ (لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں

5- امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے جس سورت میں آیت سجدہ "نازل ہوئی وہ "النجم" ہے

6- کھانوں کے بارے میں سب سے پہلے مکہ میں (سورہ الانعام کی آیت) (قل لا اجد فیما اوحی الی محرما) نازل ہوئی آیت نمبر 145 فرما دیجئے میں نہیں پاتا اس وحی میں جو میری طرف کی گئی کوئی حرام کی گئی چیز جو وہ کھائے اور مدینہ منورہ میں پہلے سورہ البقرہ کی آیت (انما حرم علیکم المیتہ) کا نزول ہوا (آیت نمبر 173) اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام کیا مردار۔

سب سے آخر میں کس حصہ قرآن کا نزول ہوا؟

1- قرآن مجید میں سب سے آخری نازل ہونے والی آیت کونسی ہے۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے زیادہ مشہور قول یہ ہے کہ سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت (یستفتونک قل الله یفتیکم فی الکلالہ) ہے (صحیح بخاری و مسلم)

" آپ سے حکم پوچھتے ہیں فرما دیجئے اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کلالہ (کی میراث میں)

2- امام بخاری حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے کہ سب سے آخر میں جس آیت کا نزول ہوا وہ آیت "ربوٰا" ہے اور آیت "ربا" سے اللہ تعالی کا یہ قول (یا ایھا الذین امنوا اتقوالله وذروا مابقی من الربوا) مراد ہے (سورہ البقرہ آیت نمبر278) اے ایمان والو اللہ تعالی سے ڈرو اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود میں سے

3- اور ایک قول یہ بھی ہے کہ سب سے آخر میں آیت "واتقوا یوما ترجعون فیه الی الله" نازل ہوئی سورہ بقرہ آیت نمبر281 اور اس دن سے ڈرو جس دن تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

4- سعید ابن المسیب بیان کرتے ہیں کہ "آیت دین" سب سے آخر میں نازل ہوئی امام سیوطی نے فرمایا یہ حدیث مرسل اور صحیح الاسناد ہے۔

قول ثانی اور اس کے بعد والی آیت میں سے کسی ایک آیت کے سب سے آخر میں نازل ہونے کا جو اختلاف پایا جاتا ہے (اس میں کوئی منافات نہیں) ان کو جمع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ یوں کہاجائے کہ مصحف میں جس ترتیب کے ساتھ یہ آیتیں درج ہیں ان کو دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا نزول ایک دفعہ میں ہوا ہے پس ہر ایک پر صادق آئے گا کہ یہ اپنے ماسوا کے اعتبار سے سب سے آخر میں نازل ہوئی اس وقت قول اول کی یہ تاویل کریں گے کہ فرائض اور احکام کے بارہ سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت "یستفتونک عن الکلالة" ہے لیکن اس پر اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ اللہ تعالی کا قول "الیوم اکملت لکم دینکم (آیت) حجتہ الوداع کے سال عرفہ کے دن نازل ہوا تھا اور اس آیت کا ظاہر مطلب بھی یہ ہے کہ اس کے نزول سے پہلے ہی جمیع فرائض اور احکام کی تکمیل ہوچکی تھی حالانکہ آیت "ربا" آیت دین اور آیت کلالہ کے بارے میں آیا ہے کہ ان کا نزول اس آیت کے بعد ہوا ہے۔

علماء نے اس اشکال کو رفع کرنے کے لئے اس کی یہ تاویل بیان فرمائی ہے۔ کہ اکمال دین سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کا دین ان کو بلدالحرام میں برقرار رکھنے اور

مشرکین کو وہاں سے جلا وطن کرنے کے ساتھ مکمل ہوا حتی کہ مسلمانوں نے مشرکین
کی شرکت اور خلط ملط کے بغیر فریضہ حج کی ادائیگی کی اس بات کی تائید ابن عباس
رضی اللہ تعالی کے قول سے بھی ہوتی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما بیان
کرتے ہیں کہ "پہلے مشرک اور مسلمان سب ایک ساتھ مل کر حج کیا کرتے تھے۔ پھر
جس وقت سورہ برأۃ اتری تو اس وقت مشرکوں کو بیت الحرام سے نکال باہر کیا اور
مسلمانوں نے اس طرح پر حج کی ادائیگی کی کہ بیت الحرام میں کوئی مشرک ان کے ساتھ
شریک حج نہ تھا اور یہ بات انعام باری تعالی کو مکمل بنانے والی تھی جیسا کہ اللہ رب
العزت نے " واتممت علیکم نعمتی " ارشاد فرما کر اس کا اظہار کیا ہے۔

نزول کے اعتبار سے آخری آیات اور سورتوں کے بارہ میں دیگر اقوال کا بیان اور ان کا جواب

امام جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے ایسی آیات اور سورتوں کے بارے میں
کہ جن میں ہر ایک کے متعلق وارد ہوا کہ یہ سب سے آخر میں نازل ہوئی ہے بہت
سے علماء کے (سابقہ اقوال کے علاوہ مزید) اور اقوال بھی ذکر کئے ہیں ان اقوال میں سے
ایک قول یہ ہے کہ سب سے آخر میں سورہ اذا جاء نصر اللّٰہ والفتح نازل ہوئی ہے
دوسرے قول کے مطابق سورہ المائدہ کا نزول سب سے آخر میں ہوا تیسرا قول یہ ہے
کہ لقد جاء کم رسول من انفسکم کی آیت سب سے آخر میں نازل ہوئی چوتھا
قول سورہ الفتح کے بارے میں اور پانچواں قول سورہ براۃ کے سب سے آخر میں نزول
کے متعلق ہے۔

جواب امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اگر یہ اختلاف صحیح ہوں تو ان کو باہم یوں جمع کر
سکتے ہیں کہ ہر شخص نے اپنے علم کے موافق جواب دیا ہے۔
قاضی ابو بکر "الانتصار" میں لکھتے ہیں۔
کہ مذکورہ اقوال میں سے کوئی قول بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع نہیں

ہے ہر شخص نے جو کچھ کہا اپنے قیاس اور غلبہ ظن کی بناء پر کہا ہے۔

پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں میں سے ہر شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے دن یا آپ کے ایام علالت سے تھوڑا عرصہ پہلے جو چیز سب سے آخر میں سنی اس کو بیان کر دیا اور دوسرے شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بعد کچھ اور سنا جسے پہلے شخص نے شاید نہ سنا ہو۔

سبب نزول کی معرفت

نزول قرآن کی دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے جو ابتداء" (یعنی بغیر کسی سوال اور واقعہ کے) نازل ہوئی ہے۔ اور دوسری قسم وہ ہے جو کسی واقعہ یا سوال کے بعد نازل ہوئی ہے۔

علماء مفسرین نے قسم ثانی میں تتبع کر کے خاص اس موضوع پر کتابیں لکھیں ہیں' جن میں تلاش بسیار اور بڑی محنت و کاوش کے بعد ایسی آیات کہ جن کا نزول کسی سوال یا کسی واقعہ کہ بعد ہوا ان تمام آیات کو ان کے سبب نزول کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ یوں تو آیات کے سبب نزول کے موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن ان میں سے سب سے زیادہ شہرت حافظ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب" لباب النقول فی اسباب النزول" کو حاصل ہوئی۔

سبب نزول کی معرفت کے فوائد

اس فن (معرفت اسباب نزول) کے بہت عظیم فوائد ہیں

1- حکم کے مشروع ہونے کی حکمت کا علم

2- معانی قرآن کے سمجھنے کے لئے ایک قوی طریقہ اسباب نزول کا علم ہے کیونکہ سبب کے علم سے مسبب کا علم حاصل ہونا ضروری ہے۔

سبب نزول کی معرفت کے بغیر قرآن کے معانی سمجھنے میں جو الجھن پیدا ہوتی ہے اور بعض تو سبب نزول سے واقفیت کے بغیر آیت کی تفسیر کر سکنا نہ صرف ناممکن ہوتا

ہے بلکہ آدمی لغزش کاشکار ہو جاتا ہے لہٰذا اس فن کی اہمیت جاننے کے لئے یہاں دو واقعات ذکر کئے جاتے ہیں۔

مروان بن الحکم نے جب اللہ تعالی کا یہ قول" لاتحسبن الذین یفرحون بما اتوا"(آل عمران 188) پڑھا تو ان کو اس کا معنی سمجھنے میں مشکل پیش آئی انہوں نے خیال کیا کہ اس آیت کریمہ کا معنی تو یہ ہوا کہ اگر کوئی شخص اس چیز پر خوش ہو جو اس کو عطا ہوئی۔ اوراس نے یہ پسند کیا کہ جو کام سزا کے قابل اس نے نہیں کیا ہے اس پر بھی اس کی تعریف ہو تو ایسے تمام لوگوں کو ہم عذاب دیں گے۔

مروان نے اس آیت کا جو مطلب لیا وہ آیت کے ظاہر کو دیکھنے سے اگرچہ صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن اس کا حقیقی مفہوم اور ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کے اس آیت کا شان نزول بیان کرنے سے واضح ہوتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی تھی جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کوئی چیز پوچھی تھی۔ انہوں نے اصل بات چھپا لی اور کوئی اور بات بتادی اور آپ پر یہ ظاہر کیا جو کچھ آپ نے دریافت فرمایا تھا۔ وہی ٹھیک بتایا ہے اور اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور سرخرو اور قابل ستائش بن گئے تھے اس روایت کو شیخین نے بیان کیا ہے۔

دوسرا واقعہ حضرت عثمان بن مظعون اور حضرت عمرو بن معدیکرب رضی اللہ تعالی عنہم کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ یہ دونوں حضرات شراب کو مباح قرار دیتے تھے اور اپنے اس موقف پر آیت کریمہ " لیس علی الذین امنوا وعملوالصلحت جناح فیما طعموا"(آیت مائدہ 93) سے استدلال کرتے تھے۔

اگر ان کو آیت مذکور کا سبب نزول معلوم ہوتا تو ہر گز ایسی بات نہ کہتے۔

اس آیت کا سبب نزول یہ تھا کہ کچھ لوگوں نے شراب کی حرمت کا حکم نازل ہونے کے وقت کہا" ان لوگوں کا کیا حال ہو گا جو شراب کو باوجود اس کے نجس ہونے کے پیتے رہے ہیں اور اب وہ اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہوئے قتل ہو گئے یا طبعی

موت سے مر گئے ہیں" چنانچہ ان لوگوں کی تسکین خاطر کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ اس روایت کو امام احمد، نسائی اور دیگر ائمہ حدیث نے بھی نقل کیا ہے۔

اور اسی قبیل سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول "فاینما تولوا فثم وجه الله" بھی ہے اس لئے کہ اگر ہم اس کو لفظ کے ظاہر پر محمول کریں تو اس کا مقتضیٰ یہ ہو گا کہ نماز پڑھنے والے پر سفر اور حضر کسی حالت میں قبلہ کی طرف رخ کرنا واجب ہی نہیں اور یہ بات خلاف اجماع ہے پھر جب اس کا سبب نزول معلوم ہوا تو یہ واضح ہوا کہ یہ حکم باختلاف روایات سفر کے دوران میں نفل نماز کے متعلق ہے یا اس شخص کے بارے میں ہے جس نے سمت قبلہ نہ معلوم ہونے کے باعث اپنی رائے سے کام لے کر نماز ادا کر لی اور بعد میں معلوم ہوا کہ اس نے غلط سمت میں نماز پڑھی ہے۔ تو ان کے بارے یہ آیت نازل ہوئی کہ ان کی نماز درست ہو گئی۔

نص میں لفظ کے عموم کا اعتبار کرنا چاہئے یا سبب نزول کے خاص ہونے کا؟

سبب نزول کی بحث سے متعلق ایک اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ علماء اصول (فقہ) اس بارے میں اختلاف کرتے ہیں کہ نص میں کس امر کا اعتبار کرنا چاہئے لفظ کے عموم کا یا سبب کے خاص ہونے کا؟ یعنی جب ہمیں ایک حکم شرعی پر مشتمل آیت کا سبب نزول معلوم ہے۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ حکم شرعی اس سبب کے ساتھ جس کے بارہ میں اس کا نزول ہوا ہے خاص ہو گا یا کہ اس سبب کے علاوہ کوئی بھی وہ حکم شامل ہو گا؟ اسی بات کو علماء اصول عموم لفظ اور خصوص سبب کے اسلوب سے تعبیر کرتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مشہور اور زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے اور حکم کا شمول سبب خاص کے علاوہ کو بھی معتبر ہو گا۔ کیونکہ ایسی بے شمار آیات ملتی ہیں جن کا نزول خاص اسباب میں ہوا۔

مگر باتفاق علماء ان کے احکام غیر اسباب کی طرف بھی متعدی ہوتے ہیں مثلاً" آیت

ظہار سلمہ بن صخر کے متعلق نازل ہوئی تھی آیت لعان کا نزول ہلال بن امیہ کے بارے میں ہوا تھا“ اور حد قذف” کا شان نزول ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کو تہمت لگانے والوں کے بارے میں تھا مگر بعد میں یہ احکام اوروں کی طرف بھی متعدی ہو گئے اور جو لوگ عموم لفظ کا اعتبار ہی نہیں کرتے وہ ان آیتوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ اور ان جیسی دیگر آیات میں بھی عموم کسی اور دلیل کی وجہ سے آیا ہے۔

حضرت حافظ سیوطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:۔

عموم لفظ کو معتبر ماننے کی دلیل صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کا مختلف واقعات میں ان آیات کے عموم سے حجت لانا ہے۔ جن کے نزول کے اسباب خاص تھے۔ اور یہ طریقہ استدلال ان کے یہاں شائع اور ذائع تھا

تنبیہہ

یہ بحث اس لفظ کے بارے میں تھی جس میں کسی طرح کا عموم پایا جاتا ہے۔ اب رہی وہ آیت جس کا نزول کسی خاص شخص کے بارے میں ہوا۔ اوراس لفظ میں کوئی عموم نہیں ہے تو اس کا انحصار صرف اسی شخص کے حق میں ہو گا جیسے اللہ تعالی کا قول وسیجنبھا الا تقی الذی یوتی مالہ یتزکی (سورہ الیل آیت نمر 17 تا 18) اور اس سے (بہت) دور رکھا جائے گا۔ جس سے) بڑا پرہیز گار جو اپنا مال (اللہ کی راہ) میں دیتا ہے۔

اس آیت کے بارے میں اجماع ہے کہ یہ امیرالمومنین خلیفہ اول ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

ایک اور وہم اور اس کا ازالہ:۔ اگر کوئی شخص اس آیت کو قاعدہ کے تحت میں لانے کی غرض سے یہ وہم کرے کہ اس کا حکم بھی ہر ایسے شخص کے لئے عام ہو گا۔ جو کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی طرح اچھے اور نیک کام کرے تو یہ

استدلال غلط ہو گا کیونکہ اس آیت میں سرے سے کوئی صیغہ عموم کا ہے ہی نہیں۔ اس لئے کہ "الف و لام" مفید عموم اس صورت میں ہوتا ہے جب کہ وہ کسی جمع کے صیغہ میں موصولہ یا معرفہ ہو۔ بعض لوگوں نے مفرد میں بھی مانا ہے مگر شرط یہ ہے کہ وہاں کسی قسم کا عہد (ذہنی یا خارجی) نہ پایا جائے۔ اور "الاتقی" میں الف لام موصولہ اس لئے نہیں ہو سکتا کہ باجماع اہل لغت افعل التفضیل کا وصل کیا جانا صحیح نہیں۔ پھر "اتقی" جمع کا صیغہ بھی نہیں بلکہ وہ مفرد ہے اور عہد بھی اس میں موجود ہے جس کے ساتھ ہی "افعل" کا صیغہ تمیز اور قطع مشارکت کا خاص فائدہ دے رہا ہے ان وجوہ سے عموم کا ماننا باطل ٹھہرتا اور خصوص کا یقین کامل حاصل ہوتا ہے اور آیت کے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ ہی کے حق میں نازل ہونے کا انحصار کیا جا سکتا ہے۔

اسباب نزول سے متعلق مفید امور کا بیان

اسباب نزول کے مصادر:۔ قرآن حکیم کے اسباب نزول کی بابت سوائے ان لوگوں کی روایت اور سماعی بیان کے جنہوں نے اپنی آنکھوں کے سامنے قرآن کو نازل ہوتے دیکھا اور اس کے اسباب نزول کے واقف تھے اور اس علم کی تحقیق کی ہے کوئی دوسری بات کہنا ہرگز روا نہیں۔

محمد بن سیرین بیان کرتے ہیں میں نے عبیدہ سے قرآن پاک کی ایک آیت کے بارے میں کچھ پوچھا تو انہوں نے کہا "اللہ تعالی سے ڈرو اور حق بات بیان کرو' وہ لوگ گزر گئے جن کو اس بات کا علم تھا کہ اللہ تعالی نے کس کے متعلق قرآن کی کونسی آیت اتاری ہے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان کی روایت ہی کو اول و آخر اسباب نزول کی شناخت کا دارومدار قرار دیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ انہیں اسباب نزول کی معرفت ان قرائن کے ذریعے معلوم ہوتی تھی جو کہ ان معاملات کے ساتھ وابستہ تھے میں کہتا ہوں اس کے علاوہ صحابہ کرام کو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملازمت اور ہمیشہ کے ساتھ رہنے کی سعادت حاصل تھی۔ اور آپ کے احوال کی معرفت آیات کریمہ کے نزول کا بچشم خود

مشاہدہ کرنا اور ان کی تحقیق اور تتبع یہ سب باتیں اس امر کی متقاضی ہیں کہ اسباب نزول کی شناخت میں حضرات صحابہ کرام ہی کو مرجع قرار دیا جائے۔

قول صحابی نزلت ھذہ الایہ فی کذا کی تحقیق علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا صحابی کا قول "نزلت ھذہ الایہ فی کذاء" اس حال میں کہ اس آنے آیت کا سبب نزول بیان کیا ہو' مسند کا قائم ہونا مانا جائیگا۔ یا یہ اس کی تفسیر کا قائم مقام ہو گا۔ جو کہ مسند نہیں ہوتی ہے۔

امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ ایسے قول کو مسند کے زمرہ میں شامل کرتے ہیں اور دیگر محدثین اسے مسند میں داخل نہیں کرتے اس اصطلاح کے اعتبار سے جس قدر قابل سند اقوال تسلیم ہوں گے ان میں سے اکثر مسانید کا وہی مرتبہ ہو گا جو احمد وغیرہ محدثین کی مسانید کا ہے۔ بخلاف اس صورت کے کہ جب صحابی نے کسی ایسے سبب کا ذکر کیا ہو جس کے بعد آیت کا نزول ہوا تھا تو اس کو بالاتفاق تمام علماء۔ مسند کا درجہ دیتے ہیں۔

اور دوسرا مسئلہ کہ صحابی کا قول مذکور نزول قرآن کا سبب بتانے کو مفید رہے۔

وعن المسئلہ الثانیہ وھی ھل یفید سببا لنزول الایہ

زرکشی اپنی کتاب "البرہان" میں لکھتے ہیں۔

صحابہ اور تابعین کی عادت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جس وقت ان میں سے کوئی کہتا ہے " نزلت ھذہ الایۃ فی کذا" یہ آیت فلاں معاملہ میں نازل ہوئی ہے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ آیت فلاں حکم کو شامل ہے نہ یہ کہ اس کی بتائی ہوئی وجہ آیت کا سبب نزول ہے۔ اور صحابہ یا تابعین کا اس طرح کہنا آیت کے ساتھ حکم پر استدلال کرنے کے قبیل سے ہے نہ کہ سبب وقوع کو بیان کرنے کی قسم سے۔"

ایک ہی آیت کے کئی اسباب نزول بیان کئے گئے ہیں تو اس کے حکم کا بیان

بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ مفسرین نے ایک ہی آیت کے نزول کے کئی

سبب بیان کر دیئے پس ایسی صورت میں کسی ایک قول پر اعتماد کرنے کا طریق یہ ہے کہ واقعہ کی نوعیت کا جائزہ لیا جائے گا پھر اگر ایک راوی نے اس کا ایک سبب بیان کیا ہے اور دوسرے نے دوسرا سبب بتایا ہے اور سبب نزول کی تصریح نہیں کی ہے تو اس صورت میں دوسرا قول ہی غالب طور پر آیت کی تفسیر ہے نہ کہ اس کا سبب نزول اور اس صورت میں اگر آیت کے الفاظ دونوں کو شامل ہوں تو ان دونوں اقوال کے درمیان کوئی منافات نہ پائی جائیگی۔ اگر ایک راوی نے کوئی صریح سبب بیان کر دیا ہے اور دوسرے راوی نے اس کے بالکل برعکس سبب بتایا تو اس حالت میں پہلا قول قابل اعتماد ہو گا اور دوسرا قول استنباط تصور کیا جائیگا مثلاً" امام بخاری رحمتہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کی ہے کہ " نساء کم حرث لکم"کی آیت غیر فطری طریقے سے بیویوں کے ساتھ صحبت کرنے کے بارے میں نازل ہوئی اور امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی ہے انہوں نے بیان کیا ہے کہ" یہودی کہا کرتے تھے کہ جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ اس کی پشت کی جانب سے آگے کے مقام میں وطی کریگا تو اس کا بچہ بھینگا پیدا ہو گا ان کی اس بات کی تردید میں اللہ تعالی نے آیت کریمہ نساء کم حرث لکم نازل کی" حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ کی یہ تصریح ابن عمر کے اس قول کے بالکل مخالف ہے تو اس موقع پر حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ کا بیان قابل اعتماد اور ابن عمر کا قول استنباط سمجھا جائے کیونکہ جابر کا قول نقل ہے اور ابن عمر کا قول استنباط ہے لہٰذا حدیث کو قیاس پر ترجیح دی جائے گی۔ اور اگر ایک شخص نے کچھ سبب بیان کیا ہے اور دوسرا اس کے علاوہ کوئی اور سبب بتاتا ہے تو دیکھا جائے گا کہ اسناد کس قول کے صحیح ہیں جس کے اسناد صحیح ہوں وہی قابل اعتماد ماننا چاہئے۔ اس کی مثال وہ حدیث ہے جس کو امام بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے کہ" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ بیمار ہو گئے جس کی وجہ سے آپ ایک یا دو راتیں قیام نہ فرما سکے اس وقت ایک عورت نے آپ کے پاس آکر (طنزاً) کہا" محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں دیکھتی ہوں کہ تمہارے شیطان نے تم کو چھوڑ دیا ہے۔"

تو اللہ تعالی نے اس موقعہ پر (والضحی والیل اذا سجی ماودعک ربک وما قلی) سورہ الضحی آیت نمبر 1 تا 3 نازل فرمائی قسم چاشت کی اور رات کی جب وہ (تاریکی کا) پردہ ڈالے آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ (آپ سے) بیزار ہوا۔ اور طبرانی کی روایت ہے کہ ایک کتے کا پلا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں گھس آیا اور پلنگ کے نیچے جا بیٹھا اور وہاں مرگیا اس کے بعد چار دن تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل نہیں ہوئی حتی کہ جب گھروالوں کو اس پلے کے مرنے کی خبر ہوئی اور اس کو وہاں سے اٹھا کر باہر پھنکوایا تو اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام "والضحی" لے کر نازل ہوئے ابن حجر شرح بخاری میں لکھتے ہیں

بچہ سگ کی وجہ سے جبرائیل علیہ السلام کے وحی لانے میں دیر کرنے کا قصہ تو عام طور سے مشہور ہے لیکن اس قصہ کا کسی آیت کا سبب نزول ہونا عجیب و غریب قول ہے اور پھر اس حدیث کے اسناد میں ایک ایسا راوی بھی ہے جو معروف نہیں۔ اس لئے قابل اعتماد قول وہی ہے جو صحیحین میں ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ کسی آیت کا نزول دو یا چند اسباب کے بعد ہوا ہو تو ایسی صورت میں آیت کا نزول ہر ایک سبب پر محمول کیا جائے گا کیونکہ تعدد اسباب سے مانع کوئی چیز نہیں ہے ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جب کئی اسباب کے لئے ایک آیت کا نزول تسلیم کرنا ممکن نہ ہو تو جس آیت کے اسباب میں تعدد پایا جائے اس کا نزول کئی بار اور مکرر بھی مان لیا جائے گا۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہ رضی اللہ تعالی عنہ کے شہید ہونے کے بعد ان کی لاش پر کھڑے ہوئے اور ان کی لاش مثلہ کردی گئی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لاش سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "بے شک میں کفار کے ستر آدمی تمہارے عوض مثلہ کردونگا" ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہیں کھڑے تھے کہ جبرائیل علیہ السلام سورہ "النحل" کی آخری آیات لیکر آئے اور ان میں سے ایک آیت یہ بھی تھی وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ ترجمہ (اور اگر

تم انہیں سزا دو تو ایسی ہی سزا دو جیسی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی آیت نمبر 126 اس حدیث کو بیہقی اور بزاز نے روایت کیا ہے۔

امام ترمذی اور حاکم نے (ابی بن کعب سے) روایت کیا ہے کہ معرکہ احد میں (مسلمانوں میں سے 64 انصاری اور 6 مہاجر شہید ہوئے تھے انہی میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالی عنہ بھی تھے جن کو مشرکین نے مثلہ کر دیا تھا انصار یہ منظر دیکھ کر کہنے لگے۔

"اگر ہم کفار پر کسی معرکہ میں فتح یاب ہوئے" تو ان کے مقتولین کے ساتھ اس سے بدر جہا بڑھ کر سخت سلوک کریں گے" چنانچہ فتح مکہ کا دن آیا تو اللہ تعالی نے" وان عاقبتم آیت" نازل فرمائی۔ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان آیتوں کے نزول میں فتح مکہ کے دن تک تاخیر ہوئی ہے اور قبل کی حدیث ان کا نزول معرکہ احد کے موقع پر عیاں کرتی ہے۔

ان حدیثوں کو جمع کرنے کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے یوں کہا جائے کہ آخر سورہ النحل کا نزول قبل از ہجرت مکہ میں ہو چکا تھا کیونکہ وہ سورہ مکیہ ہے اور اسی کے ساتھ سب آیتیں نازل ہوئی تھیں۔ پھر دوبارہ ان آیات کا نزول معرکہ احد کے موقع پر ہوا اور سہ بارہ فتح مکہ کے دن جس سے مقصود یہ تھا کہ اللہ تعالی اپنے بندوں کو یہ واقعہ بار بار یاد دلانا چاہتا ہے۔

متفرق آیتوں کے نزول کا ایک ہی سبب ہونے کا بیان

بسا اوقات ایسا بھی ہوا ہے ایک ہی واقعہ کے بارے میں متعدد آیتوں کا مختلف سورتوں میں نزول ہوا ہے اس کی مثال وہ روایت ہے جس کو امام ترمذی اور حاکم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت کیا ہے، ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا بیان کرتی ہیں "میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا بات ہے کہ میں اللہ تعالی کو ہجرت کے معاملہ میں عورتوں کا کچھ بھی ذکر کرتے نہیں سنتی!

تو اسی وقت اللہ تعالی نے فاستجاب لھم ربھم انی لا اضیع آخر آیت تک

نازل فرمائی" (سورہ آل عمران آیت نمبر 195) اور حاکم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا ہی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے عرض کی یا رسول اللہ! اللہ تعالی مردوں کا ذکر فرماتا ہے مگر عورتوں کا ذکر نہیں فرماتا تو اس وقت سورہ الاحزاب کی آیت نمبر 35 ان المسلمین والمسلمات اور آیت کریمہ انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر اوانثی آل عمران 195 دونوں آیتیں نازل ہوئیں۔

قرآن مجید کے ان حصوں کا بیان جن کا نزول بعض صحابہ کی زبان پر جاری ہونے والے الفاظ کے مطابق ہوا ہے۔

یہ درحقیقت اسباب نزول ہی کی ایک نوع ہے اور اسی باب میں دراصل حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے موافقات کا بیان ہے یعنی وہ باتیں جو انہوں نے کہیں اور پھر انہی کے موافق قرآن مجید کی آیات کا نزول ہوا اور یہ موافقات حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے مشہور مناقب میں سے ہیں۔

امام ترمذی ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" ان اللّٰہ جعل الحق علی لسان عمرو قلبہ" "بے شک اللہ تعالی نے عمر کی زبان اور ان کے دل کو حق کا مرکز بنایا ہے۔"

امام بخاری اور دوسرے محدثین نے حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے تھے کہ میں نے تین باتوں میں اپنے رب (عزوجل) سے موافقت کی ہے

1- میں نے عرض کی یارسول! لواتخذنا من مقام ابراہیم مصلی اگر ہم مقام ابراہیم کو مصلی (جائے نماز) بناتے تو کتنا اچھا ہوتا اور اسی وقت آیت کریمہ "واتخذاو من مقام ابراہیم مصلی" نازل ہوئی (البقرہ آیت نمبر 125)

اور (حکم دیا کہ) مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالو

2- میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ازواج مطہرات کے سامنے نیک اور غیر صالح ہر طرح کے لوگوں کی آمدورفت رہتی ہے اس لئے آپ ان کو پردہ کرنے کا حکم فرما دیتے تو بہتر

ہوتا۔ اس وقت آیت حجاب نازل ہوئی۔

3- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج پاک حضور کی بابت غیرت رکھنے میں ایک ہو گئیں تو میں نے ان سے کہا "عسی ربہ ان طلقکن ان یبدلہ ازواجا خیرا منکن" یعنی اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو طلاق دیدیں گے تو قریب ہے کہ ان کا رب انہیں تمہارے بدلے میں تم سے اچھی بیویاں عطا فرما دے گا۔ اور اسی طرح پر قرآن کا بھی نزول ہوا۔

حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے "موافقات عمر" کے موضوع پر ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے جس میں تمام موافقات کو جمع کر دیا ہے اور اس رسالہ کا نام "قطف الثمر فی موافقات عمر" رکھا ہے

تکرار نزول کا بیان

متقدمین اور متاخرین علماء کی ایک جماعت نے ذکر کیا ہے کہ قرآن کریم کی بعض آیتیں اور سورتیں مکرر نازل ہوئی ہیں اور اس تکرار نزول کی بے شمار حکمتیں ہیں۔

قرآن کے حفاظ اور راویوں کا تعارف

امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے کہ "میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قرآن کا علم چار شخصوں سے حاصل کرو۔ عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ تعالی عنہ) (2) سالم (رضی اللہ تعالی عنہ) (3) معاذ (رضی اللہ تعالی عنہ) (4) اور ابی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہ

یعنی قرآن کی تعلیم ان لوگوں سے حاصل کرو۔ ان چاروں مذکورہ بالا اصحاب رضی اللہ تعالی عنہم میں سے پہلے دو مہاجر ہیں اور باقی دو انصاری ہیں۔ اور سالم ابن معقل رضی اللہ تعالی عنہ ابو حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کے مولی ہیں اور معاذ سے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ مراد ہیں۔ (اس سے مقصود ترغیب ہے ورنہ) حضور صلی

اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس وقت ان چاروں صحابہ کے علاوہ کوئی صحابی حافظ قرآن نہ تھا بلکہ قرآن کے حفظ کرنے والے اس وقت ان ایسے بہت سے صحابہ موجود تھے۔ اور صحیح حدیث میں غزوہ بیر معونہ کے حالات میں ہے کہ اس غزوہ میں جس قدر قاری کے لقب سے مشہور صحابہ کرام شہید ہوئے ان کی تعداد ستر (70) تھی۔

امام بخاری حضرت قتادہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کن لوگوں نے قرآن کو جمع کیا تھا؟ حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا چار شخصوں نے جو سب انصار میں سے تھے ابی بن کعب، معاذ بن جبل، زید بن ثابت اور ابوزید رضی اللہ تعالی عنہم سے میں نے دریافت کیا" ابو زید کون تھے" حضرت انس نے فرمایا" میرے ایک چچا" اور ایک اور حدیث حضرت انس ہی سے ثابت رضی اللہ تعالی عنہ کے واسطہ سے منقول ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے رحلت فرمانے کے وقت ان چار شخصوں کے سوا اور کسی نے قرآن کو جمع نہیں کیا تھا ابوالدردا، معاذ بن جبل، زید بن ثابت اور ابوزید رضی اللہ تعالی عنہم اس حدیث میں دو وجہ سے قتادہ رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث سے مخالفت پائی جاتی ہے۔

اول یہ ہے کہ صیغہ حصر کے ساتھ چار ہی شخصوں کی تصریح کر دی گئی ہے اور دوسری وجہ ابی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہ کی جگہ ابوالدردا رضی اللہ تعالی عنہ کا نام آیا ہے اور مفسرین کی ایک جماعت نے قرآن کے جمع کرنے کا انحصار محض چار ہی شخصوں میں کر دینے کا انکار کیا ہے۔

مازری کا قول ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ کے قول سے یہ لازم نہیں آتا کہ قرآن کو ان چار شخصوں کے سوا کسی اور صحابی نے جمع نہیں کیا ہو کیونکہ اس صورت میں مطلب یہ نکلتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ کو علم نہ تھا کہ ان چار صحابہ کرام کے علاوہ کسی اور صحابی نے بھی قرآن کو جمع کیا ہے ورنہ انہیں اس کا

علم ہوتا تو انہیں یہ علم کیونکر حاصل ہو سکتا تھا جبکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت بھی بہت بڑی جماعت تھی اور پھر متفرق شہروں میں پھیل چکے تھے۔ اس بات کا علم تو انہیں جب ہی ہو سکتا تھا کہ وہ ہر شخص سے ملے ہوتے اور پھر ہر شخص نے اپنے بارے میں یہ بتلایا ہوتا کہ اس نے عہد رسالت میں قرآن کو مکمل جمع نہیں کیا تھا اور ایسا عادتاً" ناممکن ہے۔

اور اگر ان کے قول سے مطلب ان کا ذاتی علم ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نفس الامر میں بھی ایسا ہی واقع ہو۔

مازری لکھتے ہیں کہ:۔

حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ کے اسی قول سے ملاحدہ کی ایک جماعت نے یہ دلیل پکڑی ہے کہ صحابہ کرام کے دور میں قرآن جمع نہیں تھا حالانکہ اس میں ان کے دلیل قائم کرنے کی کوئی وجہ نہیں پائی جاتی کیونکہ ہم اس قول کا اس کے ظاہری معنی پر محمول کرنا تسلیم ہی نہیں کرتے اور فرض کرو کہ ہم اس کے ظاہری معنی کو مان بھی لیں تو بھی وہ لوگ یہ بات کیسے ثابت کر سکیں گے کہ واقع میں بھی ایسا ہی تھا اور اسے بھی تھوڑی دیر کے لئے تسلیم کر لیا جائے تو یہ کب لازم آتا ہے کہ ایک جماعت کثیر کے حافظ قرآن نہ ہونے کے ساتھ ویسا ہی ایک گروہ کثیر مکمل قرآن کا حافظ بھی نہ رہا ہو؟

اور تواتر کی کچھ یہ شرط نہیں کہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مکمل قرآن کے حافظ رہے ہوں بلکہ ان سب نے مل کر متفرق طور سے بھی کل قرآن کو حفظ کیا ہو تو اتنا بھی۔تواتر کے ثبوت کو کافی ہے

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:۔

جنگ یمامہ میں ستر قاری شہید ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں غزوہ بیر معونہ کے موقعہ پر بھی اسی قدر حفاظ قرآن کام آئے تھے۔

اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ نے جن چار شخصوں کا

خصوصیت سے ذکر فرمایا وہ ان سے اپنے گہرے تعلق کی بنا پر ہے اور دوسروں سے اس قسم کا شدید تعلق نہ ہونے کی بناء پر ان کا ذکر نظرانداز کر گئے اور ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ کے ذہن میں اتنے ہی لوگ آئے اور دوسرے اس وقت ذہن میں نہ ہوں۔

قاضی ابوبکر الباقلانی کہتے ہیں کہ حدیث انس رضی اللہ تعالی عنہ کا جواب کئی طریقوں سے دیا جا سکتا ہے۔

اول:۔ اس قول کا کوئی مطلب ہی نہیں بنتا لہٰذا یہ لزوم بھی نہیں پایا جاتا کہ ان چار شخصوں کے سوا کسی نے قرآن کو جمع ہی نہ کیا ہو۔

دوم:۔ اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن پاک کو تمام ان وجوہ اور قرائتوں پر جن پر اس کا نزول ہوا تھا صرف انہی چار صحابہ کرام علیہم الرضوان نے جمع کیا۔

سوم:۔ قرآن مجید میں سے اس کی تلاوت کے بعد منسوخ شدہ اور غیر منسوخ حصوں کی جمع وتدوین اور حفاظت میں ان چار صحابہ کے علاوہ اور کسی نے سعی نہیں کی۔

چہارم:۔ یہاں پر جمع قرآن سے یہ مراد ہے کہ اس کو بلاواسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف انہی چار صحابہ کرام نے سیکھا ہو اور ہو سکتا ہے دوسرے صحابہ نے قرآن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی واسطہ کے ساتھ پڑھا ہو۔

پنجم:۔ ان چار اصحاب نے قرآن کی تعلیم و تدریس میں اپنا زیادہ وقت صرف کیا اور یہ مشہو ہو گئے اور دوسروں کو شہرت حاصل نہ ہو سکی لہٰذا جن لوگوں کو ان چار شخصوں کا حال معلوم تھا اور دوسروں کے حال سے واقف نہ تھے انہوں نے اپنے علم کے مطابق حفظ قرآن کا انحصار انہی چار صحابہ میں کر دیا جبکہ واقع میں ایسا نہ تھا۔

ششم:۔ جمع سے مراد کتابت ہے اس لئے حضرت انس کا یہ قول اس بات کے منافق نہیں، کہ اوروں نے قرآن کو صرف زبانی یاد کرنے اور دل میں محفوظ رکھنے پر اکتفاء کیا ہو لیکن ان چار صحابہ نے اسے دل میں یاد رکھنے کے علاوہ کتابت کی شکل میں بھی

محفوظ کر لیا ہو۔

ہفتم:۔جمع قرآن سے یہ مراد ہے کہ چار صحابہ کرام کے علاوہ کسی نے بصراحت قرآن جمع کرنے کا یوں دعوی نہیں کیا کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک ہی میں حفظ قرآن مکمل کر لیا تھا۔ کیونکہ دوسرے صحابہ نے حفظ قرآن کی تکمیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد یا قریب زمانہ میں کی تھی جب کہ آخری آیت کا نزول ہوا تھا۔ لہٰذا ممکن ہے کہ اس آخری آیت یا اسی کے مشابہ دوسری آیات کے نازل ہونے کے وقت بھی چاروں صحابہ سب سے پہلے ایسے موجود رہے ہوں۔ جنہوں نے مکمل قرآن پاک بھی حفظ کر لیا تھا اور دوسرے حاضرین پورے قرآن مجید کے حافظ نہ رہے ہوں۔

ہشتم:۔اس سے مراد قرآن حکیم کے احکام کی اطاعت کرنا اور اس کے موجبات پر عمل پیرا ہونا ہے۔ کیونکہ امام احمد رحمتہ اللہ نے کتاب الزہد میں ابوالزاہریہ کے طریق حوالہ سے روایت کیا ہے کہ "ایک شخص نے آکر ابوالدرداء سے کہا" میرے بیٹے نے قرآن کو جمع کر لیا ہے۔

ابوالدرداء رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا اے اللہ! اس شخص کو بخش دے کیونکہ جمع قرآن کا مطلب تو یہ ہے کہ آدمی اس کے امرونہی کی تعمیل بھی کرے جوابات پر تبصرہ۔

ابن حجر مذکورہ بالا جوابات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

مذکورہ بالا احتمالات میں سے اکثر احتمال ایسے ہیں جن میں خواہ مخواہ تکلف کیا گیا ہے خصوصا" آخری احتمال تو سراپا تکلف ہے میرے خیال میں ایک اور احتمال آتا ہے جو ممکن ہے درست ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ کی اس سے مراد سرف قبیلہ اوس کی قبیلہ خزرج پر برتری ثابت کرنا ہے اس واسطے یہ بات ان دونوں قبیلوں کے علاوہ مہاجرین وغیرہ کے حق میں منافی نہیں کیونکہ حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ نے یہ بات اس وقت کہی تھی جب اوس اور خزرج دونوں قبائل کے لوگ باہم ایک دوسرے پر تفاخر کا اظہار کر رہے تھے جیسا کہ ابن جریر نے بھی یہی بات سعید

بن عروبہ کے طریق پر حضرت قتادہ کے حوالہ سے حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی ہے کہ "اوس اور خزرج کے دونوں قبیلوں نے باہم ایک دوسرے پر اپنی اپنی بڑائی جتانا شروع کی۔ قبیلہ اوس کے لوگوں نے کہا ہم میں سے چار شخص نہایت صاحب عظمت ہوئے ہیں ایک وہ جس کے لئے عرش عظیم جھوم اٹھا تھا۔ اور وہ سعد بن معاذ رضی اللہ تعالی عنہ ہیں۔

دوسرا وہ جس اکیلے کی شہادت دوشہادتوں کے برابر ہوئی اور حضرت خزیمہ بن ثابت ہوتے ہیں۔

تیسرا وہ شخص جس کو فرشتوں نے غسل میت دیا اور وہ حضرت حنظلہ بن ابی عامر رضی اللہ تعالی عنہ ہوئے۔

اور چوتھا وہ شخص جس کی لاش کو بھڑوں نے مشرکین کے ہاتھوں میں پڑنے سے بچایا اور وہ حضرت عاصم بن ثابت یعنی ابن ابی الافلح تھے"

قبیلہ خزرج کے لوگ اس بات کو سن کر کہنے لگے "ہم میں سے چار ایسے شخص ہوئے ہیں جنھوں نے قرآن کو جمع کیا اور ان کے سوا کوئی شخص قرآن کو جمع کرنے کی سعادت حاصل نہیں کرسکا"

پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان چاروں صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر کیاابن حجر لکھتے ہیں کہ"

بکثرت احادیث سے جو بات ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات ظاہری میں قرآن مجید حفظ کرلیا تھا کیونکہ صحیح حدیث میں ہے کہ انھوں نے اپنے مکان کے صحن میں ایک مسجد تعمیر کر رکھی تھی اور اس میں قرآن پڑھا کرتے تھے"

اور یہ حدیث اس بات پر محمول ہے کہ جس قدر قرآن اس وقت نازل ہو چکا تھا۔ اسے پڑھتے تھے۔

ابن حجر کہتے ہیں:

اس میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سیکھنے کا بے حد شوق تھا اور پھر وہ اس کام کے لیے فارغ البال بھی تھے وقت تھا۔ مکہ میں رہنے کی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت ملاقات رہتی اور دیر دیر تک مجلس نبوی میں روزانہ فیض یابی کا موقع ملتا یہاں تک کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے باپ کے گھر روزانہ صبح و شام دونوں وقت تشریف لاتے تھے اور پھر یہ بھی صحیح حدیث ہے کہ نماز میں لوگوں کی امامت کے فرائض وہ شخص انجام دے جو ان میں سے کتاب اللہ کا سب سے بہتر قاری ہو"

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایام علالت میں حضرت ابوبکر کو مہاجرین اور انصار کا امام بنا کر نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ اس سے بھی اس امر کی دلیل ملتی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ تمام صحابہ میں سب سے بہتر قرآن کے قاری تھے"۔

ابو عبید ہی نے کتاب القرات" میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے جو حضرات قاری قرآن تھے ان کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ مہاجرین میں سے 1- خلفائے اربعہ 2- حضرت ابن مسعود 3- حضرت حذیفہ 4- حضرت سالم 5- حضرت ابوہریرہ 6- حضرت طلحہ' 7- حضرت عبداللہ بن السائب 8- حضرت عبداللہ بن زبیر 9- حضرت عبداللہ بن عباس 10- حضرت عبد اللہ بن عمر 11- حضرت عائشہ 12- حضرت حفصہ اور 13- حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین اور انصار میں سے حضرت عبادہ بن الصامت حضرت معاذ جن کی کنیت ابو حلیمہ تھی' حضرت مجمع بن جارید حضرت فضالہ بن عبید اور حضرت مسلمہ بن مخلد رضی اللہ تعالی عنہم۔ (انہوں نے قرآن کو پورا یاد کیا تھا اور اس کی قراء توں سے واقف تھے۔)

نیز ابو عبید رضی اللہ تعالی عنہ نے یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ ان میں سے بعض صحابہ نے حفظ قرآن کی تکمیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کی

تھی۔

صحابہ میں سے قرآن کے مشہور قاریوں کا ذکر۔

صحابہ کرام میں سے قرآن پڑھانے والے سات صحابی مشہور ہیں:۔

حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابی حضرت زید بن ثابت، حضرت ابن مسعود، حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابو موسی الاشعری، علامہ ذہبی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب طبقات القراء میں ایسا ہی بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ ابی رضی اللہ تعالی عنہ سے صحابہ کرام کی ایک جماعت نے قرآن پڑھا تھا ان جملہ صحابہ میں سے حضرت ابو ہریرہ حضرت ابن عباس اور عبداللہ بن السائب ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے زید بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ سے بھی قرات سیکھی ہے اور پھر ان صحابہ کرام سے بکثرت تابعین نے بھی قرات سیکھی۔

مدینہ کے قراء تابعین:۔ منجملہ قراء تابعین کے مدینہ میں یہ جلیل القدر علماء تھے۔

حضرت ابن المسیب'' حضرت عروہ، حضرت سالم، حضرت عمر بن عبدالعزیز حضرت سلیمان اور حضرت عطاء جو دونوں یسار کے بیٹے تھے۔ حضرت معاذ بن الحارث جو معاذ القاری کے نام سے مشہور تھے۔ حضرت عبدالرحمن بن ہرمز الاعرج حضرت ابن شہاب الزہری حضرت مسلم بن جندب اور حضرت زید بن اسلم رضی اللہ تعالی عنہم

قراء مکہ:۔ مکہ میں حضرت عبید بن عمیر، حضرت عطاء بن ابی رباح حضرت طاؤس، حضرت مجاہد، حضرت عکرمہ اور ابن ابی ملیکہ رضی اللہ تعالی عنہم تھے۔

قراء کوفہ:۔ کوفہ میں حضرت علقمہ حضرت الاسود حضرت مسروق، حضرت عبیدہ، حضرت عمرو بن شرجیل، حضرت حارث بن قیس، حضرت ربیع بن خیثم، حضرت عمرو بن میمون حضرت ابوعبدالرحمن سلمی حضرت زربن جبش حضرت عبید بن فضالہ حضرت سعید بن جبیر حضرت نخعی اور حضرت شعبی رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین۔

قراء بصرہ:۔ بصرہ میں حضرت ابوعالیہ حضرت ابورجاء حضرت عاصم بن رضی اللہ تعالی

عنہم اجمعین۔ حضرت یحییٰ بن یعمر، حضرت حسن حضرت ابن سرین اور حضرت قتادہ

قراء شام:۔ شام میں مغیرہ بن ابی شہاب المخزومی جو حضرت عثمان کے شاگرد تھے اور خلیفہ بن سعد جو ابی الدرداء کے شاگرد تھے پھر ایک گروہ کثیر نے صرف قرائت ہی پر زیادہ زور دیا اور اس کی طرف اتنی توجہ کی کہ اپنے وقت کے امام فن، مقتدائے خلائق اور مرجع انام بن گئے۔

اس طرح کے فن قرات کے امام مدینہ میں ابو جعفر یزید بن القعقاع ان کے بعد شیبہ بن نصاع اور پھر نافع بن نعیم ہوئے۔

اور "مکہ" میں عبداللہ بن کثیر، حمید بن قیس الاعرج اور محمد بن ابی محیض نامور قاری اوراپنے وقت کے امام فن مشہور تھے۔

"کوفہ" میں یحی بن وثاب، عاصم بن ابی النجود اور سلیمان الاعمش (یہ تینوں ہم عصر تھے) اور ان کے بعد حمزہ اور پھر کسائی کا دور دورہ رہا"بصرہ" میں عبداللہ بن ابی اسحاق، عیسی بن عمر، ابوعمروبن العلاء او عاصم الجحدری یہ چاروں معاصر تھے۔ اور ان کے بعد یعقوب الحضرمی کاطوطی بولتا رہا۔

"شام" (دمشق) میں عبداللہ بن عامر، عطیہ بن قیس الکلابی اور اسمٰعیل بن عبداللہ بن المہاجر اور پھر یحی بن الحارث الذماری اور اس کے بعد شریح بن یزید الحضرمی نامور قراء ہوئے اور انہی مذکورہ بالا اماموں میں سے حسب ذیل سات قاری فن قرات کے امام کے طور پوری دنیا میں مشہور ہوئے ہیں۔

(1) نافع۔ انہوں نے ستر تابعی قاریوں سے قرات کا فن سیکھا انہیں میں سے ایک ابو جعفر ہیں

(2) ابن کثیر انہوں نے عبداللہ بن السائب صحابی سے قرات کی تعلیم حاصل کی تھی۔

(3)ابو عمرو انہوں نے صرف تابعین سے فن قرات سیکھا۔

(4) ابن عامر۔ انہوں نے ابوالدرداء سے اور عثمان کے شاگردوں سے قرات کی تعلیم

حاصل کی تھی۔

(5) عاصم۔ انہوں نے تابعین ہی سے قرات کی تعلیم پائی تھی۔

(6) حمزہ۔ انہوں نے عاصم اعمش اور سبیعی اور منصور بن المعتمر وغیرہ سے قرات سیکھی تھی۔

(7) کسائی۔ انہوں نے حمزہ اور ابوبکر بن عیاش سے فن قرات میں مہارت حاصل کی تھی۔

اس کے بعد فن قرات چہار دانگ عالم میں پھیل گیا اور ہر دور میں بے شمار اس فن کے ماہر اور سرکردہ لوگ پیدا ہوتے رہے۔

ساتوں مذکورہ بالا قرات کے طریقوں میں سے ہر ایک طریقہ کے دو دو راوی زیادہ مشہور ہوئے اور باقی کو شہرت دوام حاصل نہ ہو سکی

○ چنانچہ نافع رضی اللہ تعالی عنہ کے شاگردوں میں قالون اور ورش ممتاز ہوئے جو خود نافع رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

○ ابن کثیر رضی اللہ تعالی عنہ کے طریقہ سے قنبل اور البزی زیادہ نامور ہوئے یہ دونوں ابن کثیر رضی اللہ تعالی عنہ کے اصحاب کے واسطہ سے ان سے روایت کرتے ہیں۔

○ ابو عمرو رضی اللہ تعالی عنہ سے بواسطہ یزید رحمتہ اللہ الدوری اور السوسی کی روایت شہرہ آفاق ہے۔

○ ابن عامر رضی اللہ تعالی عنہ سے بواسطہ ان کے اصحاب ہشام اور ابن ذکوان ممتاز راوی ہوئے۔

○ عاصم رضی اللہ تعالی عنہ کے خاص شاگردوں میں ابوبکر بن عیاش رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت حفص رضی اللہ تعالی عنہ دو راویوں نے شہرت دوام پائی ہے۔

○ حمزہ رضی اللہ تعالی عنہ کے سلسلہ روایت سے بواسطہ سلیم' حضرت خلف اور حضرت خلاد دو راویوں کو ممتاز مقام حاصل ہے۔

○ اور کسائی کے شاگردوں میں الدوری اور ابوالحارث شہرت دوام اور قبول عام کے مرتبہ پر فائز ہوئے

پھر اس کے بعد جب اختلافات اور جھگڑے اس قدر بڑھ گئے کہ باطل اور حق میں فرق کرنا دشوار ہو گیا تو ایسے میں امت مسلمہ کے روشن دماغ اور جید علماء نے نہایت بالغ نظری اور جدوجہد کے ساتھ قرآن کریم کے جملہ حروف اور قراء توں کو جمع کیا ہے وجوہ اور روایات کی سندیں واضح کیں۔

○ اور صحیح مشہور اور شاذ قرائتوں کے اصول اور ارکان مقرر کر کے ان کو ایک دوسرے سے ممتاز بنایا اور ان کو گڈمڈ ہونے سے بچایا۔

فن قرات میں سب سے پہلے ابوعبید قاسم بن سلام نے کتاب تصنیف کی اس کے بعد احمد بن جبیر کوفی، پھر اسماعیل بن اسحاق مالکی قالون کا شاگرد، ان کے بعد ابو جعفر بن جریر طبری، بعدازاں ابوبکر محمد بن احمد بن عمرالدجونی اور پھر ابوبکر مجاہد مگر مجاہد کے زمانہ میں اور ان کے بعد بھی بکثرت علماء نے انواع قرات میں جامع، مفرد، مختصر اور مطول ہر طرح کی کتابیں تصنیف کیں۔

فن قرات کے اماموں کی اتنی تعداد ہے کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔

حافظ ملت شمس الدین الذہبی اور حافظ القرات ابوالخیر بن الجزری ابو عبداللہ دونوں نے قاریوں کے تذکرے لکھے ہیں۔

متواتر، مشہور، آحاد، شاذ، موضوع اور مدرج قراتوں کی تعریفات۔

قرات کی تین قسمیں:۔ متواتر، آحاد اور شاذ اس نوع میں سب سے خوبصورت کلام اپنے زمانہ کے امام القراء حافظ سیوطی علیہ الرحمہ کے استادوں کے استاذ ابوالخیر ابن الجزری نے کیا ہے ابن جزری رحمتہ اللہ علیہ "اپنی کتاب النشر" کے شروع میں لکھتے ہیں

"ہر ایسی قرات جو عربی قوائد کے موافق ہو خواہ کسی وجہ سے بھی ہو، اور

مصاحف عثمانیہ میں سے کسی مصحف کے ساتھ خواہ احتمالی طور پر بھی مطابقت رکھتی ہو اور صحیح الاسناد بھی ہو تو ایسی قرات صحیح اور قابل قبول ہے اور اس کے ماننے سے انکار کرنا روا نہیں ہے بلکہ یہ قرات انہی حروف سبعہ میں شامل ہو گی جن پر قرآن کا نزول ہوا ہے اور لوگوں پر اس کا قبول کرنا واجب ہے۔ اس سے بحث نہیں کہ وہ سات یا دس اماموں سے منقول ہے۔ یا ان کے ماسوا دوسرے اماموں سے مگر جس وقت ان تینوں مذکورہ بالا ارکان میں سے کوئی رکن بھی مختل ہو گا تو اس قرات کو شاذ' ضعیف یا باطل قرات کہا جائے گا خواہ اس کے راوی ائمہ سبعہ ہوں یا ان کے ماسوا دوسرے امام جو ان سے بھی برتر و بالا ہیں۔ سلف سے لیکر خلف تک تمام ائمہ محققین نے اس بات کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔

پھر ابن الجزری لکھتے ہیں:۔

"ہم نے ضابطہ میں "ولو بوجہ" کی قید سے ہر نحوی وجہ مراد لی ہے خواہ وہ افصح ہو یا فصیح متفق علیہ ہو یا مختلف فیہ' تاہم وہ اختلاف اس قسم کا ہو جو قرات کے (شائع اور ذائع یعنی) مشہور معروف ہونے اور ائمہ کے اس کی تعلیم صحیح اسناد کے ساتھ کرنے کی وجہ سے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے کیونکہ فن قرات کا سب سے بڑا اصول اور محکم ترین رکن یہی صحیح الاسناد ہونا ہے ورنہ یوں تو بہت سی قراتیں ایسی پائی جاتی ہیں۔ جن کو بعض یا اکثر علماء نحاۃ نے قواعد کے حوالہ سے درست نہیں مانا ہے لیکن ان کا یہ انکار قابل اعتبار نہیں ہے مثلاً "بارئکم" اور یامرکم کا ساکن بنانا بارئکم اور یامرکم اور "والارحام" کو مجرور پڑھنا وغیرہ

قید موافقت مصاحف کا فائدہ

پھر ابن الجزری لکھتے ہیں کہ:۔

"کسی ایک مصحف کی موافقت سے ہماری یہ مراد ہے کہ جو قرات مختلف مصاحف میں سے کسی ایک میں بھی ثابت ہو مثلاً" ابن عامر رضی اللہ تعالی عنہ کی قرات "قال اتخذالله"بغیر واؤ کے سورہ البقرہ میں اور "بالزبر و بالکتاب" دونوں میں

اثبات(ب) کے ساتھ یہ شامی مصحف میں ثابت ہے یا جس طرح سورہ براۃ کے آخر میں ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ "تجری من تحتھا الانہار" میں حرف "من" کو بڑھا کر پڑھا ہے اور یہ قرات مکی مصحف میں ثابت ہے یا اسی طرح کی اور مثالیں ہیں۔

پس اگر اس قسم کی قراتیں مصاحف عثمانیہ میں سے کسی مصحف میں نہ ثابت ہوں تو وہ شاذ کہلاتی ہیں کیونکہ وہ متفق علیہ رسم الخط کے خلاف ہیں قید "وصح سندھا" کا فائدہ۔

ابن الجزری لکھتے ہیں۔

ہمارا یہ قول کہ "قرات کی اسناد صحیح ہوں" اس سے مراد یہ ہے کہ اس قرات کی روایت عادل اور ضابط راویوں نے اپنے ہی جیسے دیگر راویوں سے کی ہو اور "از ابتداء تا انتہا" تمام سندیں اسی طرح کی ہوں اور پھر اس کے ساتھ ہی وہ فن قرات کے اماموں کے نزدیک مشہور قرات ہو اور وہ لوگ اسے غلط یا بعض قاریوں کی شاذ قرات قرار نہ دیں۔

قرات کی انواع

علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں امام ابن الجزری نے اس فصل کو بڑی تفصیل سے اور نہایت مدلل طریق پر تحریر کیا ہے اور امام ممدوح کے بیانات سے ہی معلوم ہوا کہ قرات کی کئی قسمیں ہیں جو آئندہ سطور میں بیان کی جاتیں ہیں۔

○اول :- متواتر یہ قرات ہے جس کو ایک ایسی کثیر جماعت نے نقل کیا ہو جس کا جھوٹ پر متفق ہونا ناممکن ہو اور تمام ناقلین کا سلسلہ اول سے آخر تک ایسا ہی رہا ہو بیشتر قراء تین ایسی ہی ہیں۔

ثانی۔ مشہور۔ وہ قرات جس کی سند صحیح ہو' اور وہ درجہ تواتر تک تو نہ پہنچی ہو لیکن عربیت کے موافق اور مصحف کے رسم الخط کے مطابق ہو قراء کے نزدیک مشہور ہو غلط شمار ہوئی ہو اور نہ ہی شاذ اور اس کی قرات بھی ہوتی ہو جیسا کہ جزری نے کہا ہے

اس کی مثال وہ قراتیں ہیں، سات قاریوں سے منقول ہونے میں جن کی سندوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ کہ کچھ نے اس کو روایت کیا ہے کچھ نے نہیں کیا قرات کی کتابوں میں جہاں پر اختلاف حروف کی فہرستیں دی گئیں اس کی مثالیں بکثرت مل جاتی ہیں جیساکہ متواتر کی مثالوں کی کمی نہیں ہے قرات کے موضوع پر تصنیف ہونے والی کتب میں سے زیادہ مشہور کتابیں حسب ذیل ہیں۔

(1) التیسیر جوالدانی کی تصنیف ہے (2) قصیدہ شاطبی(3) اوعیہ النشرفی القرات العشر (4)وتقریب والنشر یہ دونوں کتابیں ابن جزری کی تصنیف کردہ ہیں۔

○ثالث:۔وہ قرات کہ جس کی سند تو صحیح ہے لیکن ان میں عربیت یا رسم الخط کی مخالفت پائی جاتی ہے یا مذکورہ بالا قرات کے برابر مشہور نہیں اور نہ اس کی قرات کی جاتی ہے امام ترمذی نے اپنی جامع میں اور حاکم نے متدرک میں ایسی قراتوں کے بیان کے لئے الگ باب قائم کیا ہے اور اس باب میں بہت سی صحیح الاسناد رواتیں نقل کی ہیں اس میں سے ایک حاکم کی وہ روایت ہے جس کو اس نے عاصم الجحدری کے طریق پر ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے" متکئین علی رفرف خضر وعباقری حسان" اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من غیر اعین پڑھا تھا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "لقد جاء کم رسول من انفسکم" میں (ف کو فتحہ دیکر قرات فرمائی اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "فروح وریحان" م "ر" کے ضمہ کے ساتھ قرات فرمائی

رابع:۔ شاذ۔ یہ ایسی قرات ہے جس کی صحیح سند ثابت نہ ہو اس کے بیان کے لئے مستقل کتابیں تالیف ہوئی ہیں شاذ کی مثالیں ملک یوم الدین" کی قرات ہے جس میں ملک صیغہ ماضی اور لفظ "یوم" نصب کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور اسی طرح "ایاک

نعبد" میں صیغہ مجہول کے ساتھ قرائت ہے۔

خامس:۔ جیسے الخزاعی کی قراتیں ہیں۔

اس کے علاوہ ایک اور قسم ہے جو حدیث کی انواع سے مشابہ ہونے کے باعث مدرج میں درج کی جا سکتی ہے یہ ایسی قرائت ہے جو دوسری قرائتوں میں تفسیر کے طور پر زیادہ کر دی گئی ہے جیسے سعد بن ابی وقاص کی قرائت(وله اخ او اخت من ام) ہے یہ سعید بن منصور سے مروی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کی قرائت لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم فی مواسم الحج۔" (بخاری)

اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالی عنہ کی قرائت "ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف و ینهون عن المنکر و یستعینون باللہ علی ما اصابهم"۔ "عمرو رحمتہ اللہ تعالی کہتے ہیں:

مجھے نہیں معلوم ہو سکا کہ آیا یہ ان کی قرات تھی یا انہوں نے تفسیر کی ہے

"یہ بھی سعید بن منصور کی روایت ہے۔

اور ابن الانباری نے بھی اس کو روایت کیا ہے اور انہوں نے یقین کے ساتھ یہ بات کہی ہے کہ یہ زیادتی تفسیر ہی ہے۔

اور حسن رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ وہ پڑھا کرتے تھے "وان منکم الا واردها الورود الدخول"۔ "انباری نے کہا کہ" حسن رحمہ اللہ تعالی کا قول "الورود الدخول"۔ خود حسن کی طرف سے لفظ ورود کے معنی کی تفسیر ہے اور کسی راوی نے غلطی سے قرآن کے ساتھ لاحق کر دیا ہے۔

تنبیهات

"امام فخرالدین رازی لکھتے ہیں کہ"

بعض قدیم کتابوں میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ سورہ الفاتحہ اور معوذ تین کو خارج از قرآن مانتے تھے اس پر ایک

سخت اشکال وارد ہوتا ہے کہ اگر ہم کہیں کہ نقل متواتر کا صحابہ کے زمانہ میں پایا جانا ثابت ہے تو فاتحۃ الکتاب اور معوذتین کے داخل قرآن ماننے کا انکار موجب کفر ہوتا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ تواتر کا وجود صحابہ کے زمانہ میں نہیں تھا تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ قرآن اصل میں متواتر نہیں ہے امام رازی اس اشکال سے چھٹکارا حاصل کرنے کے طریق پر تنبیہہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں "ظن غالب یہ ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے اس قسم کی روایت کا نقل کرنا ہی سرے سے باطل ہے اس طرح اس پھندے سے گلو خلاصی ممکن ہے۔

قاضی ابوبکر رحمہ اللہ بھی یہی کہتے ہیں کہ "ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے فاتحہ اور معوذتین کا قرآن سے ہونے کا انکار صحیح طور پر ثابت نہیں ہے اور نہ ہی اس قسم کا کوئی قول یاد آتا ہے۔ انہوں نے ان سورتوں کو اپنے مصحف سے مٹا دیا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ان سورتوں کا لکھنا درست نہیں سمجھتے تھے

نہ یہ کہ ان کے قرآن ہونے کے منکر تھے۔ بات یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کے خیال میں مصحف کے لکھنے میں سنت یہ تھی کہ جس چیز کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں لکھنے کا حکم دیا ہے وہ تو اس میں لکھی جائے اور اس کے علاوہ کسی چیز کا لکھنا جائز نہیں ہے۔ چونکہ انہوں نے فاتحہ اور معوذتین کو نہ تو کہیں لکھا ہوا پایا اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے لکھنے کا حکم دیتے سنا اس لئے انہوں نے ان کو اپنے مصحف میں درج نہیں کیا ہے۔

امام نووی نے کہا "ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کا جو قول نقل ہے وہ باطل ہے صحیح نہیں ہے۔ ابن حجر رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: کہ جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کے انکار کی نسبت جس قدر روایتیں آئی ہیں وہ سب صحیح ہیں تو جو شخص کہتا ہے کہ یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ پر غلط الزام لگایا گیا ہے اس کی بات قابل قبول نہیں۔ کیونکہ بغیر کسی دلیل اور اسناد کے صحیح روایات پر طعن کرنا مقبول نہیں ہو سکتا بلکہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کے

انکار کی نسبت جتنی روایتیں آئی ہیں وہ سب صحیح ہیں اور ان میں تاویل کرنا ایک احتمالی امر ہے۔

"ابن قتیبہ اپنی کتاب "مشکل القرآن" میں لکھتے ہیں کہ"۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے یہ گمان کیا کہ معوذتین قرآن میں داخل نہیں ہیں اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں سورتوں کے ساتھ اپنے نواسوں حسن اور حسین رضی اللہ تعالی عنہما کے لئے تعویذ کرتے دیکھا تھا اسی لئے وہ اپنے گمان پر قائم رہے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کا موقف درست تھا اور باقی مہاجر اور انصار صحابہ رضی اللہ عنھم صحیح قول پر نہیں تھے"

دوسری تنبیہہ:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک کہ (ان القرآن انزل علی سبعة احرف) "قرآن سات حرفوں پر نازل کیا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن مجید کو ایسے طریقہ پر نازل کیا گیا ہے کہ اس میں ایک لفظ کو کئی طریقوں سے ادا کرنے کی وسعت آسانی اور گنجائش رکھی گئی ہے لیکن اس کے باوجود کہ ایک لفظ کو مختلف وجوہ اور کئی طریقوں سے ادا کرنا جائز ہے تاہم یہ اختلاف وجوہ سات کے عدد سے متجاوز نہ ہوگا۔

تیسری تنبیہہ:۔ امام مکی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

وہ شخص جو یہ گمان کرتا ہے کہ حضرت نافع اور عاصم وغیرہ قاریوں کی قراتیں ہی حدیث میں مذکور حروف سبعہ ہیں سخت غلطی پر ہے اور پھر اس سے یہ بھی خرابی لازم آتی ہے کہ جو قرات ان ساتوں اماموں کی قرات سے خارج مگر دوسرے آئمہ قرات سے ثابت اور رسم خط مصحف کے مطابق ہو اس کو قرآن میں نہ مانا جائے اور یہ بہت بڑی غلطی ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ باوجودیکہ فن قرات کے اماموں میں قراء سبعہ سے کہیں بڑھ کر صاحب رتبہ اور مستند یا انہی کے مرتبہ کے لوگ بکثرت موجود تھے تو پھر انہی سات

قاریوں کی قرات پر اکتفاء کیوں کر لیا گیا؟ تو اس کا سبب یہ بنا کہ جب دیکھا گیا کہ طالبان میں فن کی ہمتیں تمام راویوں سے قرات کا سماع کرنے سے پست ہوتی جا رہی ہیں لوگوں نے محض انہی قراتوں پر اکتفا کر لیا جو مصحف کے رسم الخط کے موافق تھیں تاکہ ان کے حفظ میں سہولت رہے اور اس کی قرات کا ضبط بخوبی ہو سکے پھر انہوں نے ایسے ائمہ قرات کی تلاش کی جو ثقاہت' امانت اور کنہ مشق ہونے کی صفات سے متصف تھے اور اخذ قرات کے سلسلہ میں غیر متنازعہ شخصیت کے حامل تھے اس لئے بلاد اسلامیہ کے ہر ایک مشہور شہر سے۔

ایک ایک امام منتخب کر لیا اور اسی کے ساتھ ان قراتوں کا نقل کرنا بھی ترک نہیں کیا جو ان کے علاوہ دوسرے اماموں مثلاً" یعقوب' ابو جعفر اور شیبہ وغیرہ سے منقول تھیں سندوں کے لحاظ سے امام نافع رحمتہ اللہ علیہ اور امام عاصم رحمتہ اللہ علیہ کی قراتیں زیادہ صحیح ہیں اور فصاحت کے اعتبار سے ابو عمرو اور کسائی کی قراتیں اعلی درجہ کی ہیں۔

سات مشہور قراتوں کے علاوہ دوسری قراتوں کا حکم

شیخ تقی الدین لکھتے ہیں۔

جو قرات سات مشہور قراتوں سے خارج ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔

پہلی قسم وہ ہے جو مصحف کے رسم الخط کے مخالف ہے ایسی قرات کا نماز یا غیر نماز کسی حالت میں بھی پڑھنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

اور دوسری قسم وہ ہے جو مصحف کے رسم الخط کے تو مخالف نہیں لیکن غیر مشہور ہے اور ایسے غریب طریقے سے وارد ہوئی ہے جس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا تو اس طرح کی قرات کے پڑھنے کی ممانعت بھی ظاہر ہے بعض قراتیں اس قسم کی ہیں جن کو فن قرات کے سلف اور خلف سب ائمہ نے پڑھا ہے اور وہ ان کے نام سے مشہور ہے اس طرح کی قراتوں سے ممانعت کی وجہ نہیں ہو سکتی یعقوب وغیرہ کی قرات اسی قبیل سے ہے۔

چوتھی تنبیہ:۔ قراتوں کا اختلاف احکام میں بھی اختلاف کا باعث بنتا ہے اسی وجہ سے فقہاء کرام نے (لمستم) اور (لامستم) کے اختلاف قرات پر وضو ٹوٹنے کے دو مسئلوں کا استنباط کیا ہے کہ اگر "لمستم" پڑھا جائے تو اس صورت میں صرف لمس کرنے والے وضو ٹوٹے گا ورنہ لامستم پڑھنے کی صورت میں لمس کرنے والے ملموس دونوں کا وضو ٹوٹ جائیگا اور اسی طرح پر حائضہ عورت کے بارے میں "یطھرن" کااختلاف قرات خون کے بند ہوتے ہی غسل سے قبل بھی وطی کو جائز قرار دیتا ہے اور ناجائز بھی۔

قرآن کے تحمل کی کیفیت

قرآن کریم کے تحمل کی دو صورتیں ہیں

(1) شیخ کے روبرو خود پڑھنا

(2) شیخ کی زبان سے روایت کے الفاظ کی سماعت کرنا

شیخ کے سامنے قرات کرنے اور پڑھنے کا طریقہ سلف سے لیکر خلف تک رائج چلا آرہا ہے مگر قرآن کی قرات بھی خاص شیخ کی زبان سے سن کریاد کرنے کا قول اس مقام پر محض ایک احتمالی امر ہے' کیونکہ صحابہ کرام علیہم رضوان نے تو بے شک قرآن پاک کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زبان اقدس سے سن کریاد کیا اور اس کی تعلیم پائی تھی لیکن قراء میں سے کسی ایک کا بھی اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح پر حاصل کرنا ثابت نہیں ہوتا۔ اور اس کی ممانعت کا ہونا' اس سے ظاہر ہے کہ یہاں کیفیت ادا مقصود ہے اور ایسا ہونا ممکن نہیں کہ ہر شخص شیخ کی زبان سے سن کر قرآن کو اسی ہیئت پرادا بھی کرسکے جس کیفیت کے ساتھ شیخ نے ادا کیا تھا۔ بخلاف حدیث کے کہ اس میں اس خصوصیت کے لحاظ اس لئے نہیں ہے کہ اس میں مطلوب معنی بالفظ کو یاد کرلیتا ہے ان ادا کی ہیئتوں کے ساتھ نہیں جو ادائیگی قران میں معتبر ہیں۔

اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم چونکہ فصیح اللسان اور سلیم الطبع تھے تو یہ بات ان کو قرآن کے اسی طرح ادا کرنے پر قادر بنا دیتی ہے جس طرح انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سماعت کیا تھا اور اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ قرآن خاص ان کی زبان سے اترا تھا۔

شیخ کے سامنے قرآن پڑھنے کی دلیل کا ثبوت اس امر سے بھی بہم ملتا ہے کہ ہر سال رمضان مبارک کے مہینے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن (منزل) کو جبرائیل علیہ السلام پر پیش کرتے اور ان کو سنایا کرتے تھے اور ان کے ساتھ دور فرمایا کرتے تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جب شیخ شمس الدین ابن جزری قاہرہ (مصر) میں آئے تو ان سے قرات سیکھنے کے لئے خلق خدا کا اتنا ازدحام ہو گیا کہ سب کے لئے الگ الگ وقت دینا مشکل ہو گیا چنانچہ شیخ موصوف نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ وہ ایک آیت کی قرات کرتے جاتے تھے اور تمام سامعین اکٹھے مل کر اسی آیت کو پھر لوٹا دیتے تھے۔ انہوں نے صرف قرائت پر اکتفاء نہیں کیا۔

شیخ کے روبرو اس حالت میں قرات کرنا بھی جائز ہے جب کہ کوئی دوسرا شخص اسی شیخ کے پاس الگ پڑھ رہا ہو مگر شرط یہ ہے کہ شیخ پر ان تمام قاریوں کی حالت واضح رہے اور کسی کا بڑھنا اس پر مخفی نہ رہے۔

شیخ علم الدین سخاوی رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے ایک ہی وقت میں مختلف مقامات سے دو دو تین تین اشخاص الگ الگ قرات کیا کرتے تھے اور شیخ ان میں سے ہر شخص کو بتاتے جاتے تھے۔ اسی طرح شیخ کے دوسرے مشاغل مثلاً" لکھنے یا مطالعہ کرنے میں مصروف ہوتے ہوئے بھی ان کے سامنے قرات کی جا سکتی ہے۔

اب رہی یہ بات کہ زبانی قرات کی جائے تو یہ کوئی شرط نہیں ہے بلکہ مصحف سے دیکھ کر بھی قرات کر لینا کافی ہے۔

قرات کے تین طریقے:۔

اول۔ تحقیق:۔ یعنی یہ کہ مد کے اشباع، ہمزہ کی تحقیق، حرکات کو پوری طرح ادا کرنا، اظہار اور تشدیدوں کی ادائیگی میں پورا اعتماد ہونا، حروف کو واضح طور پر ایک دوسرے سے الگ الگ کرنا، بعض حرف، سکتہ، ترتیل وغیرہ میں بعض سے جداگانہ طور پر مخرج سے نکالنا، دوسرے حرف کی حد سے خارج بنانا اور بغیر کسی قصر اور اختلاس کے اور متحرک کو ساکن بنانے یا اس کو مدغم کر دینے کے وقف جائز مقامات کا لحاظ رکھ کر ایک حرف کو اس کے پورے حق کے ساتھ ادا کرنا۔ یہ باتیں زبان کی ریاضت اور الفاظ کی درستی اور استقامت سے حاصل ہوتی ہیں۔

متعلمین کو ان امور کا سیکھنا مستحب ہے مگر ساتھ ہی یہ خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ اس سلسلہ میں حد سے تجاوز نہ کریں اور یہ نہ کریں کہ حرکت کی ادائیگی میں افراط کر کے آواز پیدا کر لیں، را، کو مکرر بنا دیں، ساکن کو متحرک کر دیں اور نون کے غنون میں مبالغہ کر کے غنغنانے لگیں۔

چنانچہ امام حمزہ نے ایک شخص کو ان باتوں سے مبالغہ کرتے سنا تو اس سے فرمایا "کیا تم اس بات کو نہیں جانتے ہو کہ حد سے بڑی ہوئی سفیدی برص اور پھلبھری ہوتی ہے اور بالوں میں حد سے زیادہ پیچ و تاب کا ہو جانا اس کو کاکل مرغوب سے مرغولہ بنا دینا ہے اسی طرح قرات بھی حد سے بڑھ جائے تو اس سے کراہت ہو جاتی ہے۔

دوم:۔ قرات کی دوسری کیفیت حدر ہے اور "حدر" ایسی قرات کو کہتے ہیں جو تیزی سے پڑھی جائے اور اس میں روانی ہو اور اس کے اندر قصر، اسکان، اختلاس، بدل، اوغام، کبیر اور تخفیف ہمزہ وغیرہ امور میں جو روایت صحیح سے ثابت ہیں۔ عجلت کی جاتی ہے لیکن اسی کے ساتھ اعراب کی رعایت اور الفاظ کی صحت ادا کی محافظت نیز حروف کو ان کی جگہوں پر برقرار رکھا جاتا ہے یہ نہیں کہ حرف مد کی کشش چھوڑ دیں یا حرکات کا اکثر حصہ ظاہر کرنے سے گول کر جائیں یا غنہ کی آواز کو بالکل اڑا دیں یا ان امور میں اس قدر تفریط اور کمی کریں کہ قرات کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیں اور اس کی صحت ہی جاتی رہے۔

سوم:۔ تدویر، قرات کی یہ قسم پچھلی دونوں اقسام یعنی تحقیق اور حدر کے مابین توسط کرنے سے عبارت ہے اکثر ائمہ جنہوں نے ہمزہ منفصل میں مد کیا ہے اس میں اشباع کی حد تک مبالغہ نہیں کیا ان کا یہی مذہب ہے نیز باقی قاریوں کا بھی یہی مختار مذہب ہے اور اہل ادا بھی اسی کو پسند کرتے ہیں

تجوید القرآن:۔ قرآن مجید کی تجوید نہایت اہم مسئلہ ہے یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگوں نے اس موضوع پر مستقل اور مبسوط کتابیں لکھی ہیں۔ انہی مصنفین میں سے ایک ابوعمروالدانی ہیں جنہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا "جودوا القرآن" قرآن پاک کو تجوید سے پڑھا کرو"

"تجوید قرأت کا زیور ہے" اس کے معنی یہ ہیں کہ تمام حروف کو ان کا پورا پورا حق دینا اور ان کو ان کی ترتیب سے رکھنا، ہر حرف کو اس کی اصل اور مخرج کی طرف لوٹانا اور اس لطف اور خوبصورتی کے ساتھ اس کو زبان سے ادا کرنا کہ اس کی اصل صورت بلا کسی قسم کی کمی بیشی اور تکلف کے عیاں ہو جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف اشارہ دیتے ہوئے فرمایا۔

من احب ان یقراء القرآن غضا کما انزل فلیقراہ علی قراءۃ ابن ام عبد" جو شخص قرآن کو اسی خوبی کے ساتھ پڑھنا چاہے جیسے اس کا نزول ہوا تو اس ابن ام عبد یعنی عبداللہ بن مسعود کی قرات کا اتباع کرنا چاہئے اس میں کوئی شک نہیں کہ جس طرح مسلمانوں کے لئے قرآن مجید کے معانی کا سمجھنا اور اس کے احکام پر عمل کرنا ایک عبادت ہے اور یہ ان پر فرض قرار دیا گیا ہے اسی طرح ان پر قرآن کے الفاظ کا صحیح طور پر پڑھنا اور اس کے حروف کو اسی طرز پر ادا کرنا بھی لازم اور فرض ہے جس طرز پر ان حروف کو ادا کرنا فن قرات کے اماموں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل سند کے ساتھ ثابت کیا ہے۔

علماء فرماتے ہیں۔ تجوید کے بغیر قرات کرنا لحن (غلطی) ہے

فصل

قرائتوں کے الگے الگ اور جمع کر کے پڑھنے کے طریقوں کا بیان

پانچویں صدی ہجری تک سلف صالحین کا یہ طریقہ رہا کہ وہ قرآن مجید کا ہر ایک ختم ایک ہی روایت کے مطابق کیا کرتے تھے اور ایک روایت کو دوسری روایت کے ساتھ کبھی نہیں ملاتے تھے لیکن پھر ایک ہی ختم میں تمام قراتوں کو اکٹھے پڑھنے کا رواج پڑ گیا اور اس پر عمل ہونے لگا تاہم اس کی اجازت صرف ان قاریوں کو دی جاتی تھی جو الگ الگ تمام قراتیں پڑھ کر انہیں یاد کر چکے ہوتے تھے اور وہ ان کے طریقوں سے بخوبی واقف ہو چکے ہوتے تھے اور انہوں نے ہر ایک قاری کی قرات کے مطابق ایک ایک بار الگ بھی ختم کر لیا ہو حتی کہ اگر شیخ سے دو شخص روایت کرنے والے تھے تو ان میں سے ہر ایک کی روایت کے مطابق بھی الگ الگ قرآن کا ختم بھی کر لیا ہوتا۔ تو اس کے بعد وہ تمام قراتوں کو جمع کر کے پڑھنے پر قادر مانے جاتے تھے اور کچھ لوگوں نے سہل انگاری سے کام لیتے ہوئے اس کی بھی اجازت دے رکھی تھی کہ قراء سبعہ میں سے ہر ایک قاری کا صرف ایک ختم پڑھنا ہی کافی ہے سوائے نافع اور حمزہ کے کیونکہ حمزہ کی قرات کے چار ختم پورے کرنا لازمی تھا، یعنی قالون، ورش، خلف اور خلاد چاروں راویوں کے ان کی روایتوں سے الگ الگ ختم کرنا ضروری تھا اس کے بعد کسی شخص کو تمام قراتوں کے اکٹھے پڑھنے کی اجازت ملتی تھی۔

البتہ اگر کوئی شخص کسی معتبر اور مستند شیخ سے علیحدہ علیحدہ اور اجتماعی طور پر تمام قراتوں کی تعلیم حاصل کر چکا ہو اور پھر وہ مجاز ہو کر اس بات کا اہل بن گیا ہو تو اس کو ایک ختم میں تمام قراتوں کو اکٹھے پڑھنے کی اجازت ہے اور کوئی ممانعت نہیں کیونکہ وہ اختلافات سے واقف ہے۔

قرائتوں کو یکجا کر کے پڑھنے کا طریقہ

قرات کے جمع کرنے میں قاریوں کے دو طریقے ہیں۔

اول:۔ جمع بالحرف ہے اور اس کی صورت اس طرح ہے کہ قرات شروع کی اور جب

کسی ایسے کلمہ پر پہنچے جس میں اختلاف ہے تو تنہا اسی کلمہ کو ہر ایک روایت کے مطابق بار بار اعادہ کر کے تمام وجوہ کو مکمل کر لے پھر اگر وہ کلمہ وقف کے صالح اور موزوں ہے تو اس پر وقف کر لے ورنہ آخری وجہ قرأت کے ساتھ اسے مابعد سے وصل کرتے ہوئے جہاں وقف آتا ہے اس جگہ وقف کرے لیکن اگر وہ اختلاف دو کلموں سے تعلق رکھتا ہے جسے مد منفصل کا اختلاف تو ایسی صورت میں دوسرے کلمہ پر وقف کر کے تمام وجوہ اختلاف کا احاطہ کرے اور پھر اس کے بعد والی آیت شروع کی جائے' یہ طریقہ اہل مصر کا ہے۔

دوم:۔ دوسرا طریقہ جمع بالوقف ہے وہ اس طرح ہے کہ پہلے جس قاری کی قرات شروع کی ہے اسے مقام وقف تک پڑھا جائے اور دوسری دفعہ اسی آیت کو کسی اور قاری کی قرات کے مطابق پڑھنا شروع کریں' اور اسی انداز سے ہر ایک قاری کی قرائت یا وجہ کو بار بار آیت کی تکرار کر کے ادا کرتے رہیں۔ حتی کہ سب قرائتوں سے فارغ ہو جائیں یہ اہل شام کا مذہب ہے۔ اور یہ طریقہ استحضار کے لئے بہت بہتر ہے اور اگرچہ وقت تو بہت کھاتا ہے لیکن عمدہ ہے۔

ابوالحسن قبحاطی اپنے قصیدہ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ قراتوں کو جمع کر کے پڑھنے والے قاری کے لئے سات شرطوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے جن کا لب لباب حسب ذیل پانچ امور ہیں۔

(1) حسن الوقف

(2) حسن الاتبداء

(3) حسن الابتداء

(4) عدم الترکیب۔ یعنی جب کوئی قاری ایک قرات شروع کرے تو اس کو مکمل کئے بغیر دوسرے قاری کی قرات کی طرف منتقل نہ ہو۔

(5) رعایہ الترتیب یعنی قرات میں ترتیب کا لحاظ رکھنا اس طرح کہ پہلے اسی قرات سے ابتداء کرے جس کو فن قرات کی کتابیں تالیف کرنے والے علماء نے اپنی کتابوں میں

پہلے بیان کیا ہے چنانچہ پہلے نافع پھر ابن کثیراس کے بعد قالون اور ازان بعد ورش کی قرات پڑھے۔

مگر ابن الجزری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ یہ کوئی شرط نہیں ہے بلکہ مستحب ہے باقی رہا یہ مسئلہ کہ قرات سیکھنے کے زمانے میں سبق کے دوران میں کتنی مقدار قرآن پڑھنا چاہئے۔؟

اس سلسلہ میں بات یہ ہے کہ صدر اول کے علماء نے کبھی اور کسی شخص کو دس آیتوں سے زیادہ ایک نشست میں نہیں پڑھائیں البتہ صدر اول کے بعد اساتذہ اور مشائخ نے پڑھنے والے کی حسب طاقت جس قدر وہ یاد کر سکتا تھااتنا ہی زیادہ یا کم سبق دینا شروع کر دیا تھا۔

فائدہ اولی

ابن خیر نے کہا کہ اس امر پر تمام علماء کا اجماع ہے کہ جب تک کسی شخص کو روایت کرنے کی سند حاصل نہ ہو اس وقت تک وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث روایت کرنے کا مجاز نہیں ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا قرآن کے بارے میں بھی یہی حکم ہے کہ جب تک کسی شخص سے قرآن کی قرات نہ سیکھ لی ہو اس وقت تک کسی، شخص کو ایک آیت کا بھی نقل کرنا جائز نہیں ہے۔؟

علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں میری نظر سے ایسی کوئی روایت نہیں گزری لہٰذا اس کی یہ وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ گو قرآن کے الفاظ ادا کرنے میں حدیث کی بہ نسبت بہت ہی زیادہ احتیاط کی گئی ہے کیونکہ حدیث میں روایت باللفظ شرط ہیں اور قرآن میں لازمی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں روایت کے لئے اجازت کی شرط لگائی گئی ہے اس لئے ضرورت ہے کہ اس میں موضوع اقوال کے داخل ہونے کا خوف ہے کہ کہیں لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خود ساختہ اور من

گھڑت باتیں منسوب نہ کر دیں جبکہ قرآن اس بات سے محفوظ رکھا گیا ہے کیونکہ ہر زمانہ میں اس کے یاد رکھنے والے کثرت سے پائے جائیں گے اور اس طرح وہ متداول رہے گا۔

فائدہ

قرات سکھانے اور لوگوں کو تعلیم قرآن سے فائدہ پہنچانے کے لئے شیخ کی اجازت حاصل کرنا ضروری ہے جو شخص اپنے آپ کو اس بات کا اہل سمجھتا ہو کہ وہ لوگوں کو قرآن پڑھا سکتا ہے خواہ کسی شیخ سے اجازت یافتہ ہو یا نہ ہو اس کو پڑھانا جائز ہے صدر اول کے اسلاف اور صلحاء کا یہی دستور رہا ہے اور یہ بات کچھ قرات ہی کے لئے مخصوص نہیں بلکہ ہر علم کے لئے عام ہے کیا پڑھانے میں اور کیا فتوی دینے میں بعض غبی لوگ جنھوں نے اجازت اور سند کو شرط قرار دیدیا ہے یہ ان کا محض توھم ہے اور عام طور سے لوگوں نے سند کی اصطلاح اس لئے مقرر کی ہے کہ اکثر مبتدی لائق اساتذہ کو نہیں جانتے پہچانتے ہیں مگر شاگردی کرنے سے پہلے استاذ کی اہلیت اور علمی قابلیت کا پایا معلوم کر لینا لازمی امر ہے اس لئے کہ اجازت یا سند ایک شہادت اور علامت ہے جو شیخ کی طرف سے قابل اجازت طلباء کو دی جاتی ہے اور وہ اس کے ذریعے سے اور لوگوں پر اپنی اہلیت ثابت کر سکتے ہیں۔

قرآن پاک کو بکثرت پڑھنے کا استجاب

کثرت سے قرآن مجید کی قرات اور تلاوت کرنا مستحب ہے اللہ تعالی نے قرآن پاک کی تلاوت کرنے والوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا۔ "یتلون آیات اللہ اناء اللیل (آل عمران - 113) اللہ کی آیتیں تلاوت کرتے رات کی گھڑیوں میں صحیح بخاری اور مسلم میں ابن عمر رضی اللہ تعالی عنھما کی حدیث ہے کہ "دو شخصوں کے سوا کسی کے حق میں حسد کرنا جائز نہیں" ایک اس آدمی کے بارے میں جسے اللہ تعالی نے قرآن کا علم عطا فرمایا ہے اور وہ شب و روز قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے۔

امام ترمذی حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ "جو شخص کتاب اللہ کا ایک حرف بھی پڑھے گا اس کو ہر ایک حرف کے بدلہ میں ایک نیکی کا ثواب ملے گا جو دس نیکیوں کے برابر ہے۔" حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "رب سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے" جس شخص کو قرآن اور میرا ذکر مجھ سے مانگنے سے روک لے گا' میں اس کو مانگنے والوں کی بہ نسبت بہتر اجر عطا فرماؤنگا۔

اور کلام اللہ کی فضیلت باقی کلاموں پر ایسی ہے جیسی کہ اللہ تعالیٰ کی اپنی تمام مخلوق پر"

امام مسلم نے ابوامامہ سے روایت کی ہے کہ "تم لوگ قرآن کو پڑھو' کیونکہ وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت کرے گا۔"

امام بیہقی نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ "جس گھر میں قرآن پاک پڑھا جاتا ہے وہ آسمانوں والوں کو اس طرح روشن نظر آتا ہے جیسے زمین والوں کو تارے دکھائی دیتے ہیں"

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:۔

"نوروا منازلکم بالصلواہ وقراءہ القرآن"

اپنے گھروں کو نماز اور قرآن کے پڑھنے سے روشن کرو"

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں (افضل عبادہ امتی قرأۃ القرآن) میری امت کی بہترین عبادت قرآن پاک کی قراہ ہے۔ حضرت سمرہ بن جندب بیان کرتے ہیں "ہر دعوت دینے والے کی دعوت پر لوگوں کا آنا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کی دعوت' دعوت قرآن ہے لہٰذا تم اس خوان نعمت کو مت چھوڑو"

قرآن پاک پڑھنے کی مقدار میں اسلاف کا معمول کیا تھا؟

قرآن پاک کی قرائت کی مقدار میں سلف صالحین کا معمول اور طریقہ مختلف ادوار

میں مختلف رہا ہے زیادہ سے زیادہ ان کے قرآن پڑھنے کی مقدار یہ آئی ہے کہ بعض تو ایک دن اور ایک رات میں آٹھ بار قرآن پاک ختم کر لیتے تھے چار ختم دن میں اور چار ختم رات میں پھر ان کے بعد ایسے لوگ تھے جو رات اور دن میں چار ختم کیا کرتے تھے دو دن میں اور دو رات میں اور ان کے بعد تین ختم اور پھر دو اور پھر ایک ختم قرآن اور کہا گیا کہ اس کے علاوہ بھی لوگوں کا معمول رہا ہے اور ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے منقول ہے کہ ایسا طریقہ اچھا نہیں ہے ابن ابی داؤد نے مسلم بن مخراق سے روایت کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے عرض کی کہ کچھ مرد ایک رات میں دو یا تین قرآن ختم کرتے ہیں۔ "تو ام المومنین نے فرمایا" وہ پڑھیں یا نہ پڑھیں میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پوری رات قیام کرتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم "سورہ بقرہ" سورہ آل عمران اور سورہ نساء پڑھتے تھے مگر اس طرح کہ جہاں کوئی بشارت کی آیت آتی تو دعا کرتے اور اس میں رغبت ظاہر کرتے اور اگر خوف کی آیت گزرتی تو دعا کرتے اور پناہ مانگتے تھے۔"

اس کے بعد وہ دور آیا جس میں لوگ دو راتوں میں ایک قرآن پاک ختم کرتے تھے ازاں بعد لوگوں کا تین رات میں ایک قرآن مکمل ختم کرنے کا معمول رہا اور یہ عمدہ اور خوبصورت طریقہ ہے۔

بہت سی جماعتوں نے تین راتوں سے کم میں قرآن پاک ختم کرنا مکروہ قرار دیا ہے اور ان حضرات نے ترمذی اور ابوداؤد کی اس حدیث سے دلیل پکڑی ہے جسے ان دونوں اماموں نے صحیح قرار دیتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے مرفوعا" روایت کیا ہے عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں "لا یفقه من قراۃ القر آن فی اقل من ثلاث".

جو شخص تین دن سے کم میں قرآن پڑھ لیتا ہے وہ اس میں سمجھ اور فقاہت حاصل نہیں کر سکتا"

ابن ابوداؤد اور سعید بن منصور ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے موقوفاً" روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ " لا تقرء القرآن فی اقل من ثلاث" "قرآن تین دن سے کم میں نہ پڑھو"

ابوعبید حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں حضرت معاذ "تین دن سے کم میں قرآن کا پڑھنا مکروہ قرار دیتے تھے"

احمد اور ابو عبید نے سعید بن المنذر سے (ان سے صرف یہی ایک حدیث مروی ہے) روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آیا میں تین دن میں ایک پورا قرآن پڑھ لوں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں اگر تو اتنی طاقت رکھتا ہے"

اور پھر اس درجہ کے لوگ بھی تھے جو چار' پانچ' چھ اور سات دن میں ایک ختم کیا کرتے تھے اور یہ طریقہ متوسط اور زیادہ خوبصورت ہے اکثر صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین کا یہی معمول رہا

امام بخاری اور مسلم نے عبداللہ بن عمرو سے روایت کی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ ایک مہینے میں قرآن کا ایک ختم کیا کرو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں آپ نے فرمایا "تو دس دن میں پڑھ لیا کرو" میں نے پھر عرض کیا مجھ میں اس سے بھی زیادہ کی طاقت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تو پھر سات دن میں ایک قرآن ختم کیا کرنا اور اس سے زیادہ نہ پڑھنا"

ابوعبید اور دیگر محدثین نے واسع بن حبان کی طریق پر قیس بن ابی صعصعہ سے (اور اس کا صرف یہی راوی ہے) روایت کی ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں کتنے دنوں میں ایک قرآن ختم کیا کروں؟ آپ نے فرمایا پندرہ دن میں" ابن ابی صعصعہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا میں اس سے زیادہ پڑھنے کی طاقت رکھتا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر اسے ایک جمعہ (یعنی سات دن) میں پڑھ لیا کرو"

اس کے بعد آٹھ دن پھر دس دن پھر ایک ماہ اور پھر دو ماہ میں ختم کرنے والوں کا دور ہے ابن ابی داؤد نے حضرت مکحول سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا ہے کہ "صحابہ کرام میں زیادہ پڑھنے والے بھی قرآن کو سات دن میں ختم کرتے تھے اور بعد ایک مہینے میں بعض دو مہینوں میں اور بعض اس سے بھی زیادہ وقت میں ختم کرتے تھے" ابو اللیث نے البستان میں کہا ہے کہ وہ زیادہ نہیں تو ایک سال میں قاری کو دو مرتبہ قرآن پاک ختم کرنا چاہئے"

اور حسن بن زیاد نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کا یہ قول مبارک نقل کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ "جو شخص سال بھر میں دو مرتبہ قرآن پاک ختم کریگا وہ اس کا حق ادا کر دے گا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جس سال وصال ہوا اس میں دو مرتبہ جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ قرآن مجید کا دور فرمایا تھا"

امام نووی شافعی رحمتہ اللہ علیہ "اپنی کتاب الاذکار" میں لکھتے ہیں۔ مختار مذہب یہ ہے ختم قرآن کی مدت لوگوں کے حالات کے اعتبار سے مختلف ہے چنانچہ جن لوگوں پر دقت نظری سے اور خوب غور و فکر کر کے پڑھنے سے قرآن کا لطائف اور علوم و معارف عیاں اور منکشف ہوتے ہوں ان کو اتنی مقدار ہی قرآن پاک پڑھنا چاہئے جس سے تلاوت شدہ حصہ کو خوب سمجھ سکنا ممکن ہو۔

اسی طرح جو لوگ علم دین کی اشاعت' مقدمات کے فیصلوں یا اسی نوعیت کے اہم ترین دینی مشاغل میں مصروف اور عام دنیاوی دہندوں میں مشغول رہتے ہیں ان کے لئے اتنا قدر تلاوت کر لینا کافی ہے جو ان کے فرائض منصبی اور مصروفیات میں مخل نہ ہو اور جن لوگوں کو فرصت کے لمحات میسر ہوں اور دنیا کے جھمیلوں سے فارغ البال ہوں انہیں جس قدر ممکن ہو اتنی تلاوت کریں مگر یہ خیال رہے کہ پھر بھی اسی حد تک کہ جس سے تھکاوٹ ہو اور نہ زبان میں پڑھتے ہوئے کسی قسم کی رکاوٹ پیدا ہونے لگے۔"

قرآن مجید کی تلاوت کے آداب

○ قرآن پاک پڑھنے کے لئے وضو کرنا مستحب ہے کیونکہ وہ بہترین ذکر ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناپاکی کی حالت میں اللہ تعالی کا ذکر کرنا ناپسند فرماتے تھے۔

○ قرآن مجید پاک صاف جگہ میں پڑھنا مسنون ہے۔ اور اس کے لئے سب سے بہتر جگہ مسجد ہے۔ بہت سے علماء نے حمام اور راستوں میں قرآن پاک پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔

○ تلاوت کے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنا' سر جھکا کر سکون اور خشوع و خضوع سے بیٹھنا مسنون ہے۔

○ تعظیم قرآن اور منہ کی صفائی اور پاکی کے ارادہ سے مسواک کرنا بھی سنت ہے۔ ابن ماجہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکرم سے موقوفاً" اور بزاز نے بھی انہی سے جید سند کے ساتھ مرفوعاً" روایت کیا ہے۔

"ان افواھکم طرق للقر آن فطیبوھا بالسواک" تمہارے منہ قرآن کی گزر گاہیں ہیں "لہٰذا ان راستوں کو مسواک کے ذریعے صاف ستھرے کر کے رکھا کرو۔"

○ جب قرآن پڑھنے کا ارادہ کرو تو تلاوت کے شروع میں اعوذ باللہ پڑھنا سنت ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے "فاذا قرات القر آن ان فاستعذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم" یعنی جب تم قرات قرآن کا ارادہ کرو تو اعوذ باللہ" پڑھو

امام نووی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

○ اعوذ باللہ کے بارے میں صفت مختار "اعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم" بیان کی گئی ہے

○ اور سلف صالحین کی ایک جماعت سے "السمیع العلیم" کا اضافہ بھی منقول ہے

○ حمید بن قیس سے "اعوذ باللّٰہ الغادر من الشیطن الفادر" کا قول مروی

ہے

○ ابو السمال سے اعوذ باللہ القوی من الشیطن الغوی" منقول ہے بعض کا قول ہے اعوذ باللّٰہ العظیم من الشیطن الرحیم اور بعض دوسروں سے اعوذ بالله من الشیطن الرجیم انه هوالسمیع العلیم منقول ہے تعوذ میں اس طرح کے اور اقوال بھی وارد ہیں۔

حلوانی اپنی کتاب الجامع میں لکھتے ہیں

"استعاذہ" کی کوئی ایسی حد نہیں ہے جس سے تجاوز کرنا ممنوع ہو جس کا دل چاہے اس میں کمی یا زیادتی کرسکتا ہے۔

○ اس بات کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ "سورہ براۃ کو چھوڑ کر ہر سورہ کے شروع میں بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم" پڑھے' اور بسم اللہ کا پڑھنا اس لئے لازم ہے۔ کہ اکثر علماء کے نزدیک یہ مستقل آیت ہے لہٰذا اگر وہ سورت میں داخل سمجھی جائے گی تو اس کا تارک علماء کے نزدیک ختم قرآن میں سے ایک حصہ کا تارک ہو جائے ورنہ بصورت دیگر اگر وہ بسم اللہ کو سورت کے وسط میں بھی پڑھ لے گا تو بھی مناسب ہو گا جیسا کہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اس بات پر صاد کیا ہے۔

○ قرآن پاک "ترتیل" سے پڑھنا سنت ہے اللہ تعالی کا ارشاد ہے "ورتل القرآن ترتیلا" قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھو سورہ المزمل آیت نمبر 4 ابوداؤد اور دوسرے محدثین نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرات کی صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوب واضح طور پر حرف حرف نمایاں کر کے قرات کرتے تھے۔

امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی ہے کہ ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرات کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرات آواز کھینچ کر فرماتے تھے۔ پھر انہوں نے بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم پڑھ کر سنائی اور اللہ ، الرحمن' اور الرحیم سب کو

آواز کی کشش کے ساتھ پڑھا۔

○ صحیح بخاری اور مسلم میں ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ان سے کسی شخص نے کہا "میں مفصل قرآن کو ایک ہی رکعت میں پڑھا کرتا ہوں"

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جیسے شعروں کو جلد جلد پڑھتے ہیں؟ بے شک بعض لوگ ایسے ہیں جو قرآن کو پڑھتے ضرور ہیں مگر وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترتا۔ کاش اگر قرآن دل میں اترتا تو اس میں جاگزین ہو جاتا اور نفع بھی دیتا

آجری حملۃ القرآن میں لکھتے ہیں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا نہ تم اسے بادبان کشتی کی طرح پھیلاؤ اور نہ اشعار کی طرح سمیٹو، اس کے عجائب پر رک کر سوچو، اور دلوں کو جھنجھوڑو اور آخر سورت تک پہنچنے کی فکر نہ کرو اسی راوی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً" روایت کی ہے کہ "قرآن مجید پڑھنے والے سے قیامت کے دن کہا جائے گا پڑھتا جا چڑھتا جا اور جس طرح دنیا میں ترتیل سے پڑھتا تھا اسی طرح یہاں بھی ٹھہر ٹھہر کر پڑھ بے شک بہشت میں تیری منزل وہاں ہوگی جس جگہ تو آخری آیت کی قرات کریگا۔

آجری کی شرح مہذب میں ہے کہ " علماء نے لکھا ہے کہ زیادہ تیزی سے قرآن مجید پڑھنا بالاتفاق مکروہ ہے نیز علماء فرماتے ہیں کہ ایک پارہ ترتیل کے ساتھ پڑھنا اتنے ہی وقت میں دو پارے بغیر ترتیل کے پڑھ لینے سے افضل ہے علماء کا یہ بھی قول ہے کہ ترتیب کے ساتھ قرآن پڑھنا اس وجہ سے مستحب ہے کہ اس سے قرآن پڑھنے والے کو غور و فکر کرنے کا موقع ملتا ہے علاوہ ازیں ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا عظمت اور توقیر کی علامت ہے اور اس سے دل میں اثر بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا ترتیل کے ساتھ تھوڑی مقدار پڑھنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے یا تیز تیز زیادہ مقدار پڑھنا افضل ہے۔؟

ہمارے علماء نے اس کا بہت خوبصورت جواب دیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ترتیل کے ساتھ قرات کا ثواب درجہ کے اعتبار سے زیادہ ہے اور زیادہ مقدار پڑھنے کا ثواب تعداد میں زیادہ ہے کیونکہ ہر حرف کے بدلے میں دس نیکیاں ملتی ہیں۔

زرکشی کی کتاب البرہان میں لکھا ہے

ترتیل کا کمال یہ ہے کہ اس کے الفاظ پر کر کے ادا کئے جائیں اور ایک حرف کو دوسرے سے جدا کر کے پڑھا جائے اور کسی حرف کو دوسرے میں داخل نہ کیا جائے۔

بعض نے کہا ہے کہ " یہ تو ترتیل کا ادنی درجہ ہے اس کا اعلی درجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی قرات اس کے مقامات نزول کے لحاظ سے کی جائے' یعنی جس مقام پر دھمکی دی گئی ہے اور خوف دلایا گیا ہے وہاں اسی طرح کی آواز پیدا کی جائے اور جس جگہ تعظیم کا موقع ہے -وہاں پڑھنے والے کے لب و لہجہ سے عظمت و جلالت کا انداز مترشح ہو۔"

○ قرآن پاک پڑھتے وقت اس کے معانی میں تدبر کرنا اور اس کے مطالب کو سمجھنے کی کوشش کرنا بھی سنت ہے کیونکہ قرآن پڑھنے کا مقصد عظیم اور اہم ترین مطلوب اس کے مفہوم کو سمجھنا اسی سے شرح صدور ہوتا ہے اور قلوب میں نور پیدا ہوتا ہے۔

اللہ تعالی فرماتا ہے "کتاب انزلناہ الیک مبارک لیدبروا ایاتہ" ترجمہ سورۃ ص آیت نمبر 29 (یہ قرآن) برکت والی کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل فرمائی تاکہ وہ اس کی آیتوں میں غور کریں دوسری آیت میں فرمایا"افلا یتدبرون القرآن" پس کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے" سورہ النساء آیت نمبر 82

تدبر کا مطلب یہ ہے کہ جو الفاظ تلاوت کر رہا ہے ان کے معانی میں دل سے غور و فکر کرے اور ہر آیت کے معنی کو سمجھ کر گزرے قرآن کے اوامر و نواہی میں تامل کرے اور اس بات پر یقین رکھے کہ یہ تمام احکام قابل تسلیم ہیں نیز گذشتہ زمانے میں جو کوتاہی ہو گئی ہو اس سے معذرت کرتے ہوئے بخشش مانگے' کسی رحمت کی آیت پر سے گزر ہو تو خوش ہو اور سوال و دعا کرے اور عذاب کی آیت آئے تو ڈرے اور پناہ

مانگے اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ کا ذکر آئے تو اس کی عظمت اور تقدس کو بیان کرے اور دعا کا مقام آئے تو عاجزی کے ساتھ اپنی حاجات اللہ کی بارگاہ میں پیش کرے اور اس سے مراد طلب کرے۔

امام مسلم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی آپ نے "سورہ بقرہ" شروع فرمائی اور پوری پڑھ لی' پھر "آل عمران" شروع کی اور پوری پڑھ لی پھر سورہ النساء شروع کی اور ختم کی آپ ترتیل کے ساتھ پڑھتے تھے جب کسی ایسی آیت پر پہنچتے جس میں تسبیح باری تعالیٰ کا ذکر ہوتا تو سبحان اللہ کہتے "سوال و دعا" والی آیت آتی تو دعا مانگتے' اور تعوذ کی آیت آتی تو خدا کی پناہ میں آنے کی دعا کرتے"

تدبر کی ایک صورت یہ ہے کہ قرآن پڑھنے والا اس کے حسب تقاضا اس کی نداء کا جواب دے اس بات کی طرف حدیث میں بھی اشارہ ہے جیسا کہ ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے "کہ جو شخص سورہ والتین والزیتون" آخر تک پڑھے تو اسے اختتام سورت پر کہنا چاہئے بلی وانا علی ذالک من الشاہدین اور جو شخص سورہ لا اقسم بیوم القیامہ کو پڑھے اور آخر یعنی الیس ذلک بقادر علی ان یحی الموتی" تک پڑھے تو وہ کہے "بلی" (یعنی کیوں نہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ مردوں کو جلانے پر قادر ہے) اور جو شخص "سورہ والمرسلات" کو "فبای حدیث بعدہ یومنون" تک پڑھے تو اس آیت پر پہنچ کر کہے" امنا باللّٰہ یعنی ہم اللہ پر ایمان لائے"

امام احمد اور ابوداؤد حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ "حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سورہ سبح اسم ربک الاعلی "کی قرات کرتے تو فرماتے تھے" سبحان ربی الاعلی"

امام ترمذی اور حاکم حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ "ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ساتھ تشریف لے گئے

اور ان کو سورہ "الرحمن" از اول تا آخر پوری پڑھ کر سنائی صحابہ کرام سن کر چپ رہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خاموشی کو دیکھ کر فرمایا میں نے یہی سورت جب جنات کی قوم کے سامنے تلاوت کی تو انہوں نے اس کا تمہاری بہ نسبت بہت اچھا جواب دیا تھا جب بھی میں آیت مبارکہ "فبای الاء ربکما تکذبان" پر پہنچتا تو جن جواب میں کہتے "ولا بشئی من نعمک ربنا تکذب فلک الحمد" اے ہمارے رب کریم! ہم تیری نعمتوں میں سے کسی نعمت کی تکذیب نہیں کر سکتے تیرا شکر ہے سب تعریفیں تجھ ہی کو زیب ہیں۔

ابن مردویہ، دیلمی اور ابن ابی الدنیا نے کتاب الدعاء میں ایک نہایت ضعیف سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت مبارکہ "واذ سالک عبادی عنی فانی قریب" پڑھی اور اس کے بعد اللہ کی جناب میں عرض کیا" اللھم امرت بالدعاء وتکفلت بالا جابہ لبیک اللھم لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لا شریک لک اشھد انک فرد احد صمد لم تلد ولم تولد ولم یکن لک کفوا احد واشھد ان وعدک حق ولقائک حق والجنہ حق والنار حق والساعہ اتیۃ لاریب فیھا وانک تبعث من فی القبور"

اے میرے اللہ! تو نے دعا کرنے کا امر دیا اور اپنے ذمہ کرم پر لیا کہ اس کو قبول فرمائے گا، میں حاضر ہوں اے اللہ! میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں بے شک نعمت اور شکر تیرے لئے ہے اور تیری ہی بادشاہی ہے تیرا کوئی ساجھی نہیں میں شہادت دیتا ہوں کہ تو ایک ہے تو نہ کسی کا والد ہے اور نہ بیٹا اور کوئی تیرا ہمسر نہیں ہے میں شہادت دیتا ہوں کہ تیرا وعدہ سچا ہے، جنت اور دوزخ حق ہیں اور قیامت آنے والی ہے۔ اور اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے تو ضرور قبروں سے مردوں کو زندہ فرما کر اٹھائے گا ابوداؤد اور دوسرے محدثین وائل بن حجر سے حدیث نقل کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا ہے کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا آپ نے

پڑھا "ولا الضالین" اور اس کے بعد آپ نے کشش صوت کے ساتھ "آمین" فرمایا اور قرآن کی نداء کا جواب دینے کے یہی معنی ہیں۔

طبرانی کی روایت میں قال امین ثلاث مرات کے الفاظ ہیں یعنی آپ نے تین مرتبہ آمین فرمایا

اور امام بیہقی سے یہی حدیث "قال رب اغفرلی آمین" کے الفاظ کے ساتھ مروی ہے

علامہ نووی شافعی رحمتہ اللہ فرماتے ہیں

تلاوت قرآن کے آداب سے ایک بات یہ بھی ہے کہ جب آیت مبارکہ "وقالت الیهود عزیرن ابن الله" اور آیت "وقالت الیهود یداللّٰہ مغلولہ" یا اس قسم کی دیگر آیات کی قرات کرے تو قاری کو چاہئے کہ اپنی آواز پست اور آہستہ کرے چنانچہ امام نخعی رحمتہ اللہ ایسے موقع پر ایسا ہی کرتے تھے۔

○ تلاوت قرآن مجید کے وقت (مناسب جگہ) رونا مستحب ہے، اور جس شخص کو رونا نہ آئے تو زبردستی رونی صورت بنالے سوزوگداز اور حزن و ملال کا اظہار بھی ٹھیک ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے "ویخرجون للاذقان یبکون" اور وہ گریہ کناں منہ کے بل گر پڑتے ہیں۔

صحیح بخاری اور مسلم میں یہ حدیث ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قرات کی تو آپ کی دونوں چشمہائے مبارک اشک بار ہو گئیں"

○ امام بیہقی نے اپنی کتاب "شعب الایمان" میں حضرت سعد بن مالک سے مرفوعاً" حدیث نقل کی ہے کہ "بے شک یہ قرآن پاک رنج اور غم کے ساتھ نازل ہوا ہے اس لئے جب تم اس کی تلاوت کرو تو گریہ زاری کرو اور اگر یہ طاری نہ ہو تو گریہ کناں سی صورت بنالو اور اسی کتاب میں عبدالملک بن عمیر سے یہ حدیث مرسلاً" روایت کی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہارے سامنے ایک سورت کی

تلاوت کرتا ہوں جو شخص اسے سن کر روئے گا اس کے لئے جنت ہے اگر تم کو رونا نہ آئے تو بتکلف رونی شکل بنالو۔

○ مسند "ابی یعلی" میں یہ حدیث ہے کہ "تم قرآن پڑھتے ہوئے غمگین ہو جایا کرو کیونکہ قرآن حزن و غم کے ساتھ نازل ہوا ہے۔

○ طبرانی کی روایت ہے کہ "حسن قرات" یہ ہے کہ قاری قرات دردناک اور غمناک لہجہ میں کرے۔

○ شرح مہذب میں کہا گیا کہ "رونے کی قدرت حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ تہدید (دھمکی) وعید شدید (عذاب کی خبر) اور عہد و میثاق والی آیات کی تلاوت کرتے وقت ان میں غور و فکر کرے اور سوچے کہ مجھ سے کہاں کہاں کوتاہی ہوئی ہے اور اگر ان تہدیدات دھمکیوں اور اخبار عذاب پر بھی اسے رونا نہیں آتا تو پھر اس کو اپنی اس سنگدلی اور بدبختی پر پھوٹ پڑنا چاہئے کہ میں تو پتھر سے بھی گیا گزرا انسان ہوں واقعی یہ بڑی مصیبت ہے کہ انسان اور رونا نہ آئے!

○ خوبصورت آواز سے قرآن پڑھنا سنت ہے۔ قرات قرآن میں تحسین صوت اور لہجہ کی تزیین و آراستگی پر دلیل کے طور پر یہ حدیث پیش کرنا کافی ہے جسے ابن حبان اور دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ "زینوا القرآن باصواتکم" "اپنی آواز سے قرآن کو زینت دو" سنن دارمی میں یہ روایت بالفاظ (حسنوا القرآن باصواتکم) مروی ہے قرآن کو اپنی آواز سے حسن بخشو! کیونکہ خوبصورت آواز سے قرآن کا حسن دو چند ہو جاتا ہے فان الصوت الحسن یزید القرآن حسنا بزار وغیرہ نے حدیث "حسن الصوت زینہ القرآن" کے الفاظ میں روایت کی ہے اس کے متعلق اور بھی بکثرت احادیث صحیحہ وارد ہوئی ہیں۔

اور اگر کوئی شخص خوش آواز نہ ہو تو جس قدر ہو سکے آواز میں خوش الحانی پیدا کرنے کی سعی کرے مگر اس حد تک نہ جائے کہ گاتا نغمہ سرائی کرتا ہوا معلوم ہو خوش الحان طریقے پر قرآن پڑھنے کے متعلق ایک حدیث میں یوں آیا ہے ترجمہ "

تم لوگ قرآن کو عرب کے لہجوں اور ان کی آوازوں میں پڑھا کرو اور اہل کتاب (یہود ونصاری) اور فاسقوں کے لہجہ سے پرہیز کرو اور عنقریب زمانہ میں بہت سے لوگ ایسے ظاہر ہونگے جو قرآن کو راہبوں اور گویوں کی مانند پڑھیں گے اور قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا ان کے دل خوش فہمی میں مبتلا ہونگے اس طرح ان لوگوں کے دل بھی جو ان کی حالت پر خوش ہوئے ہونگے وہ بھی دھوکا میں مبتلا ہونگے(طبرانی و بیہقی)

علامہ نووبی فرماتے ہیں

حدیث صحیح کی رو سے خوش آواز قاری سے قرات کی درخواست کرنا اور اسے دھیان سے سننا مستحب ہے ایک جماعت کا قرات میں اجتماع اور دور کے ساتھ قرات کرنا ان دونوں باتوں میں کوئی مضائقہ نہیں دور یہ ہے کہ کچھ لوگ ایک حصہ پڑھ لیں پھر دوسرے بعض لوگ باقی کچھ حصہ کی قرات کرلیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

○ قرآن پاک تفخیم کے ساتھ پڑھنا مستحب ہے اس کی دلیل حاکم کی یہ حدیث ہے کہ "نزل القر آن بالتفحیم" قرآن کا نزول تفخیم کے ساتھ ہوا ہے

حلیمی تفخیم کا مفہوم واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں

اس کا معنی یہ ہے کہ قرآن پاک مردوں کی طرح پڑھے اس میں عورتوں کے کلام ایسی لوچدار آواز نہ نکالے اور اس امر میں "امالہ" کی کراہت کا کوئی دخل نہیں جو کہ بعض قراء کا مختار ہے اور ممکن ہے قرآن کا نزول تعخیم ہی کے ساتھ ہوا ہو اور بعد میں اس بات کی رخصت دے دی گئی ہو کہ جس لفظ کا امالہ کرنا قرات میں اچھا ہو اس کا امالہ کرلیں۔

اونچی آواز سے قرات کرنے کا بیان

ایسی احادیث بکثرت آئی ہیں جو اس امر کی متقاضی ہیں کہ قرات بلند آواز سے کرنا مستحب ہے' اور دوسری طرف بعض حدیثوں سے آہستہ آواز میں قرائت کرنے کا

استجاب ثابت ہوتا ہے۔

پہلے امر کے متعلق صحیح بخاری اور مسلم کی یہ حدیث ہے اللہ تعالیٰ کسی شے کو اسی طرح نہیں سنتا جس طرح خوش آواز نبی کے خوش الحانی کے ساتھ بلند آواز میں قرآن پڑھنے کو سنتا ہے دوسرے امر کے متعلق ابوداؤد' ترمذی اور نسائی کی یہ حدیث بطور دلیل پیش کی جاتی ہے کہ بلند آواز میں قرآن پڑھنے والا علانیہ صدقہ دینے والے کی مثل ہے اور آہستہ قرات کرنے والا پوشیدہ طور پر صدقہ کرنے والے کی طرح ہے۔

امام نووی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مذکورہ بالا ان دو حدیثوں میں تطبیق یوں ممکن ہے جس جگہ ریاکاری کااندیشہ ہو وہاں آہستہ قرات کرنا افضل ہے یا بلند آواز میں پڑھنے سے نمازیوں یا سونے والوں کو اذیت پہنچتی ہو تو وہاں آہستہ پڑھنا بہتر ہے۔

اور جہر بلند سے پڑھنا اس کے علاوہ صورتوں میں ہے کیونکہ عمل اسی میں زیادہ ہے اور اس لئے بھی کہ اس کافائدہ سامعین کو بھی ہوتا ہے پھر خود قاری کا قلب بھی بیدار ہوتا ہے اور فکر کے لئے اس کی توجہ جمع رہتی ہے اور اسے اپنی قرات سننے کی مصروفیت نیند نہیں آنے دیتی اور اس کی چستی بڑھتی رہتی ہے۔ ان دونوں حدیثوں کو جمع کرنے اور ان کے مابین تطبیق دینے کے عمل کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو ابوداؤد نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں اعتکاف کی حالت میں تھے کہ آپ نے کچھ لوگوں کو بلند آواز میں قرات کرتے سنا اس پر آپ نے پردہ اٹھا کر ارشاد فرمایا سنو! تم میں سے ہر آدمی اپنے رب سے مناجات کرنے والا ہے۔ لہٰذا ایک دوسرے کو اذیت نہ دو' اور قرات میں اپنی آوازیں اونچی نہ کرو"

○بعض علماء کا قول ہے کہ مستحب طریقہ یہ ہے کہ کچھ قرآن پاک کا حصہ آہستہ اور کچھ حصہ بلند آواز سے پڑھ لیا جائے اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ آہستہ پڑھنے والا بعض اوقات پریشان ہو جاتا ہے اور وہ بلند آواز سے پڑھنا پسند کرتا ہے اسی طرح بلند آواز میں پڑھنے والا جب اکتاہٹ محسوس کرتا ہے تو وہ چاہتا ہے راحت حاصل کرے اور اس

طرح پڑھنے کی کیفیت بدل کر آرام حاصل کیا جا سکتا ہے۔

مصحف میں دیکھ کر پڑھنے کا بیان

حفظ کی بنا پر زبانی پڑھنے کی نسبت قرآن پاک میں سے دیکھ کر پڑھنا افضل ہے کیونکہ قرآن پاک کا دیکھنا بھی ایک عبادت مقصودہ ہے۔

امام نووی شافعی فرماتے ہیں۔

ہمارے اصحاب (شوافع) کا یہی قول ہے اور سلف صالحین بھی یہی کہتے تھے میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے بھی اس بارے میں اختلاف کیا ہو' علامہ نووی کہتے ہیں اور اگر یوں کہا جاتا تو زیادہ اچھا ہوتا کہ اس بارے میں لوگوں کے مختلف ہونے کی وجہ مختلف حکم ہیں۔ جس شخص کا خشوع اور تدبر مصحف میں دیکھ کر پڑھنے کی حالت میں اور حفظ کی بناء پر زبانی پڑھنے کی حالت میں دونوں طرح سے یکساں رہتا ہے۔ اس کے لئے قرآن پاک سے دیکھ کر پڑھنا افضل ہے۔

اور جس شخص کے خشوع و خضوع میں زبانی پڑھنے میں دیکھ کر پڑھنے کی بہ نسبت زیادتی اور اضافہ ہوتا ہے اس کے لئے زبانی پڑھنا ہی افضل ہے اور تطبیق کا یہ طریقہ بہت اچھا ہے'

علامہ سیوطی رحمتہ اللہ فرماتے ہیں

مصحف میں دیکھ کر پڑھنے کا ثواب زیادہ ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو طبرانی اور امام بیہقی نے "شعب الایمان" میں اوس الثقفی سے مرفوعا" نقل کیا ہے کہ "زبانی پڑھنے کا ثواب ایک ہزار درجے اور قرآن پاک میں دیکھ کر قرات کرنے کا اجروثواب دو ہزار درجے ہیں"

ابو عبید نے ایک کمزور سند کے ساتھ روایت بیان کی ہے کہ "مصحف میں دیکھ کر قرآن کے پڑھنے کو زبانی قرآن پڑھنے پر ہی فضیلت حاصل ہے جو فرض کو نفل پر ہوتی ہے امام بیہقی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے مرفوعا" روایت کی ہے کہ

من سرہ ان یحب اللہ ورسولہ فلیقراء فی المصحف جس شخص کا دل اللہ اور رسول کی محبت سے خوش ہوتا ہے اس کو چاہئے کہ دیکھ کر قرآن پڑھے بیہقی نے کہا کہ یہ حدیث منکر ہے"

پھر بیہقی ہی نے ایک حسن سند کے ساتھ انہی سے موقوفاً" روایت بیان کی ہے" ادیموالنظر فی المصحف"ہمیشہ مصحف میں دیکھ کر پڑھا کرو

○ اور آداب قرات میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ جب قاری پڑھتے پڑھتے گھبرا کر بھول جائے اور اس کو سمجھ نہ آرہی ہو کہ اس کے بعد کونسی آیت پڑھنی ہے پھر وہ اس مقام کے بارے میں کسی دوسرے شخص سے پوچھے تو اس شخص کو ادب سے بتانا چاہے کیونکہ ابن مسعود، نخعی اور بشیر بن ابی مسعود سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ" جب تم میں سے ایک شخص ایک اپنے بھائی سے کسی آیت کے متعلق سوال کرے تو اس کو چاہئے کہ اس سے پہلے والی آیت پڑھ کر چپ ہو جائے اور یہ نہ کہے کہ فلاں فلاں آیت کیسے ہیں؟ کیونکہ اس طرح کہنے سے اس کو اشتباہ لگے گا۔

○ قرات کے آداب میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ ترتیب کے مطابق قرآن کو پڑھا جائے شرح المھذب میں یہ قول ہے کہ" مصحف کی موجودہ ترتیب حکمت پر مبنی ہے لہٰذا اس ترتیب کا لحاظ رکھنا چاہئے اور سوائے ان حالتوں کو جو شرعاً" ثابت ہیں کسی صورت میں بھی ترتیب کو چھوڑنا درست نہ ہو گا جیسے مثلاً" جمعہ کہ دن فجر کی نماز میں سورہ الم تنزیل اور سورہ ھل اتی پڑھنا اور اس طرح کی اور بھی مثالیں ہیں اس لئے کہ اگر سورتوں میں تفریق کر دی جائے یا ان کو برعکس پڑھا جائے تو یہ جائز تو بیشک ہے مگر افضل صورت کا ترک لازم آتا ہے۔

نیز لکھتے ہیں کہ" رہی یہ بات کہ ایک ہی سورت کو آخر کی جانب سے اول کی طرف الٹا پڑھنا تو یہ بالاتفاق سب کے نزدیک ممنوع ہے کیونکہ اس انداز پر پڑھنے سے قرآن حکیم کا اعجاز اور ترتیب آیات کا فلسفہ عنقا ہو جاتا ہے۔

صاحب شرح المھذب فرماتے ہیں میں کہتا ہوں کہ اس کے متعلق ایک"اثر" بھی

وارد ہے جس کو علامہ طبرانی نے "سند جید" کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے انه عن رجل یقراء القران منکوسا قال ذاک منکوس القلب حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے ایک ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو قرآن پاک کو ترتیب کے خلاف الٹی طرف کو پڑھتا ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ اس شخص کا قلب بھک گیا ہے کہ بیک کو جاتا ہے (یعنی وہ دل کا اندھا ہے کہ اوندھا چلتا ہے۔)

○ اور ایک سورت کو دوسری سورت کے ساتھ مخلوط کر کے پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ تو اس کے بارے میں حلیمی کا قول یہ ہے کہ ادب یہی ہے کہ اس انداز کو ترک کر دے، اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ابو عبید نے حضرت سعید بن المسیت سے روایت کیا ہے کہ "ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس سے ہوا اس وقت حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ اس طرح قرات کر رہے تھے کہ کچھ اس سورت سے لے لئے تھے اور کچھ دوسری سورت سے' اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا۔

○ اے بلال! میں گزرتے ہوئے تمہیں ایک سورت کے حصہ کو دوسری سورت کے حصہ سے مخلوط کر کے قرات کرتے ہوئے سنا تھا بلال نے عرض کی یا رسول اللہ! میں ایک پاکیزہ چیز کو پاکیزہ چیز کے ساتھ ملاتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اقراء السوره علی وجها او قال علی نحوها) یہ حدیث مرسل اور صحیح ہے ابوداؤد کے نزدیک یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے سوائے آخری حصہ کے موصول حدیث ہے۔

○ ابو عبید نے اس حدیث کی تخریج ایک اور طریقہ پر عفرہ کے مولی عمر سے بھی کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال سے فرمایا "جب تم کوئی سورہ پڑھو تو اسے مکمل کر کے آگے گزرا کرو" ابو عبید ہی کہتے ہیں کہ ہم سے معاذ نے ابن عون کے واسطہ سے حدیث بیان کی۔ ابن عون کہتے ہیں کہ میں نے "ابن سیرین سے اس

شخص کے متعلق پوچھا جو ایک سورہ سے دو آیتیں پڑھ کر اس کو چھوڑ دے اور پھر دوسری سورت پڑھنا شروع کر دے!

تو ابن سیرین نے جواب دیا کہ "تم میں سے ہر ایک شخص کو لاشعوری طور پر بھی اس قسم کے بڑے گناہ سے بچنا چاہیے۔

○ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا "جب تم کوئی سورہ پڑھنا شروع کرو پھر اس کو چھوڑ کر کسی دوسری سورت کی طرف منتقل ہونے کا ارادہ ہو تو سورہ قل ھواللہ احد کی طرف پھر جاؤ اور جب سورہ اخلاص ہی کو شروع کرو تو پھر اس کو مکمل کئے بغیر کسی اور سورت کو شروع نہ کرو

○ ابن ابی الھذیل سے یہ روایت کی ہے کہ ان کا قول ہے صحابہ کرام علیہم اجمعین

○ "اس بات کو ناپسند کرتے تھے کوئی شخص آیت کا بعض حصہ پڑھ کر باقی حصہ کو چھوڑ دے"

○ ابو عبید نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک مختلف آیات کی قرات کے مکروہ اور ناپسند ہونے کا امر اسی طرح ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال پر ایسا کرنے سے انکار فرمایا اور ابن سیرین نے بھی اس کو ناپسند قرار دیا ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی مذکور بالا حدیث کی توجیہہ میرے نزدیک یہ ہو سکتی ہے کہ کسی شخص نے ایک سورت پڑھنا شروع کی اور اسے پورا کرنے کا ارادہ بھی کیا تھا لیکن درمیان میں ایک اور سورت کے پڑھنے کا خیال آگیا تو اس کے لئے یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ "سورہ قل ھواللہ احد" پڑھ لے

لیکن اگر کوئی شخص قرات شروع کرنے کے بعد ایک آیت سے دوسری آیت کی طرف پھر جانے کا ارادہ کرتا ہے اور قرآن پاک کی آیات کو ترک کرنے کا مرتکب ہوتا ہے تو ایسا عمل کسی بے علم شخص سے ہی متوقع ہو سکتا ہے کیونکہ اگر قرآن حکیم کی آیات کو ایک ترتیب پر نازل کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوتا تو اللہ تعالی قرآن کو اسی بے

ترتیبی کے انداز پر فرمادیتا ترتیب کالحاظ نہ فرماتا

○ حلیمی کا قول ہے کہ ہر ایسا حرف جس کو فن قرات کے امام قاری نے قرات میں ثابت کیا ہے اس کا پورا پورا حق ادا کرنا مسنون ہے تاکہ قرائت کرنے والا اس چیز کو جو قرآن ہونے میں شامل تصور ہوتی ہے اس کا ادا کرنے والا قرار پا سکے

ابن الصلاح اور نووی رحمہا اللہ تعالی کا بیان ہے جب قرآن پاک پڑھنے والا مشہور قراء میں سے کسی ایک کی قرات شروع کرے تو اس کو چاہئے کہ جب تک کلام کا ارتباط قائم رہے اس وقت تک برابر وہی ایک قرات پڑھتا جائے اور جب ارتباط کلام ختم ہو جائے تو پھر پڑھنے والے کو اختیار ہے کہ اگر وہ چاہے تو دوسری قرائت شروع کر دے لیکن افضل یہی ہے کہ جب تک اسی مجلس میں سے پہلی قرات پھر ہی مداومت کرے۔

○ جب قرآن کی تلاوت ہو رہی ہو تو مسنون طریقہ یہ ہے کہ دھیان سے قرآن کو سنے اور اس دوران شوروغوغا اور گفتگو نہ کرے اللہ تعالی کا ارشاد ہے "واذا قری القرآن فاستمعواله وانصتوا لعلکم ترحمون" جب قرآن پڑھا جائے تو غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے

○ آیت سجدہ کی قرات کے وقت سجدہ کرنا سنت ہے۔

علامہ نووی شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قرآن پاک پڑھنے کے لئے مختار اوقات میں سے سب سے بہتر اوقات وہ ہیں جو نماز کے لئے ہوتے ہیں پھر رات کا وقت پھر صبح کا پہلا پہر موزون اور مغرب وعشاء کے درمیان وقت قرات بہت پسندیدہ اور دن میں افضل وقت صبح کے بعد کا وقت ہے ویسے تو قرآن کی تلاوت کسی وقت بھی مکروہ نہیں ہوتی،

باقی ابن ابی داؤد کا وہ قول جو انہوں نے معاذ بن رفاعہ کے واسطہ سے ان کے مشائخ سے نقل کیا ہے کہ وہ لوگ نماز عصر کے بعد قرآن پڑھنے کو مکروہ جانتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس وقت پڑھنا یہود کا معمول رہا ہے تو یہ ایک غیر مقبول بات ہے اس کا

کوئی سر پیر نہیں ہے۔

○ قرات قرآن کے لئے سال کے دنوں میں سے عرفہ کا دن پھر جمعہ پھر پیر پھر جمعرات کا دن پسندیدہ دن ہیں۔

اور آخری دس دس دنوں میں سے رمضان المبارک کا آخری عشرہ اور ذوالحجہ کا پہلا عشرہ اور مہینوں میں سے رمضان المبارک کا مہینہ افضل اور مختار ہے۔

قرآن پڑھنے کی ابتداء کرنا جمعتہ المبارک کی شب اور ختم قرآن پاک کے لئے جمعرات کی شب بہتر ہے کیونکہ ابن ابی داؤد سے عثمان بن عفان رضی اللہ تعالی عنہ کا یہی معمول منقول ہے۔

ختم قرآن شریف دن یا رات کے اول حصہ میں افضل ہے' اس لئے کہ دارمی نے سند حسن کے ساتھ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا" اگر قرآن پاک کا ختم آغاز شب میں ہوتا ہے تو فرشتے قرآن ختم کرنے والے کے حق میں صبح تک دعاء رحمت کرتے رہتے ہیں اور اگر وہ دن کے اول حصہ میں ختم کرتا ہے تو شام تک فرشتے اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں

احیاء العلوم میں یہ قول بھی ہے کہ دن کے آغاز کا ختم القرآن فجر کی دو رکعتوں میں کیا جائے اور اول شب کا ختم قرآن نماز مغرب کی دو رکعت سنت میں کرنا بہتر ہے۔

○ ختم قرآن کے دن روزہ رکھنا مسنون ہے اس بات کو ابن ابی داؤد نے تابعین رضی اللہ تعالی عنہم کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے۔ ختم قرآن پاک میں اہل خانہ اور دوستوں کو شریک دعوت کرنا افضل ہے امام طبرانی نے حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ کی نسبت حدیث بیان کی ہے کہ ان کا معمول تھا کہ جب قرآن پاک ختم کرتے تو ختم شریف میں اپنے اہل قبیلہ کا اجتماع منعقد کرتے اور ان کے لئے دعا مانگتے تھے ابن ابی داؤد نے حکم بن عتبہ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا کہ مجھے مجاہد نے مدعو کیا میں گیا

تو ان کے پاس ابن ابی امامہ بھی تھے مجاہد اور ابن ابی امامہ دونوں نے مجھ سے کہا کہ ہم نے آپ کو اس لئے مدعو کیا ہے کہ آج ہمارے یہاں ختم قرآن پاک کا پروگرام ہو رہا ہے اور ختم قرآن کے وقت دعا قبول ہوتی ہے

مجاہد ہی سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ختم قرآن پاک کے موقع پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اجتماع کرتے تھے اور انہی کا قول ہے کہ ختم قرآن کے وقت اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔

○ سورہ الضحی سے آخر قرآن تک ہر سورہ کے ختم پر "تکبیر" کہنا مستحب ہے، اہل مکہ کے نزدیک قراہ قرآن کا اسی طرح معمول ہے

امام بیہقی نے کتاب شعب الایمان میں اور ابن خزیمہ نے ابن ابی بزہ کے طریق سے بیان کیا ہے کہ "میں نے عکرمہ بن سلیمان سے سنا وہ بیان کرتے تھے کہ میں نے اسمٰعیل بن عبداللہ المکی کے سامنے قرات کی جس وقت میں سورہ الضحی پر پہنچا تو انہوں نے کہا یہاں سے تکبیر کہو حتی کہ قرآن پاک ختم کرو" میں نے عبداللہ بن کثیر کے پاس قرات پڑھی تھی انہوں نے مجھے یہی، حکم دیا تھا اور فرمایا تھا کہ میں نے مجاہد سے قرات سیکھی تھی انہوں نے مجھے اسی طرح حکم دیا تھا اور مجاہد نے مجھے خبر دی ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس قرات کی تعلیم پائی تو ابن عباس نے انہیں اسی بات کی ہدایت کی تھی اور فرمایا تھا کہ میں نے ابی بن کعب رضی اللہ تعالی کے پاس قرات سیکھی تو انہوں نے مجھے اسی کا امر دیا تھا یہ حدیث ہم نے اسی طرح موقوفا" روایت کی ہے پھر اسی حدیث کو امام بیہقی نے دوسرے طریق پر ابن ابی بزہ ہی سے مرفوعا" بھی روایت کیا ہے اور اسی طریق پر (یعنی مرفوعا") حاکم نے مستدرک میں یہ حدیث بیان کی ہے اور اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اس حدیث کے بزی سے اور بھی بکثرت طرق منقول ہیں۔

موسی بن ہارون کا قول ہے انہوں نے کہا ہے کہ مجھ سے بزی نے یہ بیان کیا ہے کہ مجھ سے حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "اگر تو نے تکبیر کو چھوڑ دیا

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت کا چھوڑنے والا ہو گا"

حافظ عمادالدین ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حاکم کا یہ قول اس بات کا مقتضی ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

○ قرائت قرآن میں سنت یہ ہے کہ جب ایک ختم سے ہو تو اس کے ساتھ ہی دوسرا ختم شروع کر دے اس لئے کہ امام ترمذی اور دیگر محدثین نے یہ حدیث بیان کی ہے (لحب الاعمال الی اللہ الحال المرتحل الذی یضرب من اول القرآن الی اخرہ کلما حل ارتحل" جب کوئی شخص قرآن پاک کو اول سے آخر تک پڑھتا ہے اور جب اختتام کو پہنچتا ہے تو پھر دوبارہ اس کو شروع کر دیتا ہے ایسا طریقہ اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ پسند ہے۔

دارمی نے سند حسن کے ساتھ بواسطہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب "قل اعوذ برب الناس" پڑھ لیتے تو الحمد سے شروع فرما دیتے پھر اس کے بعد سورہ البقرہ سے بھی "اولئک ھم المفلحون" تک پڑھتے پھر آخر میں ختم قرآن شریف کی دعا کر کے نشست برخاست فرماتے۔

○ کسی سے گفتگو کرنے کے لئے قرات کو نہ بند کرنا مکروہ ہے کیونکہ اللہ کے کلام پر کسی غیر کے کلام کو ترجیح دینا مناسب نہیں ہے۔بیہقی نے اس امر کی تائید میں صحیح بخاری کی یہ حدیث پیش کی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب قرآن کی تلاوت میں مشغول ہوتے تھے تو فارغ ہونے تک کسی سے بات چیت نہیں کرتے مجھے اسی طرح تلاوت کے دوران میں ہنسانا عبث کام کرنا اور ایسی چیز کی طرف دیکھنا جس سے ذہن قرات سے غافل ہو جائے ایسی سب باتیں مکروہ ہیں۔

○ غیر عربی' زبان میں محض ترجمہ قرآن مجید پڑھنا (جس کے ساتھ عربی نہ ہو) مطلقاً" جائز ہے عام ازیں کہ آدمی عربی زبان کو اچھی طرح جانتا ہو یا نہ جانتا ہو نماز کے اندر ہو یا نماز سے خارج بہر حال ناجائز ہے

○شاذ قرات کا پڑھنا ناجائز ہے

ابن عبدالبر سے منقول ہے کہ اس پر اجماع ہے مگر موہوب الجزری نے نماز کے علاوہ حالت میں اس کا جائز ہونا ذکر کیا ہے وہ قرات شاذ کے جواز کو حدیث کے روایت بالمعنی جائز ہونے پر قیاس کرتے ہیں

○قرآن مجید کو ذریعہ معاش بنانا مکروہ ہے

اجری نے عمران بن حصین کی حدیث سے مرفوعا" روایت کیا ہے کہ جو شخص قرآن پاک پڑھے اس کے وسیلہ سے اللہ تعالی سے سوال کرے کیونکہ قریب ہی ایک زمانہ آئیگا جب ایسے لوگ ظاہر ہونگے جو قرآن پڑھ کر اس کو لوگوں سے مانگنے کا ذریعہ بنالیں گے۔

○ ایسا کہنا مکروہ ہے کہ میں فلاں آیت بھول گیا ہوں بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ مجھے بھلا دی گئی ہے صحیح بخاری اور مسلم کی حدیث میں ایسا کہنے کی ممانعت آئی ہے۔

○ قرآن پاک یاد کر کے بھلا دینا گناہ کبیرہ ہے

ابوداؤد اور دوسرے محدثین نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

"میرے سامنے میری امت کے گناہوں کو پیش کیا جاتا ہے اور میں نے اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں دیکھا کہ ایک آدمی نے قرآن حکیم کی کوئی سورت یا آیت حفظ کی پھر یاد کرنے کے بعد اس کو بھلا دیا"

اقتباس کا بیان

اقتباس: کسی شعر یا عبارت میں آیت مباکہ یا حدیث پاک کا حوالہ دیئے بغیر کوئی آیت یا حدیث یا ان کا کچھ حصہ تضمین کر لینے کو اقتباس کہتے ہیں۔

اقتباس کا حکم:۔مالکیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ قرآن سے اقتباس کرنا حرام ہے اور انہوں نے اقتباس کرنے والے شخص کو بہت سخت ست کہا ہے

متاخرین کی ایک جماعت نے......

شیخ عزالدین عبدالسلام سے اقتباس کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ جائز ہے اور اس کے جواز پر شیخ ان احادیث نبویہ سے استدلال کرتے ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اقتباس کیا نماز میں مثلاً "وجھت وجھی "(آیت) اور اسی طرح دعا کے اندر قرآن سے اقتباس کرتے ہوئے "اللھم فالق الاصباح وجاعل اللیل سکنا والشمس والقمر حسبانا اقض عنی الدین واغننی من الفقر " کا قول کیا ہے

اقتباس کی قسمیں:۔

ابن حجہ کی شرح بدیعیہ میں ہے کہ اقتباس کی تین قسمیں ہیں

مقبول، مباح اور مردود

(1) مقبول:۔ وہ اقتباس ہے جو مواعظ، خطبات اور فرامین اور عہد ناموں میں کیا جاتا ہے

(2)مباح:۔ وہ اقتباس ہے جو غزلوں، قصوں اور خطوط میں ہو۔

(3) اور اقتباس کی قسم ثالث یعنی مردود کے آگے پھر دو قسمیں ہیں

اول:۔ اس کلام کا اقتباس کرنا جس کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی طرف فرمائی ہے کوئی بشر اس کو اپنی ذات کی طرف نسبت کر کے بیان کرے(نعوذ باللہ) جیسا کہ بنوامیہ کے ایک حکمران کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس نے ایک عرضداشت پر جس میں اس کے کارندوں کی شکایت کی گئی تھی یہ جواب لکھا تھا" ان الینا ایابھم ثم ان علینا حسابھم " (غاشیہ 25 26) بے شک ہماری ہی طرف ان کا پلٹنا ہے پھر بے شک ہم ہی پر ان کا حساب ہے۔

دوم:۔ اور دوسری قسم اقتباس مردود کی یہ ہے کہ کسی آیت کی "ھزل" کے مضمون میں تضمین کی جائے(نعوذ باللہ من ذلک) جیسا کہ کسی واہیات شاعر کا قول ہے

"ارخی الی عشاقه طرفه " "هیهات هیهات لماتوعدون
" وردفه ینطق من خلفه " " لمثل ذا فلیعمل العاملون

شیخ تاج الدین سبکی نے "اپنی طبقات" میں امام ابو منصور عبد القاهر بن الطاہر التمیمی البغدادی جو شافعیہ کے بہت جلیل القدر بزرگ ہوئے ہیں کے حالات میں ان کے شعر نقل کئے ہیں۔

"یامن عدی ثم اعتدی ثم اقترف" "ثم انتهی ثم ارعوی ثم اعترف"
"ابشر بقول اللّٰه فی آیاته " "ان ینتهوا یغفر لهم ماقد سلف"

(1) اے وہ شخص جس نے حد سے تجاوز کیا اور پھر اس میں بہت بڑھ گیا اور پھر گناہ کا ارتکاب کر لیا اس کے بعد وہ رک گیا اور نادم ہو کر اپنے گناہوں کا اعتراف کیا۔

(2) تو اللہ تعالیٰ کے اس قول سے بشارت حاصل کر جو اس نے اپنی آیتوں میں فرمایا ہے اگر وہ لوگ باز آ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ گزشتہ گناہوں میں ان کی مغفرت فرما دے گا۔

حافظ سیوطی علیہ الرحمتہ اللہ فرماتے ہیں

یہ دونوں اشعار اقتباس کے قبیل سے نہیں ہیں کیونکہ اس میں شاعر نے "بقول اللہ" کہہ کر کلام الٰہی ہونے کی تصریح کر دی ہے اور یہ بات ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ اس طرح کی صراحت کر دینے کے بعد وہ کلام اقتباس کے زمرہ سے خارج ہو جاتا ہے ورع اور تقویٰ کا تقاضا یہی ہے کہ ایسی تمام باتوں سے اجتناب کیا جائے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو ان باتوں سے پاک اور منزہ رکھا جائے اگرچہ اس کا استعمال بڑے بڑے جلیل القدر اماموں سے ثابت ہے جیسا کہ امام ابوالقاسم رافعی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے اشعار میں کلام شارع سے اقتباس کرنے کو روا رکھا ہے۔

(1) الملک لله الذی عنت الوجو لا له وذلت عنده الارباب

بادشاہی صرف اس اللہ تعالیٰ کی ہے جس کے سامنے چہروں کے رنگ اڑ جاتے ہیں اور جس کے حضور بڑے بڑے ارباب اقتدار سرافگندہ ہیں

(2) متفرد بالملک والسلطان قد خسر الذین تجاذبوه وخابوا

وہ اکیلا ہی ملک اور سلطنت کا بلاشرکت غیرے مالک ہے اور جو اس سے اقتدار میں کشاکشی کا تصور بھی کرتے ہیں منہ کی کھاتے اور خائب و خاسر ہو کر لوٹتے ہیں

دعھم وزعم الملک یوم غرور ہم فسیعلمون غدا" من الکذاب

آج وہ دھوکے میں ہیں تو ان کو بادشاہی کے گھمنڈ سمیت چھوڑ دے' کل قیامت کے دن خود بخود ہی کھل جائے گا کہ کون جھوٹا تھا۔

امام بیہقی رحمتہ اللہ علیہ شعب الایمان میں اپنے اسناد ابوعبدالرحمن سلمی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں ان کا بیان ہے کہ ہمیں احمد بن یزید نے اپنے اشعار سنائے

(1) سل اللّٰہ من فضلہ واتقہ فان التقی خیر ماتکتب

اللہ سے ڈر اور اس کا فضل مانگ کیونکہ اللہ (کے غضب و قہر) کا اندیشہ اچھا پیشہ ہے۔

ومن یتق اللّٰہ یصنع لہ ویرزقہ من حیث لا یحتسب

جو شخص اللہ تعالی (کی ناراضی) سے ڈرتا ہے اللہ تعالی کے کام بناتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں سے اس کو سان گمان بھی نہیں ہوتا۔

قرآن حکیم کے غریب (غیرمانوس) الفاظ کی شناخت

"الغریب ہو معنی الالفاظ التی الی البعث عنہا فی اللفقہ ومرجعہ انقل الکتب المصنفہ فیہ"

غرائب قرآن کا علم حاصل کرنا نہایت ضروری ہے اور اس پر انتہائی توجہ کی ضرورت ہے اور اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ امام بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مرفوعاً" روایت کیا ہے "اعربوا القرآن والتمسوا غرائبہ" قرآن کے معانی کی تفتیش کرو اور غرائب القرآن تلاش کرو۔

اسی طرح ایک حدیث عمرو بن مسعود سے بھی موقوفاً" مروی ہے اور ابن عمر رضی

اللہ تعالی عنہ سے بھی امام بیہقی رحمتہ اللہ علیہ نے مرفوعاً" روایت کی ہے کہ " من قراء القرآن فاعربہ کان لہ بکل حرف عشرون حسنۃ ومن قراہ بغیر اعراب کان لہ بکل حرف عشر حسنات" جس شخص نے قرآن پاک پڑھا اور اس کے غریب الفاظ کے معانی کی تحقیق کی تو اسے ہر حرف کے بدلے بیس نیکیاں ملیں گی اور جو شخص قرآن پاک کو معانی کی تحقیق اور شناخت کے بغیر پڑھے گا اس پر ایک حرف کے بدلے میں دس نیکیاں عطا کی جائیں گی۔

اعراب القرآن سے کیا مراد ہے؟

اعراب القرآن کے معنی یہ ہیں کہ اس کے الفاظ کے معانی کی معرفت حاصل کرنا نحویوں کی اصطلاح میں اعراب کے جو معنی ہوتے ہیں وہ یہاں مراد نہیں ہیں کیونکہ نحاۃ کے نزدیک تو اس سے لحن کے مقابل یعنی صحت الفاظ مراد ہوتی ہے وہ مراد لینا درست نہیں اس لئے کہ صحت الفاظ کے فقدان کی صورت میں تو نہ قرات صحیح ہوتی ہے اور نہ ثواب ملتا ہے۔

غرائب القرآن میں غوروخوض کرنے والے شخص پر مستقل مزاجی سے کام لینا اور اہل فن کی اس موضوع پر لکھی ہوئی کتابوں کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ اور اس سلسلہ میں قیاس آرائی اور رائے زنی کو بالکل دخل نہیں ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام خاص عرب کے باشندے تھے فصیح عربی جاننے والے اور اہل لسان تھے' پھر قرآن پاک کا نزول بھی انہی کی زبان میں ہوا تھا اگر اتفاق سے ان پر بھی کسی لفظ کے معنی ظاہر نہ ہوتے تو وہ قیاس آرائی اور ظن و تخمین سے کام ہرگز نہیں لیتے تھے بلکہ توقف فرماتے اور سکوت اختیار کر لیتے تھے

ابو عبید نے "کتاب الفضائل" میں ابراہیم تیمی سے روایت کی ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کا قول "وفاکھتہ وابا" کا معنی پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا "ای سماء تظلنی وای ارض تقلنی ان انا قلت فی کتاب اللہ مالا اعلم" کون سا آسمان مجھ پر سایہ فگن رہے گا اور کون سی زمین مجھے برداشت کرے گی اگر

میں نے کتاب اللہ میں ایسی بات کہہ دی کہ جس کا میں علم نہیں رکھتا

حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ " حضرت عمر بن الخطاب فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے بر سر منبر اللہ تعالی کا یہ قول "وفاکھتہ وابا" پڑھا اور فرمایا یہ "فاکھتہ" کا معنی تو ہمیں معلوم ہے مگر "ابا" کیا چیز ہے؟ پھر خود ہی فرمانے لگے ان ھذالھو الکلف یا عمر!" اے عمر! یہ بڑا مشکل معاملہ ہے؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ کا قول ہے "کنت لا ادری مافاطر السموات" حتی اتانی اعرابیان یختصمان فی بئرٍ فقال احدھما! انا فطرتھا یقول! انا ابتداتھا

یعنی ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ مجھے "فاطر" کے معنی معلوم نہ تھے یہاں تک کہ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ میرے پاس دو دیہاتی آئے ان کا آپس میں کنویں کا جھگڑا تھا۔ اس میں سے ایک نے بیان کیا "انا فطرتھا" میں نے پہلے اس کو کھودنا شروع کیا تھا(تب فاطر کے معنی کا انکشاف ہوا)

ابن جریر نے سعید بن جبیر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی ہے" ان سے اللہ تعالی کے قول "وحنانا" من لدنا" کا معنی پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے اس کا معنی دریافت کیا تھا تو انہوں نے اس کا مجھے کوئی جواب نہیں دیا

حضرت عکرمہ کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے تھے کہ میں تمام قرآن کا عالم ہوں مگر چار الفاظ کے معانی کا مجھے علم نہیں ہے اور وہ چار الفاظ یہ ہیں غسلین، حنانا" اواہ اور الرقیم

ابن ابی حاتم نے حضرت قتادہ سے روایت کیا وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے تھے اللہ کے قول مجھے "ربنا افتح بنینا" کا معنی معلوم نہیں تھا یہاں تک کہ میں نے "ذی یزن" کی بیٹی کا یہ مقولہ سنا "تعال افا تحک تراخاصمک" "یعنی آیئے ہم یہ جھگڑا نمٹا ہی لیں"

امام بیہقی نے مجاہد کے طریق پر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے یہ
حدیث نقل کی ہے انہوں نے فرمایا کہ "میں نہیں جانتا" غسلین" کیا چیز ہے؟ لیکن میرا
گمان یہ ہے یہ زقوم (یعنی تھوہڑ) کو کہتے ہیں

فصل:۔ مفسر کے لئے اس فن سے واقف ہونا ضروری ہے

کتاب البرہان' میں بیان کیا گیا ہے کہ غرائب القرآن کی تحقیق کرنے والا علم لغت کا
محتاج ہوتا ہے اور اس کے لئے اسماء افعال اور حروف کی معرفت ضروری ہے اور
حروف چونکہ نسبتا" قلیل ہیں اس لئے علماء نحو نے اس کے معانی بیان کر دیئے ہیں للذا
حروف کا علم ان کتابوں سے معلوم کیا جا سکتا ہے لیکن اسماء اور افعال کا علم لغت کی
کتابوں سے حاصل کرنا ضروری ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں
غرائب القرآن کی دریافت کے لئے سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ ان امور کی
طرف رجوع کیا جائے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہا اور ان کے تلامذہ سے
ثابت ہیں کیونکہ ان سے جو روایات منقول ہیں ایک تو وہ صحیح الاسناد ہیں اور اس کے
ساتھ وہ غرائب القرآن کا تفسیر کا احاطہ بھی کرتی ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ
تعالی سے منقول روایتوں میں سے سب سے زیادہ صحیح وہ روایات ہیں جو ابی طلحہ کے
طریق پر مروی ہیں۔

علامہ سیوطی علیہ الرحمتہ نے ان الفاظ غریبہ کی تشریح نہایت عمدہ طریقے جامع
انداز میں سورتوں کی ترتیب کے لحاظ سے لکھی ہے ان میں سے چند الفاظ مع تشریح
یہاں درج کئے جاتے ہیں

یومنون: یصدقون

یعمھون: یتمادون

مطھرۃ من القذر والاذی

الغاشعین: المصدقین بما انزل اللّٰہ

وفی ذلکم بلاء" نعمتہ

وفومها: الحنطتہ

الا امانی: احادیث

فائدہ قرآن مجید میں الفاظ غریبہ کو شامل ماننے پر ایک سخت دشواری یہ پیش آتی ہے کہ قرآن حکیم فصیح ترین کلام پر مشتمل ہے جس کے لئے غرابت سے خالی ہونا ضروری ہے کیونکہ فصاحت کلام کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ غرابت سے پاک اور سلامت ہو۔

اس کا جواب دیا گیا ہے کہ غرابت کے دو معنی ہیں

اول:۔ یہ ہے کہ غیر مانوس اور وحشی لفظ کو کلام میں استعمال کرنا اور یہ فصاحت میں بے شک خلل انداز ہوتا ہے۔

دوم:۔ اور غرابت کا دوسرا معنی یہ ہے کہ کلام میں ایسے الفاظ کو استعمال کرنا جن کے معانی کے انکشاف اور تفتیش میں قیاس اور رائے کو کچھ دخل نہ ہو غرابت کی اس نوع کا وقوع قرآن حکیم میں ہوا ہے اس میں اہل فن کے بیان کی حاجت ہوتی ہے لیکن یہ فصاحت میں مخل نہیں۔

فصل:۔ ابوبکر ابن الانباری کہتے ہیں کہ دو

صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین نے قرآن کے غریب اور مشکل الفاظ پر (شعراء جاہلیت کے) اشعار سے بکثرت استدلال کیا ہے۔

حضرت ابن عباس (رضی اللہ تعالی عنہما) فرماتے ہیں۔

"الشعر دیوان العرب" اشعار اہل عرب (کے علوم و فنون تواریخ اور زبان) کا انسائیکلو پیڈیا ہے۔

اور جب بھی کبھی قرآن پاک کا کوئی لفظ ہم پر مخفی ہوتا تو اس کے معنی کی تلاش کے لئے ہم اہل عرب کے دیوان کی طرف رجوع کرتے کیونکہ اللہ تعالی نے قرآن مجید کو اہل عرب کی زبان میں نازل فرمایا ہے۔

پھر ابن الانباری نے عکرمہ کے طریق پر ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت

کی ہے کہ انہوں نے فرمایا ”اگر تم مجھ سے قرآن پاک کے غریب الفاظ کے بارے میں دریافت کرنا چاہتے ہو تو۔ اسے اشعار میں ڈھونڈو کیونکہ ”شعر عرب کا دیوان“ ہے۔

ابو عبید نے اپنی کتاب ”الفضائل“ میں اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس کی روایت بیان کی ہے ان سے اگر قرآن پاک کے معانی کے متعلق سوال کیا جاتا تو وہ ان کے معانی کی دلیل میں شعر پڑھ کر سنا دیتے تھے۔

ابوعبید کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس اس لفظ کی تفسیر پر بطور استشہاد شعر پیش کرتے تھے علامہ سیوطی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

ہم نے ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے اس طرح کی بکثرت روایات بیان کی ہیں ان روایتوں میں سب سے بڑھ کر جامع اور مکمل نافع بن الازرق کی سوالات والی روایت ہے جس کا کچھ حصہ ابن الانباری کتاب الوقف میں اور کچھ حصہ طبرانی نے اپنی کتاب ”معجم الکبیر“ میں درج کیا ہے انہی میں سے حضرت نافع کا یہ قول ہے جس میں انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے کہا تھا کہ اللہ تعالی کے قول ”عن الیمین وعن الشمال عزین“ میں ”عزین“ کے بارے میں مجھے بتلائیے کہ اس کا کیا مفہوم ہے؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ نے جواب دیا کہ ”العزون حلق الرفاق کے معنی میں ہے یعنی ساتھیوں اور ہم سفروں کا حلقہ بنالینا اور کسی کے اردگرد جمع ہو جانا“

نافع کہنے لگے ”کیا اہل عرب کے ہاں یہ معنی معروف ہے؟

ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا ”ہاں کیا تم نے عبیدبن الابرص کا شعر نہیں سنا ہے؟ وہ کہتا ہے۔ ۔

” فجاؤوا یھرعون الیہ حتی“ ” یکونوا حول منبرہ ”عزینا“

وہ اس کی طرف دوڑتے ہوئے آئے تاکہ اس کے منبر کے اردگرد حلقہ بنالیں

نافع، مجھے بتلائیے کہ اللہ تعالی کے قول ” وابتغوا الیہ الوسیلہ “کیا معنی ہے؟ حضرت ابن عباسؓ اس میں وسیلہ کا معنی حاجت ہے۔

حضرت نافع کیا اہل عرب کے نزدیک یہ لفظ اس معنی میں معروف ہے۔؟

حضرت ابن عباسؓ ہاں کیا تم نے عنترہ کا یہ شعر نہیں سن رکھا وہ کہتا ہے

" ان الرجال لهم اليك وسيله"

" ان ياخذوك تكحلي وتخفي"

بے شک مردوں کو تیرے حاصل کرنے کی حاجت ہے (جس سے وہ تیری طرف راغب ہیں) تو سرمہ اور مہندی لگا۔

قرآن حکیم میں غیر عربی زبان کے الفاظ کا بیان

قرآن مجید میں معرب الفاظ کے وقوع میں ائمہ لغت کا اختلاف ہے' جمہور ائمہ جن میں امام شافعی' ابن جریر' ابوعبیدہ' قاضی ابوبکر اور ابن فارس۔۔۔۔ بھی ہیں ان کی رائے یہ ہے کہ قرآن پاک میں عربی زبان کے علاوہ کسی زبان کا کوئی لفظ واقع نہیں ہوا کیونکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے" قرانا" عربیا"" اور" ولوجعلناه قرانا اعجميا لقالوا لولا فصلت ايته اعجمي وعربي" سورہ حم السجدہ آیت 44 اور اگر ہم اس کو عجمی زبان کا قرآن بناتے تو وہ ضرور کہتے اس کی آیتیں کیوں مفصل کی گئیں کیا کتاب عجمی زبان میں اور نبی کی زبان عربی۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ تعالی نے اس شخص پر شدید انکار کیا جو قرآن حکیم میں غیر عربی زبان کے الفاظ کے وقوع کا قائل ہے۔

ابوعبیدہ نے کہا قرآن مجید صرف اور صرف فصیح عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے اس لئے جو شخص یہ کہتا ہے کہ اس میں غیر عربی زبان کے الفاظ بھی ہیں' وہ بلاشبہ (بری) بات کہتا ہے۔ اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ "کذابا"" نبطی زبان کا لفظ ہے اس نے بھی بڑا "بول" بولا ہے۔ اس مد مقابل قائلین جواز کا قول یہ ہے کچھ الفاظ جو اصل میں عربی تھے لیکن جب اہل عرب نے اپنے اشعار اور محاورات میں ان کو استعمال کیا تو اس طرح وہ معرب الفاظ فصیح عربی کلمات کے قائم مقام ہو گئے اور ان میں بھی بیان کی صفت جو عربی زبان کا خاصہ تھی پیدا ہوگئی پس اسی تعریف کے لحاظ سے

قرآن کا نزول ان کلمات کے ساتھ ہوا۔

دوسرے بعض علماء لغت کا بیان ہے کہ یہ تمام الفاظ خالص عربی زبان کے الفاظ ہیں۔ مگر بات یہ ہے کہ عربی زبان ایک بہت وسیع زبان ہے اور اس کے متعلق جلیل القدر علماء اور ماہرین لسانیات کو بھی اس کے بعض الفاظ کا علم نہ ہونا بعید از قیاس نہیں چنانچہ حضرت ابن عباسؓ پر لفظ "فاطر" اور "فاتح" کے معنی مخفی رہے تھے بعد از ان منکشف ہوئے حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ "الرسالہ" میں لکھتے ہیں۔

"لا یحیط باللغۃ الانبی" زبان کا احاطہ صرف نبی ہی کر سکتا ہے۔

ابو عبید القاسم بن اسلام غیر عربی زبان کے الفاظ کے قرآن پاک میں وقوع یا عدم وقوع کے اختلاف کا ذکر کرنے کے بعد اپنا تجزیہ اور عندیہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"میرے نزدیک وہ مذہب حق و صواب ہے جس میں دونوں قولوں کی تصدیق کی جاتی ہے۔ اور وہ مذہب یہ ہے۔

اس میں شک نہیں کہ علماء لغت کے بیان کے مطابق ان الفاظ کی اصل، عجمی زبانیں ہیں جیسا کہ ماہرین زبان نے کہا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے جب ان کلمات کے استعمال کی ضرورت اہل عرب کو پڑی تو انہوں نے ان کلمات کو معرب بنا کر اپنی زبان سے ادا کرنے کے قابل بنا لیا۔ پھر عجمی الفاظ کی صورت سے ان کی صورت بھی بدل دی اور یہ الفاظ ایک طرح سے عربی ہی بن گئے۔

چنانچہ جب قرآن حکیم نازل ہوا تو اس وقت یہ الفاظ عربی کلام میں ایسے مخلوط ہو گئے تھے کہ ان کے درمیان خط امتیاز کھینچنا دشوار تھا۔ لہٰذا اس لحاظ سے جو شخص یہ کہتا ہے یہ عربی الفاظ ہیں وہ بھی اور جو ان کی عجمیت کا قائل ہے وہ بھی دونوں ہی اپنی اپنی جگہ درست کہتے ہیں کسی کو بھی جھٹلایا نہیں جا سکتا۔

الجوالیقی ابن الجوزی اور دوسرے بہت سے علماء لغت کا اسی قول کی طرف میلان ہے۔ ایسے الفاظ کی چند مثالیں بطور مشتے نمونہ از خروارے ذیل میں پیش کی جاتی ہیں

لفظ	معنی	تفصیل

(اباریق	لوٹے، چھاگل	ثعالبی نے "فقہ اللغہ" میں بیان کیا ہے کہ فارسی لفظ ہے جوالیقی نے کہا ابزیق کا لفظ فارسی سے معرب بنایا گیا ہے اس کا معنی پانی کا راستہ یا آہستہ آہستہ پانی انڈیلنا آتا ہے۔
(ب	گھاس چارہ	بعض نے کہا کہ اہل مغرب کی زبان میں اس کا معنی "گھاس" ہے
(ابلعی	تو نگل جا	

ابن ابی حاتم نے وہب بن منبہ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالی کے قول" ابلعی مائک" میں "ابلعی" حبش کی زبان کا لفظ ہے اور اس کا نگلنا ہے۔

(اخلد	جھک گیا مائل ہو گیا	واسطی نے "الارشاد" میں لکھا ہے کہ عبرانی زبان میں (اخلد الی الارض" کا محاورہ ٹیک لگانا کے معنی میں استعمال ہوتا ہے
(الارائک	صوفے، تخت،	ابن الجوزی فنون الافنان میں لکھتا ہے کہ حبشی زبان میں یہ لفظ تخت کے لئے بولتے ہیں
(استبرق	موٹا ریشم	ابن ابی حاتم نے ضحاک سے روایت کی ہے کہ یہ عجمی زبان میں موٹے ریشم پر بولا جاتا ہے۔
(اسفار	کتابیں	واسطی نے کتاب الارشاد میں

کہا ہے کہ سریانی زبان میں
اس کا اطلاق "کتابوں" پر ہوتا ہے۔

(اصری) میرا ذمہ، عہد
ابو القاسم نے لغات القرآن میں بیان کیا ہے
کہ "نبطی" زبان میں یہ لفظ "عہد" کے معنی کے لئے آ

(اکواب) کوزے ابن الجوزی نے بیان کیا ہے کہ یہ "نبطی"
زبان میں "کوزوں" کو کہتے ہیں

(اناہ) اس کی پختگی اہل مغرب کی زبان میں اس کا معنی ہے
کسی چیز کا پکنا

(اواہ) بہت رجوع کرنے والا ابو الشیخ ابن حبان نے عکرمہ کے طریق پر
حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی ہے
کہ "اواہ" "حبشہ" کی زبان میں صاحب ایقان شخص کو کہتے

چند اہم قواعد کا بیان جن کا جاننا مفسر کے لئے ضروری ہے۔

ضمیروں کے متعلق قاعدہ

ضمیر کا مرجع

ضمیر کے لئے ایک مرجع کا ہونا ضروری ہوتا ہے جس کی طرف وہ لوٹتی ہے

○ یا ضمیر کا مرجع سابق میں لفظوں میں مذکور ہوتا ہے اور ضمیر کی دلالت مرجع پر مطابقی طور پر ہوتی ہے جیسا کہ ان مثالوں میں ہے۔
" ونادی نوح ن ابنہ (وعصی ادم ربہ) (اذا اخرج یدہٗ لم یکد یراھا)" ○ یا تو ضمیر کی دلالت مرجع پر تضمنی طور پر ہوتی ہے جیسے " اعدلو ھو اقرب" کی مثال میں ہے "ھو" ضمیر کا مرجع وہ "عدل" ہے جس پر صیغہ "اعدلوا" تضمنی طور پر دلالت کر رہا ہے

○ یا ضمیر کی دلالت مرجع پر التزامی کے طور پر ہو گی جیسے" انا انزلناہ" میں "ہ" ضمیر کا مرجع "قرآن" ہے جس پر نازل کرنا دلالت التزامی طور پر دلالت کرتا ہے اسی طرح فمن عفی له من اخیه شئی فاتباع بالمعروف واداء الیه" اللہ تعالیٰ کے اس قول میں "عفی" کا لفظ ایک عافی یعنی معاف کرنے والا پر لازماً" دلالت کر رہا ہے اور وہی "الیه" کی ہ ضمیر کا مرجع قرار پاتا ہے۔

○ یا ضمیر کا مرجع اس سے لفظی اعتبار سے متاخر ہو گا (مگر رتبہ کے لحاظ سے اس کو تقدم حاصل ہو گا) اور ضمیر مرجع کے مطابق ہو گی جیسے" فاوجس فی نفسه خیفة موسی"" ولا یسئال عن ذنوبهم المجرمون" اور" فیو مئذ لا یسئل عن ذنبه انس ولا جان" کی مثالوں میں ہے۔

○ اور کبھی ضمیر مذکور لفظ پر بغیر اس کے معنی کے راجع ہوتی ہے جیسے" وما یعمر من معمر ولا ینقص من عمره" یعنی دوسرے معمر کی عمر سے کچھ کم نہیں کیا جاتا۔

○ اور کبھی ضمیر ایک شے کی طرف راجع ہوتی ہے مگر اس سے اس شے کی جنس مراد ہوتی ہے علامہ زمخشری نے کہا کہ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے" ان یکن غنیا اوفقیرا فاللّٰه اولی بهما" یعنی فقیر اور غنی کی جنس سے کیونکہ " غنیا" اور فقیرا" کے الفاظ دونوں کی جنس پر دلالت کرتے ہیں ورنہ اگر ضمیر متکلم کی طرف راجع ہوتی تو واحد لائی جاتی۔

○ اور کبھی ضمیر تثنیہ کی ہوتی ہے مگر وہ راجع دو مذکور چیزوں میں سے ایک کی طرف ہوتی ہے جیسے اس کی مثال یہ" یخرج منهما اللولو والمرجان" " وانما یخرج من احدهما"

○ کبھی ضمیر، متصل کسی اور چیز کے ساتھ ہوتی ہے اور اس کا مرجع اس شے کے علاوہ کوئی دوسری شے ہوتی ہے جیسے " ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طین" یعنی آدم علیہ السلام کو پھر اس کے بعد فرمایا" ثم جعلناه نطفة" چنانچہ یہ ضمیر اولاد

آدم کے لئے ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق نطفہ سے نہیں ہوئی تھی۔
علامہ سیوطی فرماتے ہیں
اور یہی استخدام کا باب ہے۔

"صنعت استخدام" کی تعریف اور ایک آیت کا صحیح ترجمہ!

صنعت استخدام یہ ہے کہ ایک لفظ کے دو معنی ہوں، ایک معنی اس لفظ سے مراد لئے جائیں اور دوسرے معنی اس ضمیر سے مراد لئے جائیں جو اس کی طرف راجع ہے، جس کی مثال جریر کا یہ مشہور شعر ہے

" اذا نزل السماء بارض قوم
" رعیناہ وان کانوا غضابا"

یعنی جب کسی قوم کی زمین میں بارش ہو تو ہم اس سے پیدا ہونے والے سبزہ کو چرا لیتے ہیں۔ اگرچہ وہ لوگ غضبناک ہی کیوں نہ ہوں "لفظ سماء" کے دو مجازی معنی ہیں، ایک "بارش" دوسرا "بارش" سے پیدا ہونے والا سبزہ شاعر نے لفظ "سماء" سے بارش مراد لی ہے اور "رعیناہ" میں اس کی طرف راجع ہونے والی ضمیر منصوب سے بارش سے پیدا ہونے والا سبزہ مراد لیا یہ "صنعت استخدام" ہے۔

غزالی زمان سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ اپنے ترجمہ قرآن کے مقدمہ میں لکھتے ہیں "بعض مترجمین قرآن نے آیہ کریمہ" ومریم ابنت عمران التی احصنت فرجھا فنفخنا فیہ من روحنا" (سورہ تحریم، آیت 12)

کا انتہائی شرمناک الفاظ میں حسب ذیل ترجمہ کیا ہے۔ "اور مریم بیٹی عمران کی جس نے روکے رکھا اپنی شہوت کی جگہ کو پھر ہم نے پھونک دی اس میں اپنی طرف سے جان" (ترجمہ مولانا محمود الحسن دیوبندی)

امام اہل سنت قدس سرہ فرماتے ہیں

یہ غلط ہے کہ حضرت مریم کی شہوت کی جگہ میں جان پھونکی گئی۔ کیونکہ یہ بات نہایت شرمناک اور حضرت مریم کی عزت و عظمت کے قطعاً" خلاف ہے حضرت

جبرائیل نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت مریم کے "چاک گریبان" میں جان پھونکی (تفسیر ابن کثیر ج 4 ص 394)

ہم نے ترجمہ میں شرم و حیا اور حضرت مریم کی عزت و عظمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے جمہور مفسرین کے مطابق "صنعت استخدام" سے کام لیا اور اس کے مطابق ہم نے لفظ "فرج" سے اس کے مجازی معنی عفت مراد لئے اور "فیہ" میں اس کی طرف راجع ہونے والی ضمیر مجرور سے لفظ فرج "کے دوسرے مجازی معنی "چاک گریبان" مراد لئے اور اجلہ مفسرین کے مطابق حسب ذیل ترجمہ کیا" اور عمران کی بیٹی مریم (کی مثال بھی) جس نے اپنی عفت کی (ہر طرح) حفاظت کی تو ہم نے (بواسطہ جبریل اس کے) چاک گریبان میں اپنی (طرف کی) روح پھونک دی (مترجم عفی عنہ)

اور اسی سے ہے اللہ تعالیٰ کا یہ قول" لا تسالوا عن اشیاء ان تبدلکم تسوکم" پھر فرمایا " قدسالھا" یعنی دوسری چیزیں جو کہ سابق میں لفظ اشیاء سے مفہوم ہوتی ہیں۔

○ اور کبھی ضمیر اس شے کے ملابس اور ہم شکل کی راجع ہوتی ہے جس کے واسطے وہ ضمیر آئی ہے۔ جیسے کی مثال ہے" الا عشیہ اوضحاھا" یعنی اس شام کے دن کی چاشت' نہ کہ خود شام کی چاشت کہ وہ تو ہوتی ہی نہیں ہے۔

قاعدہ

جمع ذوی العقول کی طرف ضمیر بھی غالب طور پر جو راجع ہوتی ہے وہ بصیغہ جمع ہی لائی جاتی ہے۔ عام ازیں کہ وہ جمع' جمع قلت ہو یا جمع کثرت جیسے" والولدات یرضعن" اور" والمطلقات یتربصن" میں مگر" ازواج مطہرہ" میں یہ ضمیر واحد لائی گئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے "مطہرات" نہیں فرمایا

○ مگر غیر ذوی العقول کی جمع کی صورت میں اکثر و غالب طور پر یہ ہوتا ہے کہ جمع کثرت ہو تو اس کے لئے واحد کی ضمیر لاتے ہیں اور جمع قلت ہو تو اس کے لئے ضمیر

جمع لانا معمول ہے۔

از قول باری تعالی

" ان عدة الشهور عندالله اثنا عشر شهرا" "تا" منها اربعة حرم" میں دونوں طرح کی ضمیروں کا اجتماع ہو گیا ہے کہ "شہور" جو جمع کثرت ہے اس کی طرف "منها" والی واحد کی ضمیر راجع ہے اور پھر فرمایا " فلاتظلموا فيهن" اور اس میں جمع کی ضمیر لائی گئی ہے جو اربعہ حرم' کی طرف راجع ہے اور وہ جمع قلت ہے

قاعدہ

جب ضمائر میں لفظ اور معنی دونوں کی رعائیتیں مجتمع ہو جائیں تو ایسی صورت میں ابتداء لفظی رعایت سے کی جانی چاہئے اور پھر معنی کی رعایت ہو کیونکہ قرآن مجید میں یہی طریقہ ہے اللہ تعالی نے فرمایا" ومن الناس من يقول" اس کے بعد فرمایا" وما هم بمومنين" دیکھئے! اس میں پہلے لفظ "من" کے لفظی رعایت کے پیش نظر مفرد کی ضمیر لائی گئی ہے پھر معنی کی رعایت کرتے ہوئے ضمیر بصیغہ جمع ذکر فرائی اسی طرح" ومنهم من يستمع اليک وجعلنا على قلوبهم" اور " ومنهم من يقول ائذن لی ولا تفتنی الا فی الفتنه سقطوا" میں بھی ہے

شیخ علم الدین عراقی کا قول ہے کہ "قرآن مجید میں معنی پر محمول کر کے صرف ایک ہی جگہ ابتدا کی گئی ہے اس کی کوئی دوسری مثال قرآن میں نہیں ملتی اور وہ جگہ اللہ تعالی کا فرمان ہے۔" وقالوا مافی بطون هذه الانعام خالصة لذكورنا و محرم على ازواجنا" اس میں "ما" کے معنی پر محمول کر کے "خالصه" کو بصیغہ مونث لایا گیا ہے اور پھر لفظی رعایت کے پیش نظر (محرم) بصیغہ مذکر بیان ہوا ہے۔

معرفہ اور نکرہ کے قواعد

واضح رہے کہ معرفہ اور نکرہ میں سے ہر ایک کے لئے بعض ایسے مخصوص احکام ہیں جو ان میں سے دوسرے کے لائق اور مناسب نہیں ہوتے ہیں

تنکیر یعنی نکرہ لانے کے کئی اسباب ہیں

(1) وحدت کا ارادہ ہو جیسے مثلا "" وضرب اللہ مثلا" رجلا" فیہ شرکاء متشاکسون ورجلا" سلما" لرجل "(زمر 29) اللہ نے ایک غلام کی مثال بیان فرمائی جس میں کئی آدمی شریک ہیں جو آپس میں سخت اختلاف رکھتے ہیں اور ایک غلام ایسا ہے جو پورا ایک ہی آدمی کی ملک میں ہے۔

(2) نوع مراد ہو جیسے مثلا "" ھذا ذکر " یعنی " نوع من الذکر " ذکر کی ایک نوع ہے۔اور" وعلی ابصارھم غشاوہ ای نوع غریب من الغشاوۃ ولا یتعارفہ الناس بحیث غطی مالا یغیطہ شی من الغشاوۃ" ایک عجیب نوع کا پردہ' جو لوگوں میں معروف بھی نہیں اور وہ آنکھوں کو اس طرح ڈھانپ لیتا ہے کہ ہر قسم کے پردوں اور جالوں میں سے کوئی بھی اس طرح نہیں ڈھانپ سکتا

" ولتجدنھم احرص الناس علی حیاۃ" یعنی ایک نوعیت کی زندگی پر وہ لوگ بہت زیادہ حریص ہیں اور وہ ہے مستقبل میں لمبی عمر کی خواہش کیونکہ حال اور ماضی میں تو زیادتی عمر میں حرص و آز ممکن نہیں ہے۔

اور کبھی وحدت اور نوعیت ایک ساتھ بھی ہو سکتے ہیں جیسے اللہ تعالی کے اس قول " واللہ خلق کل دابۃ من ماء" میں ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالی نے چوپاؤں کی انواع میں سے ہر ایک نوع کو پانی کی انواع میں سے ایک نوع کے ذریعے سے پیدا فرمایا ہے اور چوپاؤں کے افراد میں سے ہر ایک فرد کو افراد نطفہ میں سے ایک نطفہ سے پیدا کیا

(3) تعظیم مراد ہو' بایں معنی کہ جس شے کی بابت کچھ کہا جا رہا ہے وہ اتنی عظیم ہے کہ اس کی تعریف یا تعیین کرنا ممکن نہیں جیسے" فاذنوا بحرب یعنی بحرب ای حرب " کا مطلب یہ ہے کہ "اتنی بڑی جنگ کہ اس کا تم اندازہ نہیں لگا سکتے ہو

(4) تکثیر (کثرت بیان کرنا مقصود ہو) جیسے " ائن لنا لاجرا"" ای وافرا" جزیلا"" یعنی بہت سا اجر و ثواب تعظیم اور تکثیر دونوں کا احتمال ایک ساتھ بھی ممکن ہے جیسے اس

مثال" فقد کذبت رسل" میں ہے مطلب یہ ہے کہ بڑے بڑے رسول جن کی تعداد کثیر تھی وہ بھی جھٹلائے گئے۔

(5) تحقیر مراد ہو بایں معنی کہ کسی چیز کی شان اس حد تک گر جائے اور اس کا مرتبہ اس حد تک گھٹیا ہو کہ وہ کم ترین ہونے کی وجہ سے معروف نہ ہو سکے جیسے" ان نظن الا ظنا" " ای ظنا حقیرا" لا یعبابہ" یعنی معمولی سا ناقابل ذکر گمان۔

(6) تقلیل (کمی ظاہر کرنا) مراد ہو جیسے (ورضوان من اللّٰہ اکبر) یعنی اللہ تعالی کی قلیل سی رضا مندی اور خوشنودی بھی ساری جنتوں سے بڑھ کر ہے کیونکہ اللہ کی رضا مندی ہی ہر سعادت کی اصل ہے وہ حاصل ہو گئی تو سب کچھ مل گیا

" اللھم انا نسئلک رضاک ونعوذبک من عذابک وسخطک"

(آمین مترجم)

" قلیل منک یکنینی ولکن" "قلیلک" لا یقال لہ قلیل"

تیری ذرا سی نظر کرم ہی میرے بھاگ جگانے کے لئے کافی ہے۔ لیکن تیری تھوڑی سی عنایت کو بھی تھوڑا کہنا جائز نہیں ہے۔

تعریف (معرفہ) کے بھی کئی وجوہ اور اسباب ہوتے ہیں

(1) ضمیر لانے کے ساتھ اس لئے کہ اس کا مقام متکلم یا خطاب (مخاطب) یا غیبت (غائب) کا مقام ہوتا ہے۔

(2) علمیت کے ساتھ تاکہ اس کو ابتداء" ہی ایسے اسم کے ساتھ جو اس کے لئے مخصوص ہے بعینہ سامع کے ذہن میں حاضر کر سکیں جیسے" قل ھو اللہ احد" اور (محمد رسول اللہ) کی مثالوں میں ہے

یا تعظیم یا اہانت کے لئے اور یہ اس موقع پر ہوتا ہے جہاں اس کا علم ان باتوں کا تقاضا کرتا ہو تعظیم کی مثال حضرت یعقوب علیہ السلام کا "اسرائیل" کے لقب کے ساتھ ملقب ہونا کہ اس میں مدح اور تعظیم ہے کیونکہ وہ سری اللہ یا صفوہ اللہ ہیں

اور اہانت کی مثال جیسے اللہ تعالی کا یہ قول " تبت یدا ابی لھب" اس میں ایک

اور نکتہ بھی مضمر ہے وہ یہ ہے کہ " ابی لھب" کہنے میں اس کے جہنمی ہونے سے کنایہ بھی ہے۔

(3)اشارہ کے ساتھ تاکہ معرف کو محسوس طور پر سننے والے کے ذہن میں حاضر کر کے پوری طرح ممیز کر دیا جائے جیسے" ھذا خلق اللّٰہ فارونی ماذا خلق الذین من دونہ" اور کبھی اس سے سامع کی غباوت اور کند ذہنی کی طرف تعریض اور اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے کہ سامع اتنا موٹے دماغ کا ہے کہ وہ حسی اشارہ کے بغیر کسی شیئ کی تمیز ہی نہیں کر سکتا اسی مذکورہ بالا آیت سے اس کو بھی سمجھا جا سکتا ہے الگ مثال کی ضرورت نہیں ہے۔

اور کبھی اسم اشارہ قریب کے ذریعے مشار الیہ کی تحقیر مقصود ہوتی ہے جیسے کفار کا قول" اھذا الذی یذکر الھتکم"(سورہ الانبیاء آیت 36)" ھذا الذی بعث اللّٰہ رسولا""(سورہ الفرقان آیت 41) اور" ماذا ارادللّٰہ بھذا مثلا"" یا جیسے اللہ تعالی کا ارشاد" وما ھذہ الحیوہ الدنیا الا لھو ولعب"(سورہ العنکبوت آیت 64) بھی اسم اور کبھی اشارہ اسم بعید سے مشار الیہ کی تعظیم مقصود ہوتی ہے مثلاً" ذلک الکتاب لا ریب فیہ" اس کے درجہ کی دوری کی طرف جاتے ہوئے۔

(4) اسم موصول کے ساتھ معرفہ لانا یہ اس وقت ہوتا ہے جب اسم خاص کے ساتھ اس کا ذکر ناپسندیدہ تصور کیا جاتا ہو اور اس کی پردہ داری مقصود ہو یا اہانت وغیرہ دیگر اسباب کی بناء پر جیسے" والذی قال لوالدیہ اف لکما" اور" وراودتہ التی ھو فی بیتھا"(سورہ یوسف آیت 23)

○ اور کبھی یہ تعریف بالموصول عموم مراد لینے کی غرض سے ہوتی ہے جیسے" ان الذین قالوا ربنا اللّٰہ ثم استقاموا" الایہ اور" والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا" اور" ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنم" یا اختصار کی غرض سے موصول سے معرفہ لایا جاتا ہے۔ جیسے" لا تکونوا کالذین آذوا موسی فبداہ اللّٰہ مما قالوا" یعنی ان کے اس قول سے کہ حضرت موی علیہ السلام

کو آدر کی بیماری ہے اللہ تعالی نے ان کی برات کا اظہار فرما دیا اس میں اختصار یوں ہوا کہ اگر ان کے ناموں کی فہرست گنوائی جاتی تو بات طول پکڑ جاتی۔

اور یہ مثال عمومیت کی اس لئے نہیں ہو سکتی کیونکہ تمام بنی اسرائیل نے تو موسی علیہ السلام کے حق میں یہ بیماری کا عیب لگانے والا قول نہیں کیا تھا۔

تعریف و تنکیر کے متعلق ایک اور قاعدہ

جب کسی اسم کا ذکر دوبار ہو تو اس کے چار احوال ہوتے ہیں

(1) دونوں معرفہ ہوں (2) دونوں نکرہ ہوں (3) اول نکرہ ثانی معرفہ (4) اس کے برعکس، یعنی اول معرفہ اور ثانی نکرہ اگر دونوں اسم معرفہ ہوں تو اس صورت میں غالب طور پر ثانی عین اول ہوتا ہے اور اس کی وجہ اس معہود پر دلالت کرتا ہے جو لام یا اضافت میں اصل ہے۔ جیسے " اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم وقهم السيات ومن تق السيات" (المومن آیت 9)

ترجمہ:۔ اور انہیں برائیوں (کے وبال) سے بچاؤ اور اس دن تو جسے برائیوں (کے وبال) سے بچائے۔

اور اگر دونوں نکرہ ہوں تو ثانی غیر اول ہو گا اور ایسا اکثر اور غالب طور پر ہے کیونکہ اگر ثانی کو اول سے جدا کوئی دوسرا اسم قرار نہ دیں تو پھر تو وہی تعریف اس کے مناسب تھی اس بناء پر کہ وہ اسم ثانی معہود سابق ہے جیسے " اللہ الذی خلقکم من ضعف ثم جعل من بعد ضعف قوة ثم جعل من بعد قوة ضعفا وشیبہ" (الروم آیت 54) اللہ ہے جس نے تمہیں کمزوری کی حالت میں پیدا کیا پھر تمہیں کمزوری کے بعد قوت عطا فرمائی پھر قوت کے بعد ضعف اور بڑھاپا دیا اس میں اول" ضعف" سے مراد نطفہ ہے اور ثانی ضعف سے بچپن اور ضعف ثالث سے بڑھاپا مراد ہے۔

اللہ تعالی کا قول" فان مع العسر یسرا ان مع العسر یسرا"" میں دونوں ہی قسمیں جمع ہو گئی ہیں چنانچہ دوسرا" عسر" وہی ہے جو کہ پہلا" عسر" ہے مگر دوسرا "

یسر" پہلے "یسر" کا غیر ہے اس بات کی تائید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے آپ نے فرمایا" لن یغلب عسر یسرین" ایک عسر (تنگی) دو یسروں (آسانیوں) پر غالب نہیں ہو سکتی۔

ایک شاعر کہتا ہے۔

" اذااشتدت بک البلوی ففکر فی الم
نشرح"

" فعسر بین یسرین اذا فکرته
فافرح"

(3) اگر پہلا اسم نکرہ اور دوسرا معرفہ تو عہد پر حمل کرتے ہوئے ثانی اسم بعینہ اسم اول قرار پائے گا۔

جیسے" ارسلنا الی فرعون رسولا" فعصی فرعون الرسول"

" فیها مصباح المصباح فی زجاجه الزجاجه"" الی صراط مستقیم صراط اللّٰه"" ما علیهم من سبیل انما السبیل"

(4) اگر اول اسم معرفہ ہو اور ثانی اسم نکرہ ہو تو مطلق طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا بلکہ قرائن پر مدار ہو گا چنانچہ کبھی دونوں اسموں کے باہم مغائر ہونے پر قرینہ قائم ہو گا جیسے " ویوم تقوم الساعة یقسم المجرمون ما لبثوا غیر ساعة" اور کبھی دونوں اسموں کے متحد ہونے پر قرینہ پایا جاتا ہے۔ جیسے" للناس فی هذا القر آن من کل مثل لعلهم یتذکرون' قر آنا عربیا"" (زمر 27 28) بے شک ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ تاکہ وہ نصیحت قبول کریں (ہم نے انہیں) عربی (زبان کا) قرآن (عطا فرمایا)

○ تنبیہ شیخ بہاؤالدین نے "عروس الافراح" میں بیان کیا ہے اور حضرات کا بھی کہنا ہے کہ یہ مذکورہ بالا قاعدہ، مستحکم اور مکمل نہیں معلوم ہوتا یا یوں کہہ لیں کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کیونکہ بہت سی آیات سے اس پر نقص وارد ہوتا ہے۔

مثلاً" مذکور بالا پہلی قسم میں(یعنی جب کہ معرفہ کا اعادہ معرفہ کے ساتھ ہو تو ثانی عین اول ہوتا ہے) اس آیت کے ساتھ یہ قاعدہ ٹوٹ جاتا ہے۔ کہ مثلاً" اللہ تعالی کا قول ہے" هل جزاء الاحسان الا الاحسان" اس میں "الاحسان" کا اسم دونوں جگہ معرفہ وارد ہوا ہے حالانکہ ثانی غیر اول ہے عین نہیں ہے اور اسی طرح آیت" الحر بالحر" " هل اتی علی الانسان حین من الدهر "کہ اس کے بعد آگے ایک مقام پر فرمایا" انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج" یہاں بھی دونوں جگہ "الدحسان " معرفہ وارد ہوا مگر دوسرے سے مراد اور ہے اور پہلے سے مراد اور مراد ہے کیونکہ پہلے الانسان سے مراد آدم علیہ السلام ہیں اور دوسرے سے مراد آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہے۔ اور اسی طرح اللہ تعالی کے اس قول میں" وکذلک انزلنا الیک الکتاب فالذین آتینا هم الکتاب یومنون به" کیونہ اس آیت میں پہلی کتاب سے قرآن اور دوسری کتاب سے توارت اور انجیل مراد ہے اور قسم ثانی (یعنی دونوں اسموں کا نکرہ ہونے کی صورت میں دونوں کا متغائر ہونا) میں جو قاعدہ بیان کیا گیا ہے۔ اس پر اللہ تعالی کے قول" وهوالذی فی السماء اله وفی الارض اله" اور اسی طرح اللہ تعالی کے قول" یسالونک عن الشهر الحرام قتال فیه قل قتال فیه کبیر" سے نقض وارد ہوتا ہے کہ ہر دو قول میں ہر دو اسم نکرہ ہیں حالانکہ دونوں قولوں میں دوسرے دوسرے قول سے پہلا پہلا اسم ہی مراد ہے مغایرت نہیں پائی گئی۔

اور قاعدہ کی قسم ثالث میں اللہ تعالی کے قول" ان یصلحا بینهما صلحا" والصلح خیر "" ویوت کل ذی فضل فضله"" ویزددکم قوه الی قوتکم" لیزداداوا ایمانا" مع ایمانهم"" زدنا هم عذابا" فوق العذاب"" وما یتبع اکثرهم الا ظنا" ان الظن" آیات سے نقض وارد ہوتا ہے کیونکہ ان میں ثانی غیر اول ہے۔

علامہ سیوطی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں۔

اگر غور و فکر سے کام لیا جائے تو ثابت ہو جاتا ہے کہ ان مثالوں میں سے کسی مثال

سے بھی قاعدہ مذکورہ بالا پر نقض وارد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ "الاحسان" میں جیسا کہ ظاہر حال سے معلوم ہوتا ہے الف لام جنس کا ہے اور اس حالت میں وہ معنی کے لحاظ سے اسم نکرہ کی طرح ہوتا ہے یہی حالت النفس اور الحر کی آیت کی ہے۔

بخلاف آیت العسر کے کہ اس میں الف لام عہد یا استغراق کے لئے آیا ہے جیسا کہ حدیث پاک سے معلوم ہو رہا ہے۔

اسی طرح آیت الظن میں (جو قاعدہ سوم کے تحت پیش کی گئی ہے) ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ یہاں دوسرا "ظن" پہلے ظن کا مغائر ہے بلکہ وہ قطعی طور پر پہلے کا عین ہے اس لئے کہ ہر "ظن" (گمان) مذموم نہیں ہے اور ایسا ہو بھی کیونکر سکتا ہے کیونکہ قطعیات کو چھوڑ کر شریعت کے باقی تمام احکام خود ظنی ہیں تو کیا پھر ہر گمان کو برا گمان کرنا برا نہ ہوا؟

اور اسی طرح " ایۃ الصلح" میں کوئی امر اس بات سے مانع نہیں کہ دوسری صلح سے وہی مذکورہ سابقہ صلح مراد ہو اور یہ وہ صلح ہے جو میاں بیوی کے درمیان ہوتی ہے۔ پھر تمام معاملات میں صلح کا مستحب ہونا سنت سے ماخوذ ہے اور اس آیت سے قیاس کے طور پر، لیکن اسی کے ساتھ آیت میں عموم کا قول کرنا جائز نہیں ہے اور یہ نہیں کہنا چاہئے کہ ہر ایک صلح اچھی ہے کیونکہ جو صلح کسی حرام کو حلال یا کسی حلال کو حرام قرار دیتی ہو وہ یقیناً" ممنوع ہے۔

"آیت قتال" کی بھی یہی حالت ہے کہ بے شک اس میں "قتال" ثانی قتال اول کا عین نہیں ہے بلکہ دونوں سے الگ الگ مراد وہ جنگ ہے جو کہ ہجرت کے دوسرے سال ابن الحضرمی کے سریہ میں ہوئی تھی اور وہی جنگ اس آیت کا سبب نزول ہے اور دوسرے "قتال" سے جنس قتال مراد ہے نہ کہ بعینہ وہی پہلا قتال اور رہی آیت کریمہ " وھوالذی فی السماء الہ" تو اس کا جواب علامہ طیبی رحمتہ اللہ علیہ نے یہ دیا ہے کہ یہ ایک امر زائد کا فائدہ دینے کے لئے تکریر کے باب سے ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ اس سے پہلے اللہ تعالی نے اپنے قول" سبحان رب

السموات والارض رب العرش" میں اسی فائدہ کے لئے مکرر ذکر فرمایا ہے اور اس کی وجہ اللہ تعالی کی طرف اولاد کی نسبت کرنے سے اس کی تنزیہ (پاکی) میں اطناب کرنا مقصود ہے اور اس قاعدہ کی شرط یہ ہے کہ تکریر کا قصد نہ ہو۔

قاعدہ (دربیان مفرد و جمع)

مفرد اور جمع لانے کے قواعد میں سے ایک "السماء" اور "الارض" کا مفرد اور جمع ہونا ہے قرآن پاک میں جہاں کہیں بھی ارض کا لفظ آیا ہے مفرد ہی آیا ہے جمع کے صیغہ کے ساتھ واقع نہیں ہوا بخلاف "السموات"

"ارض" کی جمع نہ آنے کی وجہ اس کا ثقیل ہونا ہے' کیونکہ اس کی جمع ہے" ارضون" اور اسی لئے جہاں تمام زمینوں کا ذکر مقصود ہوتا ہے۔ وہاں اللہ تعالی نے " ومن الارض مثلھن" فرمایا ہے لیکن سماء کسی جگہ صیغہ جمع کے ساتھ اور کہیں صیغہ مفرد کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے موقع محل کے مطابق ہرایک میں کوئی نہ کوئی نکتہ ہوتا ہے جو اس مقام کے مناسب ہوتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جس جگہ تعداد ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے وہاں پر بصیغہ جمع ذکر کیا گیا ہے جو کہ کثرت اور عظمت کی وسعت پر دلالت کرتی ہے جیسے اس کی مثال ہے" سبح لله مافی السموات" یعنی ہر آسمان مع اپنی تعداد کے اختلاف کے اور جہاں محض جہت مراد ہوتی ہے۔ وہاں " السماء" مفرد صیغہ کے ساتھ ذکر کیا گیا مثلاً" وفی السماء رزقکم" اور " أأمنتم من فی السماء ان یخسف بکم الارض" یعنی تمہارے اوپر سے یہاں سمت مراد ہے۔

افراد جمع کی ایک مثال" الریح" ہے یہ لفظ واحد اور جمع دونوں طرح مذکور ہوتا ہے جس مقام پر اس سے مراد"رحمت" ہو وہاں جمع اور جہاں عذاب کے سیاق میں واقع ہو اس جگہ واحد ذکر کیا ہے۔

ابن ابی حاتم اور دوسرے علماء نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت بیان کی ہے انہوں نے فرمایا کہ "الریاح بصیغہ جمع قرآن میں جہاں بھی آیا ہے

وہ رحمت (کے لئے) ہے اور جہاں کہیں "الریح" آیا وہ عذاب (کے لئے) ہے اس لئے

حدیث مبارک میں آیا ہے" اللھم اجعلھا ریاحا" ولا تجعلھا ریحا "

اے اللہ! تو اس ہوا کہ ریاحا" رحمت بنا زور "ریح" عذاب نہ بنا اس کی حکمت یہ

بیان کی گئی ہے کہ باد رحمت کے مختلف فوائد، خصوصیات تاثیرات اور منافع ہوتے ہیں

لہذا جب ان میں سے کوئی تند و تیز ہوا چلتی ہے تو اس کے مقابل دوسری ہوا ایسی چلا

دی جاتی ہے جو پہلی ہوا کی طوفان خیزی اور آفت انگیزی کا زور توڑ کر اس میں ایک قسم

کی لطافت اور خنکی پیدا کر دیتی ہے جو حیوانات اور نباتات کے لئے یکساں طور پر مفید

ثابت ہوتی ہے لہذا رحمت میں بہت سی ہوائیں ہوئیں اور عذاب کی حالت میں

وہ(ہوا) ایک ہی طرح سے چلتی ہے اور اس جھکڑ اور آندھی کے مقابل اور اس کو دفع

کرنے والی دوسری ہوا نہیں ہوتی مگر اللہ تعالیٰ کا قول جو سورہ یونس میں ہے

" وجرین بھم بریح طیبہ" وہ اس زیر بحث قاعدہ سے اس لئے خارج ہو گیا ہے

کہ اس میں "ریح" کو باوجودیکہ رحمت کے معنی میں ہے مفرد لایا گیا ہے۔

اور اسے مفرد لانے کی دو وجہیں ہیں۔

(۱) ایک وجہ لفظی ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول"وجاء تھا ریح عاصف

" میں جو لفظ "ریح" آیا ہے وہ مفرد ہے لہذا اس کے مقابلہ میں واقع ہونے کی وجہ

سے مشاکلت لفظی کا لحاظ رکھتے ہوئے اس میں بھی مفرد لے آئے کیونکہ بہت سی

چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو مستقل طور پر تو جائز نہیں ہوتیں مگر مقابلہ کی صورت میں ان

کا جواز ثابت ہو سکتا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد " ومکروا ومکر اللہ " میں ہے کہ کافروں کے

"مکر" کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے عمل سزا جو ان کے مکرو فریب پر مرتب ہوتا

ہے کو بھی مقابلہ کے طور پر اسی لفظ "مکر" سے تعبیر فرما دیا اور مقابلہ سے الگ کر کے

دوسری حالتوں میں بالاستقلال دیکھا جائے تو معاذ اللہ اللہ سبحانہ وتقدس کی طرف "مکر"

کی نسبت ناجائز ہے وہ ایسے عیوب سے پاک ہے دوسری وجہ معنوی ہے وہ یہ ہے کہ

اس مقام پر رحمت کا اتمام کو اکمال "ریح" کی وحدت سے ہی حاصل ہوتا ہے نہ کہ اس کے اختلاف سے کیونکہ سفینہ (بحری جہاز) صرف موافق ہوا ہی سے چلتا ہے باد مخالف سے نہیں چل سکتا بلکہ مختلف ہواؤں کے جھملیوں اور تھپیڑوں سے اس کی ہلاکت اور تباہی ہو جاتی ہے الغرض یہاں ایک ہی نوع کی ہوا مطلوب ہے اسی لئے اللہ تعالی نے اس (ریح) کو "طیبہ" کی صفت کے ساتھ مئوکد کر کے بیان فرمایا ہے۔ اسی قاعدہ مبینہ پر اللہ تعالی کا قول" ان یشاء یسکن الریح فیظلن رواکد" بھی آیا ہے۔

مگر ابن المنیر نے کہا ہے کہ نہیں یہ آیت مذکورہ الصدر قاعدہ پر آئی ہے کیونکہ ہوا کا ساکن ہو جانا جہاز والوں پر عذاب و مصیبت ہوتا ہے۔

○ افراد و جمع کی مثالوں میں سے ایک "نور اور ظلمت" کی مثال ہے۔

"نور" کی ہمیشہ مفرد اور "ظلمات" کو بہ صیغہ جمع لایا گیا ہے اسی طرح " سبیل الحق " کو مفرد اور سبل الباطل کو جمع ذکر کیا گیا ہے اس کی مثال اللہ تعالی کا یہ قول" ولا یتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ" ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ حق کا راستہ ایک ہی ہے اور باطل کے راستے شاخ در شاخ اور متعدد ہیں اور "ظلمت" بہ منزلہ طرق باطل اور "نور" بہ منزلہ طریق حق ہے بلکہ وہ دونوں بالکل ان دونوں کی طرح ہیں۔ اور اسی قاعدہ پر " ولی المومنین" (مسلمانوں کے دوست) کو واحد اور "اولیاء الکفار" (کفار کے دوستوں) کو بہ صیغہ جمع اس وجہ سے ذکر کیا ہے کہ ان کی تعداد کثیر ہے چنانچہ اللہ تعالی فرماتا ہے"اللّٰہ ولی الذین آمنوا یخرجھم من الظلمات الی النور والذین کفروا اولیاؤ ھم الطاغوت یخرجونھم من النور الی الظلمات" (البقرہ آیت 257)

اللہ مدد گار ہے ایمان والوں کا نکالتا ہے انہیں تاریکیوں سے روشنی کی طرف اور جنہوں نے کفر کیا ان کے دوست شیطان ہیں وہ انہیں روشنی سے تاریکیوں کی طرف نکالتے ہیں۔ اسی اصول پر "نار" جہاں کہیں بھی آیا ہے مفرد ذکر ہوا ہے اور "جنہ"

واحد اور جمع دونوں صیغوں کے ساتھ واقع ہوا ہے کیونکہ "جنان" باغ مختلف الانواع ہیں لہٰذا ان کی جمع لانا مستحسن تھا اور "نار" آتش ایک ہی مادہ ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ جنت رحمت ہے اور "نار" آگ عذاب اس لئے "ریاح" اور "ریح" کی تعریف کے مطابق جنت کو یہ صیغہ جمع اور نار کو بصیغہ واحد بیان کرنا مناسب ٹھہرا۔

الصدیق کو بصیغہ مفرد لانے اور "الشافعین" کو جمع لانے میں بھی وہی قاعدہ کار فرما ہے اللہ تعالی کا قول ہے " فمالنا من شافعين ولا صديق حميم" شعراء 100-101 تو(اب) ہمارے لئے کوئی شفارش کرنے والا نہیں اور نہ کوئی گرم جوش دوست اور اس کی حکمت یہ ہے عادتاً" شفاعت چاہنے والوں کی کثرت اور سچے دوست کی کمی ہوتی ہے۔

زمخشری کہتا ہے کہ" کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ جب کوئی شخص کسی ظالم کے ظلم کا شکار اور اس کے جور و ستم میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کے کتنے ہی اہل وطن کہ ان میں سے اکثر کی اس سے جان پہچان بھی نہیں ہوتی اس کی محض جذبہ خیر سگالی اور رحمدلی کے تحت سفارش کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں لیکن مخلص اور سچے دوست کا ملنا اونٹنی کا انڈہ اور جوئے شیر لانے کی مانند کار دشوار است

○ مفرد اور جمع لانے کی مثالوں میں ایک سمع اور بصر ہے "سمع" مفرد اور "بصر" بہ صیغہ جمع ابصار آیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ "سمع" پر مصدریت غالب ہے لہٰذا اس کو مفرد لایا جاتا ہے اور اس کے بخلاف "بصر" کہ وہ اعضاء جارحہ یعنی ظاہری اعضاء میں مشہور ہے اور اس لئے بھی سمع سے اصوات (آوازیں) کا تعلق ہے جو ایک ہی حقیقت رکھتی ہیں جبکہ "بصر" کا تعلق رنگوں اور کائنات کی دیگر اشیاء سے ہے جو مختلف حقیقتیں ہیں۔

چنانچہ ان دونوں لفظوں کے اس انداز استعمال میں ان کے تعلقات اور ان کی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اسی سے اللہ تعالی کا یہ قول بھی ہے "وجعل لكم السمع والابصار " (الملک 23) اور تمہارے لئے کان اور آنکھیں بنائے اس

ھی مواقیت للناس والحج" لوگوں نے ہلال کے بارے میں سوال کیا وہ شروع شروع میں دھاگے کی طرح باریک سا دکھائی دیتا ہے پھر رفتہ رفتہ بڑھتا ہے حتی کہ ماہ کامل بن جاتا ہے اور اس کے بعد دوبارہ گھٹتے گھٹتے اپنی پہلی صورت پر آجاتا ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے۔

مگر اس سوال کے جواب میں ان لوگوں کو چاند کے گھٹنے بڑھنے کی حکمت بتادی گئی ہے۔ اس کی وجہ نہیں بتلائی گئی تو اس کی علت یہ ہے کہ انہیں اس امر پر متنبہ کرنا مقصود تھا کہ تمہیں جو جواب دیا گیا ہے تم کو سوال ہی اس چیز کے بارے میں کرنا چاہئے تھا اور تم لوگوں نے جو سوال کیا وہ غیر ضروری سوال ہے۔

لیکن یہ ساری تقریر اس صورت میں ہے جس وقت ان کا سوال کرنا ایسا ہی ہو جیسا کہ ہم نے بیان کیا اس لئے کہ یہ بھی تو ممکن ہے کہ ان کا سوال ہی اس بارے میں ہو کہ وہ اس کی حکمت دریافت کرنا چاہتے ہوں تو اس صورت میں پھر سوال اور جواب میں مطابقت کا پایا جانا ظاہر ہے۔

اور جواب میں سوال سے زیادتی کرنے کی مثال اللہ تعالی کا یہ قول "ینجیکم منھا ومن کل کرب" ہے کیونکہ یہ قول "من ینجیکم من ظلمات البر والبحر" کے جواب میں آیا ہے۔ اور موسی علیہ السلام کا قول "ھی عصای اتوکؤا علیھا واھش بھا علی غنمی" بھی اسی طرح کا ہے کیونکہ اللہ تعالی نے موسی علیہ السلام سے صرف یہ فرمایا تھا کہ " وماتلک بیمینک یا موسی" اے موسی! تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ مگر موسی علیہ السلام نے اللہ تعالی سے ہمکلامی کی لذت و سرور میں جواب دراز کردیا

اسی طرح قوم ابراہیم کا جواب "نعبد اصناما فنظل لھا عاکفین" بھی اصل سوال "ماتعبدون" سے زائد ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے بتوں کی پرستش میں اپنے مسرت محسوس کرنے اور بت پرستی پر ڈٹے رہنے کا اظہار کرنے کی غرض سے جواب کو طول دیا ہے تاکہ سوال کرنے والے کو غیظ میں جلائیں اور اس کے غضب کو

کی ایک مثال "مشرق " اور "مغرب" ہیں کہ ہر دو لفظ مفرد تثنیہ اور جمع تینوں طریقوں سے آئے ہیں۔ جہاں مفرد ذکر کئے گئے ہیں وہاں جہت کا اعتبار ہے اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا قول "رب المشرقین و رب المغربین" ہے اور جس مقام پر تثنیہ کے صیغہ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے وہاں دو موسموں سرما اور گرما کے دو مشرقوں اور دو مغربوں کا اعتبار کیا گیا ہے اس کی مثال "رب المشرق ورب المغرب" اور جہاں ان دونوں لفظوں کو بہ صیغہ جمع لایا گیا ہے وہاں سال کی دونوں فصلوں (گرمی سردی) میں تعدد مطالع کا اعتبار کرتے ہوئے ایسا کیا گیا ہے اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ "برب المشارق والمغارب"

قاعدہ

سوال و جواب کے بیان میں

جواب کے بارے میں اصل یہ ہے کہ

سوال کے مطابق ہونا چاہئے۔

لیکن بعض اوقات اس امر پر تنبیہہ کرنے کے لئے سوال یوں نہیں بلکہ یوں کرنا چاہے تھا سوال کے تقاضوں سے تجاوز کرتے ہوئے بھی جواب دے دیا جاتا ہے۔ یعنی یہ بات سمجھانے کے لئے کہ سائل کا سوال غلط ہے اس کو جواب کے انداز پر سوال کرنا مناسب تھا سوال کے مطابق جو جواب دینا چاہئے تھا اس کی بجائے کچھ اور جواب دے دیا جاتا ہے اور علامہ سکاکی اس انداز جواب کو اسلوب حکیم کا نام دیتے ہیں۔

○ اور ہر سوال میں چونکہ اس بات کی حاجت ہوتی ہے کہ اس کا جواب سوال کی بہ نسبت زیادہ عام ہو' لہٰذا جواب زیادہ عام بھی ہوتا ہے اور بعض اوقات مقتضائے حال کے مطابق جواب سوال کی نسبت سے بہت زیادہ ناقص بھی آتا ہے۔

اور اس سوال و جواب کی مثال کہ جس میں سوال کے مقتضی سے عدول کر کے سائلین کو کچھ اور جواب دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے" یسئلونک عن الاھلة قل

بڑھائیں۔

وجوہ اور نظائر کی شناخت

○ وجوہ

وہ مشترک لفظ جو کئی معانی میں استعمال ہو جس طرح کہ لفظ "امہ" ہے

○ نظائر

مترادف اور ہم معنی الفاظ کو نظائر کہتے ہیں بعض علماء نے اس کو معجزات قرآن کی انواع سے شمار کیا ہے کیونکہ قرآن پاک کا ایک ہی کلمہ بیس یا اس سے کم و بیش وجوہ اور طریقوں پر جاری و ساری ہوتا ہے اور ایسا بندے بشر کے کلام میں نہیں پایا جا سکتا۔

ابن سعد اور دیگر محدثین نے حضرت ابوالدرداء سے موقوفاً" روایت کیا ہے

"لا یفقه الرجل کل الفقه حتی یری للقرآن وجوها کثیرة"

یعنی کوئی شخص اس وقت تک کامل فقیہ نہیں ہو سکتا جب تک وہ قرآن حکیم کی بہت سی وجوہ پر نظر نہ رکھتا ہو بعض علماء نے کہا ہے کہ اس حدیث کی مراد اشارات باطنی کا بھی استعمال کرنا ہے اور یہ نہ کیا جائے کہ صرف ظاہری تفسیر پر ہی اقتصار کر لیا جائے ابن سعد نے حضرت عکرمہ کے طریق پر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ خوارج سے مباحثہ کرنے کے لئے بھیجتے وقت فرمایا تھا "تم خوارج کے پاس جا کر مباحثہ کرنا لیکن خبردار! قرآن سے حجت نہ لانا کیونکہ وہ بہت سی وجوہ کا احتمال رکھتا ہے بلکہ ان کے ساتھ سنت کے ذریعے مقدمہ لڑنا اس قسم کے چند خاص الفاظ کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

لفظ	لفظ کی وجوہ
الھدی	یہ لفظ سترہ معانی کے لئے آتا ہے

(1) ثبات "اھدنا الصراط المستقم"

(الفاتحہ 4-5)

(2) بیان "اولئک علی ھدی" من ربھم" (البقرہ 2 - 5)

(3) دین "ان الھدی ھدی اللّٰہ" (آل عمران 73)

(4)(ایمان "ویزید اللہ الذین اھتدوا ھدی") (مریم 74)

(5)دعاء "ولکل قوم ھاد"(الرعد 7)

"وجعلنا ھم ائمہ یھدون بامرنا" (الانبیاء 73)

(6) رسول اور کتب الٰہی

"فامایاتینکم منی ھدی" (البقرہ 38)

(7)معرفت"پہچان""وبالنجم ھم یھتدون" (النحل 16)

(8) بمعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم

"ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والھدی" (البقرہ 159)

(9)قرآن"ولقد جاء ھم من ربھم الھدی" (النجم 23)

(10)توراہ:"ولقد آتینا موسی الھدی" (غافر 53)

(11)استرجاع:( )"واولئک ھم المھتدون" (البقرہ 57)

(12)حجت: "دلیل""لا یھدی القوم الظالمین"

"بعد قولہ تعالی"

"الم ترالی الذی حاج ابراہیم فی ربہ

"ای لا یھدیھم حجہ" (البقرہ 258)

(13)توحید:"ان نتبع الھدی معک"(القصص 57)

(14)سنت:"فبھداھم اقتدہ"(انعام 90)

"وانا علی آثار ھم مھتدون"(الزخرف 22)

(15)اصطلاح:"وان اللہ لا یھدی کید الخائنین"(یوسف 52)

(16)الہام:"اعطی کل شئی خلقہ ثم ھدی"

"ای المھد المعاش"(طہ 50)

(17)توبہ:"انا ھدنا الیک"(الاعراف 152)

(18)ارشاد:"ان یھدینی سواء السبیل" (القصص 22)

السوء

یہ بھی کئی وجوہ پر آتا ہے (1)شد:"یسومونکم سوء العذاب"(البقرہ 29)

(2)عقر:کونچیں کاٹنا"ولا تسوھا تمسوھا" (اعراف 73)

(3)زنا (بدکاری)"ماجزاء من اراد"

"باھلک سوا" (یوسف 25)

"ماکان ابوک امراء سوء" (مریم 28)

(4)برص:سفید داغ"بیضاء من غیر سوء" (القصص 32)

(5)شرک:"ماکنا نعمل من سوء" (النحل 28)

قتل اور شکست"لم یمسسھم سوء" (آل عمران 174)

9 عذاب:"ان الخزی الیوم والسو"

"علی الکافرین (النحل 27)"

(الصلواہ)

تائی علی اوجہ یہ بھی کئی وجوہ پر آتا ہے۔

(1)پانچ نمازیں:"یقیمون الصلواہ" (البقرہ 3)

(2)نماز عصر:"تحبسونھا من بعد الصلاہ" (المائدہ 104)

(3)نماز جمعہ:"اذا نودی للصلواہ" (الجمعہ 52)

(4)جنازہ:"ولا تصل علی احد منھم" (التوبہ 84)

(5)دعاء:"وصل علیھم"(التوبہ 103)

(6)دین:"اصلوتک تامرک"(ھود 87)

(7)قراۃ:"ولا تجھر بصلاتک"(الاسراء 110)

(8)رحمت واستغفار:"ان اللہ وملائکتہ

يصلون على النبی" (الحزاب 54)

الرحمہ وردت علی اوجہ

(1) اسلام: "یختص بر حمتہ من یشاء"

(2) ایمان: "و آتانی رحمۃ من عندہ" (ھود 28)

(3) جنت: "ففی رحمتہ اللّٰہ ھم فیھا خالدون" (آل عمران 107)

(4) بارش: "بشرا بین یدی رحمتہ" (الاعراف 57)

الفتنہ وروت علی اوجہ

(1) شرک: "والفتنہ اشد من القتل" (البقرہ 191)

(2) گمراہ کرنا: "ابتغاء الفتنہ" (آل عمران 7)

(3) قتل: "ان یفتنکم الذین کفروا" (النساء 101)

(4) معذرہ: "ثم لم تکن فتنھم" (انعام 23)

(5) قضاء: "ان ھی الا فتنک" (اعراف 115)

(6) مرض: "یفتنون فی کل عام" (التوبہ 126)

(7) عبرت: "لا تجعلنا فتنہ" (یونس 85)

الروح ورد علی اوجہ

(1) امر: (حکم) "وروح منہ" (النساء 171)

(2) وحی: "ینزل الملٰئکتہ بالروح" (النحل 2)

(3) قرآن: "اوحینا الیک روحا من امرنا" (الشوری 52)

(4) جبریل: "فارسلنا الیھا روحنا" (مریم 17)

(5) روح بدن: "ویسئلونک عن الروح" (الاسراء 58)

الذکر

(1)ذکر لسان: "فاذکروا اللہ کذکرکم اباء کم" (البقرہ 200)

(2)حفظ (یاد کرنا) "واذکروا مافیہ"

(3)طاعت اور جزاء: "فاذکرونی اذکرکم" (البقرہ 152)

(4)بات: "اذکرنی عند ربک ای حدثہ بحالی" (یوسف 42)

(5)قرآن: "ومن اعرض عن ذکری" (طٰہٰ 124)

(6)شرف (عزت) "وانہ لذکر لک" (الزخرف 44)

(7)عیب: "اھذاالذی یذکر الھتکم" (الانبیاء 36)

(8)لوح محفوظ: "من بعد الذکر" (الانبیاء 105)

(9)ثناء "وذکرو اللہ کثیرا" (الاحزاب 227)

(10) نماز: "ولذکر اللہ اکبر" (العنکبوت 95)

فوائد

○ ابن فارس نے کتاب الافراد" میں بیان کیا ہے"

قرآن مجید میں تمام مقامات پر لفظ (الأسف) رنج اور غم کے معنی میں استعمال ہوا ہے مگر ایک جگہ "فلما اسفونا" میں اس کے معنی ہیں اغضبونا یعنی انہوں نے ہمیں غضبناک کیا اور غصہ دلایا۔

○ اور لفظ "بروج" قرآن پاک میں جہاں بھی ذکر ہوا ہے اس سے کواکب (ستاروں کے برج) مراد ہیں سوائے "ولوکنتم فی بروج مشیدہ" کہ اس میں بروج کے معنی مضبوط اور عالی شان محل ہیں۔

○ برو بحر

قرآن پاک میں جہاں بھی بحروبر کا ذکر آیا خشکی اور دریا کے معنوں میں استعمال ہوئے ہیں مگر "ظهر الفساد فی البرو البحر" میں ان سے صحرا اور بستیاں مراد ہیں

"بعل":- یہ لفظ عام طور پر شوہر کے معنی میں استعمال ہوت ہے مگر "اتدعون بعلا"" میں اس سے مراد ایک بت کا نام ہے۔

"الدحض":- قرآن مجید میں یہ لفظ جہاں آیا ہے اس سے مراد باطل لیا گیا مگر " فکان من المدحضین" میں اس کے معنی ہیں جو قرعہ اندازی میں نکلے ہیں۔

"الرجم":- رجم کا لفظ ہر جگہ "قتل" کے معنی میں استعمال ہوا ہے مگر "لا رجمنک" میں اس کا معنی گالی گلوچ ہے اور "رجما" بالغیب" کی مثال میں اس سے ظن اور انکل بچو کے معنی مراد ہیں۔

"شہید":- مقتولوں کے ذکر کے ساتھ آنے کے علاوہ دیگر جہاں بھی کہیں "شہید" کا لفظ قرآن پاک میں ذکر ہوا ہے اس سے لوگوں کے معاملات میں گواہی دینے والا شخص مراد ہے مگر "وادعوا شهداء کم" میں اس سے مراد یہ ہے کہ اپنے شریکوں کو بلاؤ

"اصحاب النار":- اس سے ہر جگہ اہل دوزخ مراد ہیں مگر "وما جعلنا اصحاب

النار الا ملئکۃ" میں دوزخ کے محافظ و نگران فرشتے مراد ہیں۔

"نباء":- قرآن مجید میں نباء کا لفظ ہر جگہ بمعنی خبر آیا ہے مگر "فعمیت علیہ
الانباء" میں اس سے دلائل اور حجتیں مراد لیا گیا ہے۔

"بعد":- ابن خالویہ کا بیان ہے کہ قرآن پاک میں لفظ "بعد" بمعنی "قبل" صرف
ایک مقام پر استعمال ہوا ہے اور وہ ہے "ولو کتبنا فی الزبور من بعدالذکر
مغلطائی نے کتاب المیسر میں کہا ہے کہ ہم نے ایک جگہ اور بھی دریافت کیا ہے وہ
قولہ "والارض بعد ذلک دحاھا"

ابو موسیٰ نے "کتاب المغیث" میں کہا ہے کہ اس جگہ "بعد" کا معنی ہے۔

"قبل":- اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے زمین کو دو دن میں پیدا فرمایا پھر
آسمانوں کی تخلیق کا قصد فرمایا (یا ان کو درست فرمایا) سو اس اعتبار سے زمین کی تخلیق
آسمانوں کی تخلیق سے قبل (پہلے) ہوئی ہے (ختم شد)

○ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ اور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس موضوع
کچھ باتیں منقول ہیں۔

چنانچہ امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن ابی حاتم وغیرہ نے دراج کے طریق پر
بواسطہ ابوالہیثم، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے وہ بیان
کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"کل حرف فی القرآن یذکر فیہ القنوت فھو الطاعہ" قرآن مجید میں
جہاں کہیں "قنوت" کا ذکر ہوا ہے اس سے طاعت (عبادت) مراد ہے

اس حدیث کی سند جید ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

ابن ابی حاتم نے عکرمہ کے طریق پر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ
روایت کی ہے کہ "قرآن پاک میں لفظ" "الیم" جہاں بھی کہیں آیا ہے اس کا معنی
موجع یعنی دردناک۔

اور ضحاک کے طریق پر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے انہوں

فرمایا کتاب اللہ میں کلمہ "رجز" ہر جگہ عذاب کے معنی میں آیا ہے۔

سعد بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ "قرآن مجید میں ہر جگہ" "تسبیح" سے نماز مراد ہے اور لفظ "سلطان" جہاں بھی آیا ہے قرآن میں اس سے مراد دلیل و حجت ہے۔

ابن ابی حاتم عکرمہ کے طریق پر ابن عباس سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان فرمایا "دین" کا لفظ قرآن میں ہر جگہ "حساب" کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

ابن ابی حاتم وغیرہ نے حضرت ابی بن کعب سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ "قرآن مجید میں "ریح" کا لفظ ہر جگہ عذاب کے معنوں میں آیا ہے

ابو مالک سے روایت ہے کہ قرآن مجید میں "وراء" کا لفظ ہر جگہ "امام" یعنی آگے اور سامنے کے معنی میں آیا ہے مگر دو مقام پر یہ لفظ "سوا" کے معنی میں استعمال ہوا وہ دو مقام یہ ہیں

اول فمن ابتغی وراء دلک یعنی سوی دلکروم "واحل لکم ما وراء ذالکم" یعنی سوی ذ لکم

ابو بکر بن عیاش بیان کرتے ہیں

"قرآن مجید میں جہاں (کسفا) آیا ہے اس سے مراد عذاب ہوتا ہے اور جہاں کہیں (کسفا") آیا اس سے مراد بادل کا ٹکڑا ہے۔

ابن جریر نے ابو روق سے روایت کیا ہے کہ "قرآن مجید میں صیغہ جعل بمعنی خلق استعمال ہوتا ہے

صحیح بخاری میں سفیان بن عینیہ سے مروی ہے کہ "اللہ تعالی نے قرآن مجید میں جہاں کہیں مطر کا نام لیا ہے اس سے عذاب مراد ہے اور اہل عرب بارش کو غیث کہتے ہیں۔

علامہ سیوطی رحمتہ اللہ نے کہا ہے کہ ایک مقام مذکورہ بالا قاعدہ سے مستثنیٰ ہے کہ وہاں "مطر" سے بارش ہی مراد ہے وہ مقام یہ ہے "ان کان بکم اذی من مطر"

کیونکہ اس میں مطر سے مراد بارش ہے۔

ابو عبیدہ نے کہا کہ جہاں پر مطر سے مراد عذاب لیا گیا ہے وہاں بصیغہ امطرت استعمال ہوا ہے اور جہاں اس سے مراد رحمتہ ہوتی ہے وہاں "مطرت" کے صیغہ کے ساتھ آتا ہے

سفیان بن عینیہ سے مروی ہے کہ قرآن مجید میں جس جگہ "وما یدریک" آیا ہے وہاں اللہ تعالی نے کوئی خبر نہیں دی ہوتی اور جہاں پر فرمایا "وماادراک" وہاں بتا بھی دیا کہ وہ کیا چیز ہے

نوٹ:۔ مذکورہ بالا مسائل میں زیادہ تر مقامات پر بیان کرنے والوں نے کسی لفظ کا معنی بیان کرتے ہوئے "کل شئی فی القرآن کذاوکذا" کے قول کے ساتھ بیان کیا ہے تو واضح رہے کہ لفظ کل سے ان کی مراد ہوتی ہے اکثر و بیشتر اور غالب طور پر ورنہ بہت سی جگہوں بعض امور مستثنیٰ بھی ضرور ہیں۔

اعراب قرآن کی پہچان

ابوعبید نے اپنی کتاب "فضائل" میں امیرالمومنین حضرت عمربن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا "تعلموا اللحن والفرائض والسنن کما تعلمون القرآن" تم "لحن" (لب و لہجہ اور تلفظ کی درستی) فرائض اور سنن کو اسی طرح سیکھو جس طرح قرآن پاک کو سیکھتے ہو"

یحی بن عتیق کا بیان ہے کہ میں نے حسن سے کہا اے ابو سعید! کیا عربی زبان کی تعلیم آدمی محض اس لئے حاصل کرتا ہے کہ اس ذریعے سے اپنا لب و لہجہ خوبصورت بنائے، اور قرآن پاک کو صحیح طرح سے پڑھ سکے۔ حسن رحمتہ اللہ علیہ نے جواب دیا" اے بھتیجے! تم اس کو ضرور سیکھو کیونکہ اگر ایک شخص کسی آیت کو پڑھتا ہو مگر اس کی وجہ کے نہ معلوم ہونے سے عاجز رہ جائے تو غلطی میں پڑ کر اس کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہے" جو شخص قرآن پاک کا مطالعہ کرتا ہے اور اس کے اسرار کو معلوم کرنا چاہتا

ہے اس پر لازم ہے کہ وہ ہر کلمہ میں نظر و فکر کرے، صیغہ کی شناخت اور اس کے استعمال کا موقع محل جاننے کی کوشش کرے اور یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ یہ مبتداء ہے یا خبر، فاعل ہے یا مفعول ہے کلام ابتدائی ہے یا کسی سابق کلام کا جواب ہے اور اسی طرح کی دیگر باتوں کو معلوم کرنے کی جدوجہد کرے جو لوگ قرآن مجید کے مفاہیم اور معانی و مطالب جاننا چاہتے ہیں ان پر حسب ذیل امور کی رعایت رکھنا واجب ہے۔

اول:۔ سب سے پہلے تو اس شخص کے لئے جس کلمہ کو وہ مفرد یا مرکب قرار دیکر اعراب دینا چاہتا ہے اعراب دینے سے پہلے اس کا معنی سمجھنا ضروری ہے کیونکہ اعراب معنی کی فرع ہے اسی وجہ سے سورتوں کے فواتح (آغاز کے الفاظ) پر اعراب دینا جائز نہیں کیونکہ ان کے معنی معلوم نہیں اور یہ بات ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ان کا تعلق متشابہات کی اس قسم سے ہے جس کا حقیقی علم اللہ تعالی نے صرف اپنے لئے مخصوص رکھا ہے

ابن ہشام کا قول ہے کہ

بہت سے معربین (یعنی اعراب دینے والے یا علم اعراب کے عالموں) سے اس لئے لغزش ہوئی کہ انہوں نے اعراب دینے میں محض ظاہر لفظ کی رعایت کی اور معنی کے موجب کا خیال نہیں کیا۔

اس کی مثال اللہ تعالی کا یہ قول ہے "اصلوٰتک تامرک ان نترک ما یعبد آباؤنا او ان نفعل فی اموالنا مانشاء" (ھود 87) کہ اس آیت کے الفاظ سے بظاہر ذہن پہلے اسی طرف جاتا ہے کہ "ان نفعل" کا عطف "ان نترک" ہی پر ہے حالانکہ یہ بات غلط ہے کیونکہ انہوں (حضرت شعیب علیہ السلام) نے ان لوگوں کو ہرگز یہ ہدایت نہیں کی تھی کہ وہ اپنے اموال میں جو چاہیں کرتے پھریں، بلکہ وہ تو صرف "ما" پر عطف ہے، جس کے لحاظ سے وہ "ترک" کا معمول ہے اور کلام کے معنی ہیں "ان نترک ان نفعل" یعنی کیا ہم اس بات کو ترک کر دیں کہ اپنے مال کو حسب منشاء صرف کریں؟ مذکورہ بالا وہم کا منشاء اور اس کے پیدا ہونے کا سبب یہ ہے کہ اعراب

دینے والا بظاہر"ان" اور "فعل" کو دو مرتبہ مذکور دیکھتا ہے اور ان کے درمیان حرف عطف بھی پاتا ہے لہٰذا وہ غلطی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

دوم:۔ مقتضائے صناعت کی رعایت رکھنا بھی ضروری ہے کیونکہ بعض اوقات معرب کسی صحیح وجہ کو ملحوظ رکھنے کے ساتھ صناعت کی صحت پر غور نہیں کرتا اور اس طرح وہ غلطی کا شکار ہو جاتا ہے اس قسم کی مثالوں میں سے اللہ تعالیٰ کا قول "وثمود فما ابقی" ہے کہ بعض علماء نے "ثمود" کو مفعول مقدم بتایا ہے مگر یہ بات ممتنع ہے کیونکہ "ما" نافیہ صدارت کلام کو چاہتا ہے لہٰذا اس کا مابعد اس کے ماقبل میں کوئی عمل نہیں کرتا، بلکہ یہاں (ثمود) کے منصوب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اپنے ماقبل قول" واھلک عاداالاولی" کے "عادا" پر معطوف ہے یا دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ " ثمود" فعل مقدر کی بناء پر منصوب ہو تقدیر عبارت یوں ہو گی "واھلک ثمود"

اسی طرح کسی دوسرے شخص کا قول آیت مبارکہ "ملعونین اینما ثقفوا" کے بارے میں کہ "ملعونین" ثقفوا یا اخذوا فعل کے معمول سے حال واقع ہونے کی بناء پر منصوب ہے، لیکن یہ باطل ہے کیونکہ حال کے عامل کے لئے شرط ہے کہ وہ مقدم ہو صحیح بات یہ ہے کہ "ملعونین" فعل ذم مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔

سوم:۔ معرب کو دور از کار امور کا، کمزور توجیہات اور لغات شاذہ سے اجتناب کرنا چاہئے، اسے چاہیے کہ قریب، قوی اور فصیح طریقے پر اعراب کا اخراج کرے البتہ اگر اس پر وجہ بعید کے سوا کوئی وجہ ظاہر ہی نہ ہو تو پھر وہ معذور سمجھا جائے گا۔ اگر تمام وجوہ محتملہ کو بایں ارادہ ذکر کیا جائے کہ اس سے عجیب اور نادر وجوہ کا اظہار ہو گا اور تکثیر کا فائدہ حاصل ہو گا تو یہ سخت مشکل طریقہ ہے۔

یا محتمل وجہ کے بیان کرنے اور طالب العلم کی تربیت اور مشق کے لئے ایسا کیا تو یہ اچھی بات ہے مگر ایسا کرنا قرآن پاک کے علاوہ عبارات میں روا ہے الفاظ قرآن میں یہ جائز نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید کو بجز اس وجہ کے جس کا ارادہ ظن غالب کے لحاظ سے پایا جائے کسی دوسری وجہ پر روایت کرنا درست نہیں ہے۔

ہاں اگر کسی خاص وجہ کا گمان غالب حاصل نہ ہو تو پھر احتمالی وجوہ کو بغیر کسی بناوٹ اور مکلفات کے ذکر کیا جا سکتا ہے۔

چنانچہ اسی وجہ سے جس شخص نے اللہ تعالی کے قول "فلا جناح علیه ان یطوف" میں "جناح" اور "علیه" پر اغراء قرار دے کر وقف کیا ہے اس کے قول کو غلط قرار دیا گیا ہے اس لئے کہ غائب کا اغراء ضعیف ہے۔

اور جس شخص نے اللہ تعالی کے قول " تما ما علی الذی احسن" میں "احسن " کو رفع کے ساتھ پڑھنے کی وجہ یہ بتلائی کہ یہ دراصل "احسنوا" تھا پھر واؤ کو حذف کر دیا اور اس کے بدلہ میں ضمہ کو (واؤ محذوف پر دلالت کے لئے) کافی سمجھا کہ اشعار میں ایسا جائز ہوتا ہے اس کا قول غلط اور مردود قرار دیا گیا ہے"

احسن" کے مرفوع ہونے کی صحیح وجہ یہ ہے کہ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے تقدیر کلام اس طرح ہے "ھو احسن"

اسی طرح آیت کریمہ " لیذھب عنکم الرجس اھل البیت" میں "اھل" کو اختصاص کی بنا پر منصوب قرار دینا غلط ہے۔

کیونکہ ضمیر مخاطب کے بعد اختصاص کا آنا ایک امر ضعیف ہے رہا یہ امر کہ پھر اھل کو نصب کس لحاظ سے آیا؟ تو درست بات یہ ہے کہ منادی مضاف ہے

چہارم:۔ اعراب دینے والے شخص کو چاہئے کہ ظاہری طور پر لفظ جتنی بھی وجوہ کا احتمال رکھتا ہو وہ ان تمام وجوہ کا احاطہ کرے چنانچہ وہ سبح اسم ربک الاعلی "" ایسی مثال میں بیان کرے کہ اس میں لفظ "الاعلی" لفظ "اسم" اور لفظ "رب" دونوں کی صفت واقع ہو سکتا ہے۔

اور اسی طرح اللہ تعالی کا قول " ھدی للمتقین الذین" میں تین صورتیں جائز ہیں (1) تابع ہو (2) مقطوع ہو اور فعل مقدر "اعنی" یا "امدح" کی وجہ سے منصوب ہو اسی (3) مبتداء مقدر "ھو" کی خبر ہونے کی بنا پر مرفوع (محلا") ہو

پنجم:۔ معرب پر لازم ہے کہ وہ رسم الخط کی رعایت بھی کرے یہی وجہ ہے کہ جس

شخص نے " سلسبیلا" " کو "جملہ امریہ" قرار دیتے ہوئے کہا کہ اس کا معنی ہے" سل طریقا موصله الیها" (کوئی ایسا راستہ دریافت کرو جو منزل تک پہچانے والا ہو) اس شخص کو خطا کار قرار دیا گیا ہے اور اس کا قول مردود ہے کیونکہ اگر فی الواقع یہی بات ہوتی تو لکھنے میں "سل سبیلا" جدا جدا کر کے لکھا جاتا موجودہ رسم الخط کو نہ اختیار کیا جاتا اور وہ شخص بھی غلطی پر ہے جو کہتا ہے کہ اللہ تعالی کے قول "ان هذان لساحران" میں "ان" "در اصل" "ان" ہے اور "ھا" ضمیر اس کا اسم ہے یعنی "ان القصه" (قصہ یہ ہے) "ذان" مبتداء اور "لساحران" اس کی خبر دونوں مل کر پورا جملہ ان کی خبر واقع ہے۔ یہ اس لئے باطل ہے کہ ان کو منفصلہ اور "حذان" کو متصلہ لکھا گیا ہے ورنہ اس شخص کے قول کے مطابق جملہ اس رسم الخط میں نہ لکھا ہوتا۔

اسی طرح "ایهم اشد" میں "هم" اور "اشد" کو مبتداء اور خبر کہنا اور "ای" کو مقطوع عن الاضافۃ قرار دینا بھی اسی لئے درست نہیں ہے کہ رسم الخط اس قول کی تردید و تکذیب کر رہا ہے کیونکہ "ایهم متصله" کر کے کتابت شدہ ہے۔

اور آیت کریمہ "واذا کالوهم او وزنوهم یخسرون" کے متعلق یہ بیان کرنا کہ "هم" اس میں ضمیر رفع اور واؤ جمع کی تاکید ہے یہ بات بھی غلط ہے اس لئے کہ اس آیت میں دو مقام پر واؤ کے بعد الف نہیں لکھا گیا ایسا رسم الخط قول مذکور کی تکذیب کرتا ہے اور درست بات یہ ہے کہ "هم" مفعول واقع ہے

ششم:۔ کتاب اللہ میں لفظ زائد کا اطلاق کرنے سے بچنا چاہئے کیونکہ زائد لفظ کا بسا اوقات یہ مفہوم لیا جاتا ہے کہ اس کا کوئی معنی ہی نہیں ہے اور قرآن پاک اس بات سے منزہ ہے۔

اسی بات سے گریز کرتے ہوئے بعض علماء نے قرآن حکیم میں کسی حرف کو زائد کہنے کی بجائے ایسے مواقع پر زائد حرف کی تعبیر تاکید صلہ اور مقحم ایسے لفظوں سے فرمائی ہے۔

ابن الخشاب نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں لفظ زائد کے اطلاق کے جواز یا عدم جواز کی بابت علماء کا اختلاف ہے۔

جمہور علماء کا قول جواز کا ہے اس لحاظ سے کہ قرآن مجید کا نزول اہل عرب کی زبان اوران کے محاورہ اور بول چال کے مطابق ہوا ہے اور عربی کلام میں حروف کی زیادتی حذف کے مقابلہ میں مسلم ہے اس لئے جس طرح حذف کو اختصار اور تخفیف کی غرض سے جائز خیال کیا جاتا ہے' ویسے ہی زیادتی کو تاکید اور توطئہ کے لئے درست اور روا مانا جائے گا۔

اور بعض لوگوں نے قرآن مجید میں زائد حرف کے جواز کا انکار کیا ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ جن الفاظ کو زائد ہونے پر محمول کیا گیا ہے وہ بھی کچھ خاص معانی اور فوائد کے لئے آئے ہیں اس لئے ان پر زائد ہونے کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا

ابن الخشاب نے مزید کہا ہے کہ تحقیق یہ ہے اگر حرف کی زیادتی سے کسی ایسے معنی کا ثبوت مقصود ہے جس کی کوئی حاجت نہیں ہے تو یہ زیادتی باطل ہے کیونکہ ایسی زیادتی عبث اور فضول ہوتی ہے پس یہ بات طے ہو گئی کہ ہمیں اس زیادتی کی حاجت ضرور ہے یہ الگ بات ہے کہ تمام اشیاء کی طرف ضرورت ایک جیسی اور برابر نہیں ہوتی بلکہ مقاصد کے مختلف ہونے سے کم و بیش ہو سکتی ہے لہٰذا وہ لفظ جس کو یہ لوگ زائد شمار کرتے ہیں اس کی حاجت تو ہے مگر اتنی نہیں ہے جتنی اس کی ہے جس پر زیادتی کی گئی ہے۔ یعنی مزید علیہ کی بہ نسبت مزید کم ضروری ہے۔

علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں

اگر مقتضائے فصاحت و بلاغت کو دیکھا جائے تو اس کے پیش نظر ثابت ہو گا کہ مزید اور مزید علیہ دونوں لفظوں کی ایک ایسی حاجت ہوتی ہے۔

تنبیہہ:۔ ابو عبیدؒ نے فضائل القرآن میں کہا ہے کہ ہم سے ابو معاویہ نے ہشام بن عروہ کے واسطہ سے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت عروہ نے کہا میں نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے اللہ تعالی کے قول "والمقیمین الصلاہ والموتون

الزکوٰۃ" اور اللہ تعالی کے قول" ان الذین آمنوا والذین ھادوا والصابئون" کی بابت دریافت کیا کہ ان میں لحن قرآن(لوگوں کو غلطی) کیوں کر واقع ہوئی۔

تو ام لمومنین نے فرمایا۔

اے بھانجے! یہ کتابت کا معاملہ ہے اور یہ سب کچھ کاتب حضرات کی کارگزاری ہے کہ انہوں نے لکھنے میں غلطی کی ہے اس حدیث کی اسناد شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

ابو عبید ہی کا قول ہے کہ "ہم سے حجاج نے ھارون بن موسی کے واسطہ سے بیان کیا ہے کہ مجھے زبیر بن الحریث نے حضرت عکرمہ کے واسطہ سے خبر دی کہ عکرمہ نے فرمایا۔

"جس وقت مصاحف کتابت کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کی خدمت میں پیش کئے گئے تو حضرت عثمان نے کچھ حروف کی ان میں غلطی پائی "فرمایا" ان میں تبدیلی کی ضرورت نہیں کیونکہ اہل عرب خود ہی ان کو بدل لیں گے اور تصیح کر لیں گے یا انہوں نے فرمایا کہ عرب اپنی زبانوں سے ان کے اعراب کی اصلاح کر لیں گے۔

اس روایت کو ابن الانباری نے اپنی کتاب "الرد علی من خالف مصحف عثمان" میں اور ابن اشتہ نے "کتاب المصاحف" میں بھی درج کیا ہے۔

پھر ابن الانباری اسی طرح کی روایت عبد الاعلی بن عبداللہ بن عامر کے طریق سے اور ابن اشتہ نے بھی ایسی روایت یحی بن یعمر کے طریق سے بیان کی ہے۔

ابو عبید ابو بشر کے طریقے سے سعید بن جبیر سے روایت کرتے ہیں کہ وہ" المقیمین الصلواہ" پڑھتے اور فرماتے تھے کہ "ھو لحن الکتاب" یہ کتابت کی غلطی ہے

یہ آثار اور اقوال کئی وجہ سے آدمی کو عجیب شش و پنج اور مشکل میں ڈال دیتے ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ بھلا صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کے متعلق کیونکر یہ گمان

کیا جا سکتا ہے کہ وہ فصحاء عرب ہو کر روزمرہ گفتگو میں لحن کے مرتکب ہوں گے چہ جائے کہ قرآن پاک میں

دوسرے ان کی نسبت یہ گمان کیسے کیا جا سکتا ہے کہ جنہوں نے قرآن کو خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے نزول کے مطابق سیکھا اسے یاد رکھا اس کے ایک ایک شوشہ تک کو بڑی مضبوطی کے ساتھ محفوظ رکھا اس کی مشق کی اور زبانوں پر جاری کیا' اس میں ان سے تلفظ کی غلطی واقع ہونا بالکل قرین قیاس نہیں ہے تیسرے یہ کیونکر گمان کر سکتے ہیں کہ وہ پڑھنے اور لکھنے میں اسی لفظی خطا پر سب کے سب قائم رہے۔

چوتھے یہ امر بھی بعید از عقل ہے کہ ان کو اس غلطی پر آگاہی کیوں نہ ہوئی اور پھر انہوں نے اس غلطی سے رجوع کیوں نہ کیا! پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کے متعلق یہ گمان کیسے کر سکتے ہیں کہ انہوں نے غلطی پر متنبہ ہو کر بھی اس کو درست کرنے سے منع کر دیا ہو اور اس پر طرہ یہ کہ پھر اسی غلطی پر قرات کو جاری و ساری رکھا گیا حالانکہ قرآن سلف سے خلف تک بطریق تواتر مروی آ رہا ہے

غرضکہ یہ بات عقل' شرع اور عادت ہر ایک حیثیت سے محال نظر آتی ہے

علماء نے اس اشکال کے کئی حل بتائے اور جواب دیئے ہیں۔

اول:۔ یہ کہ اس روایت کی صحت حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ سے ثابت نہیں ہوتی اس کے اسناد ضعیف' مضطرب اور منقطع ہیں۔

اور پھر سوچنے کی بات یہ ہے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ نے لوگوں کے لئے ایک واجب الاقتداء امام (قرآن مجید کا سرکاری نسخہ) تیار کیا تھا لہذا یہ کیسے ہو سکتا تھا وہ دیدہ دانستہ غلطی کو محض اس وجہ سے باقی رہنے دیتے کہ اہل عرب خود ہی اس کو درست کرلیں گے

بہر حال جب ان لوگوں نے جن کو قرآن پاک کی جمع و تدوین کا کام سپرد کیا گیا تھا اور وہ منتخب اور اعلی درجہ کے فصیح اللسان اور ماہر تھے اس غلطی کی اصلاح نہیں کی اور اسے توں کا جوں رہنے دیا تو اور لوگوں کی کیا مجال تھی کہ وہ اس غلطی کو درست

کرتے

اور علاوہ ازیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کے عہد میں ایک ہی مصحف تو نہیں لکھا گیا تھا بلکہ متعدد مصاحف لکھے جانے کے بعد منظر عام پر آئے پھر اگر یہ کہا جائے کہ ان تمام نسخوں میں لفظی غلطی واقع ہوئی تو عقل اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں کہ تمام کاتبوں نے لکیر کے فقیر بن کر اس غلطی پر اتفاق کر لیا ہو۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ بعض مصاحف میں غلطی رہ گئی تھی تمام میں یہ نقص نہ تھا تو اس دوسرے مصاحف کی صحت و درستی کا اعتراف پایا جاتا ہے حالانکہ ایسا قول کسی سے منقول نہیں ہوا کہ غلطی کسی ایک مصحف میں تھی اور دوسرے مصاحف میں نہ تھی بلکہ مصاحف میں تو سوائے وجوہ قرات کے اختلاف کے اور کوئی اختلاف کبھی آیا ہی نہیں اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ وجوہ قرات کا اختلاف کسی کے نزدیک بھی لحن اور لفظی غلطی شمار نہیں ہوتا۔

اور سب سے عمدہ اور خوبصورت جواب یہ ہے کہ سابق کے تمام وہ آثار اور اقوال جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کئے گئے ہیں ان میں تحریف کی گئی ہے یعنی بیان کرنے والوں سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کے الفاظ من و عن بیان نہیں ہو سکے جس طرح انہوں نے ادا کئے لہذا مذکور اشکال لازم آگیا۔

اس بات کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس کو ابن اشتہ نے سوار بن ہبشہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ حضرت ابن الزبیر رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں

"ایک شخص نے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ سے عرض کیا اے امیر المومنین! بے شک لوگوں میں قرآن مجید کے بارے میں بہت اختلاف پیدا ہو گیا ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے یہ سن کر ارادہ کیا تھا کہ وہ قرآن کو ایک ہی قرات پر جمع کر دیں گے مگر اسی دوران میں ان کے خنجر کا زخم آگیا اور اس سے آپ کا وصال ہو گیا اور یہ کام ادھورا رہ گیا"

اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت کے بعد جب عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کادور خلافت آیا تو اسی شخص نے (جس نے خلیفہ دوم کو قرآن پاک کا اختلاف ختم کرنے کے لئے عرض کیا تھا) حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ سے بھی اس امر کی یاد دہانی کرائی چنانچہ آپ نے تمام مصاحف کو جمع کیا اور مجھے (ابن زبیر کو) ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی خدمت اقدس میں بھیجا چنانچہ میں ان کے پاس سے مصحف لے کر آیا اور ہم نے دوسرے تمام مصاحف کا ام المومین کے مصحف کے ساتھ مقابلہ کیا اور اس کے مطابق درست کر کے ایک صحیح مصحف تیار کر لیا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ نے حکم دیا کہ تمام دوسرے مصاحف جو اس کے علاوہ ہیں سب پھاڑ ڈالو چنانچہ اس حکم پر عمل کرتے ہوئے تمام مصاحف پھاڑ دیئے گئے۔

پھر ابن اشتہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں۔

"جب مصحف کی تیاری سے فراغت ہو گئی تو اسے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو انہوں نے دیکھنے کے بعد فرمایا"احسنتم واجملتم" تم نے بہت اچھا اور عمدہ کام کیا ہے" میں اس میں کچھ چیزیں دیکھتا ہوں کہ قابل اصلاح ہیں جس کو ہم اپنی زبانوں کے ساتھ درست کرلیں گے۔

فائدہ

ان حروف کا بیان جو تین وجوہ سے پڑھے گئے ہیں۔

اعراب، بناء یا اس کی مانند کسی تیسری وجہ سے اس کی قرات کی گئی ہے

اس موضوع پر احمد بن یوسف بن مالک الرعینی کی ایک نہایت عمدہ تالیف ہے اس کتاب کا نام "تحفتہ الاقران فیما قری بالتثلیث من حروف القرآن" ہے

مثالیں

الحمد للّٰہ:-میں حمد کے دال کو ابتداء (مبتداء ہونے) کے لحاظ سے رفع، مصدر (مفعول مطلق) کی بناء پر نصب دیا جاتا ہے اور اللہ کے لام کی حرکت کی اتباع میں دال کے کسرہ کے ساتھ بھی قرات کی جاتی ہے۔

رب العالمین:- لفظ "رب" کو اسم جلالت "اللہ" کی صفت قرار دے کر مجرور پڑھ سکتے ہیں اور اس سے قطع کرتے ہوئے مبتداء مقدر کی خبر مان لیں تو مرفوع اور فعل مقدر کا معمول یا منادی قرار دے کر نصب بھی آ سکتا ہے۔

الرحمن الرحیم:-ان دونوں لفظوں کی قرات تینوں وجوہ اعراب سے کی گئی ہے۔اثنتا عشرة عینا:-"ش" کے سکون کے ساتھ اور یہ تمیم کی لغت ہے، اس کے کسرہ کے ساتھ اور یہ حجاز کی لغت ہے اور "ش" کے فتحہ کے ساتھ جو کہ قبیلہ "بلی" کی لغت ہے

بین المرءِ:- میں میم کو تین حرکتوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے اس میں اتنی ہی لغات آئی ہیں

ذریة بعضها من بعض:- ذال کو تینوں حرکتوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے

واتقوا اللّٰہ تساءلون به والارحام:- میں (الارحام) کی میم کو اسم جلالت (اللہ) پر عطف کی وجہ سے منصوب پڑھا گیا ہے اور (بہ) کی ضمیر پر عطف ڈال کر مجرور قرات بھی آئی ہے۔ اور مبتداء قرار دے کر مرفوع بھی پڑھا گیا ہے اور اس کی خبر محذوف مانی گئی ہے۔ "یعنی والارحام ممایجب ان تتقوه وان تحتاطوالانفسکم فیه" ارحام بھی ان چیزوں میں سے ہیں جن کے حق میں خدا ترسی اور اپنے آپ کو محتاط بنانا واجب ہے

"لا یستوی القاعدون من المومنین غیر اولی الضرر" میں (غیر) کو (القاعدون) کی صفت بنا کر مرفوع اور (المومنین) کی صفت بنا کر مجرور اور استثناء کی بنا پر منصوب پڑھا گیا ہے۔

"وامسحوا بروسکم وارجلکم" میں (وارجلکم) کے لام کو "ایدی" پر عطف کے لحاظ سے نصب اور جوار وغیرہ کی وجہ سے جر اور مبتداء ہونے کی وجہ سے رفع کے ساتھ پڑھا گیا ہے مبتداء کی صورت میں اس کی خبر محذوف مانی جائے گی جس پر اس قرینہ اس کا ماقبل ہے۔

محکم اور متشابہ

ارشاد ربانی ہے

"ھوالذی انزل علیک الکتاب منہ آیات محکمات ھن ام الکتاب واخر متشابہات" (آل عمران 7)

ترجمہ:۔ وہی ہے جس نے آپ پر یہ کتاب اتاری اس کی کچھ آیتیں محکم ہیں (جن کے معنی صاف اور واضح ہیں) وہ کتاب کی اصل ہیں اور دوسری متشابہ ہیں (جن کے معنی میں اشتباہ ہے۔)

قرآن محکم ہے یا متشابہ؟

ابن حبیب نیشا پوری نے اس مسئلہ میں تین قول ذکر کئے ہیں۔

اول:۔ تمام قرآن محکم ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے "کتاب احکمت آیاتہ"

دوم:۔ سارا قرآن متشابہ ہے اس کی دلیل اللہ تعالی کا یہ قول ہے

"کتابا متشابہا مثانی"

سوم:۔ تیسرا اور یہی صحیح قول ہے کہ قرآن کی تقسیم محکم اور متاشبہ ان دو قسموں کی طرف کی جاتی ہے اس کی دلیل مذکورہ الصدر آیت کریمہ ہے اور اول اور دوم قول میں بطور دلیل جن دو آیتوں کو پیش کیا گیا ہے ان کا جواب یہ ہے کہ قرآن پاک کے محکم ہونے کا یہ مطلب ہے وہ اتنا پختہ کلام ہے کہ اس پر کوئی نقض وارد ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس میں اختلاف راہ پا سکتا ہے۔

اور دوسری آیت کریمہ میں جو قرآن کریم کو متشابہ کہا ہے تو اس سے مراد یہ ہے

کہ قرآن پاک کی آیات حق و صداقت اور اعجاز میں باہم ایک دوسرے سے ملتی ہیں اور متشابہ
محکم اور متشابہ کی تعیین میں مختلف اقوال ہیں۔

(1) محکم وہ کلام ہے جس کی مراد اپنے ظہور کی بناء پر یا تاویل کے ذریعے معلوم ہو جائے اور
متاشبہ اس کلام کو کہیں گے جس کا علم حقیقی اللہ تعالیٰ نے اپنے ہی لئے مخصوص کیا ہے۔ مثلاً
قیامت کے واقع ہونے کا وقت دجال کا خروج اور سورتوں کے اوائل میں حروف مقطعات ان تمام
امور کا ذاتی طور پر علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے

(2) محکم وہ کلام ہے جس کے معنی واضح ہوں اور جو اس کے برعکس ہے اس کو متشابہ کہتے ہیں

(3) جس کلام میں صرف ایک ہی وجہ پر تاویل کا احتمال ہو وہ محکم ہے اور جس میں کئی وجوہ سے
تاویل ہو سکے وہ متشابہ کہلاتا ہے

(4) محکم وہ کلام ہے عقل جس کے معنی کا ادراک کر سکے اور متشابہ اس کے برعکس ہے مثلاً
نمازوں کی تعداد' اور روزوں کا ماہ رمضان مبارک کے ساتھ ہی خاص ہونا اور شعبان میں نہ ہونا
یہ ماوردی رحمتہ اللہ کا قول ہے۔

(5) محکم وہ ہے جو مستقل بنفسہ ہو اور متشابہ وہ ہے جو مستقل بنفسہ نہ ہو اور اپنے معنی پر دلالت
کرنے میں غیر کا محتاج ہو

(6) محکم وہ ہے جس کی تاویل خود اس کی تنزیل ہے اور متشابہ وہ ہے جو تاویل کے بغیر سمجھ میں نہ
آئے۔

(7) محکم وہ ہے جس کے الفاظ میں تکرار نہ آئی ہو اور متشابہ اس کے برعکس ہے۔

(8) محکم عبارت ہے فرائض' وعد اور وعید سے اور متشابہ سے مراد قصص اور امثال ہیں۔

(9) ابن ابی حاتم نے علی بن ابی طلحہ کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے
روایت کیا ہے کہ

محکمات' قرآن مجید کے ناسخ' حلال' حرام' حدود' فرائض اور ان امور کا نام ہے جن پر ایمان
لایا جاتا ہے اور جن پر عمل کیا جاتا ہے اور متشابہات' قرآن کے منسوخ' مقدم' موخر' امثال' اقسام
اور ان چیزوں کو کہتے ہیں جن پر ایمان تو لایا جاتا ہے مگر عمل نہیں کیا جاتا۔

(10) عبد بن حمید نے ضحاک سے روایت کی ہے وہ بیان کرتے ہیں

"محکمات وہ (آیات) ہیں جو قرآن پاک میں سے منسوخ نہیں ہوئیں' اور متشابہ وہ ہیں جو
منسوخ کردی گئی ہیں

(11) ابن ابی حاتم مقاتل بن حبان سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا ہے "ہمیں جو بات پہنچی ہے اس کے مطابق متشابہات، الم، المص، المر اور الر ہیں

(12) ابن ابی حاتم نے کہا کہ عکرمہ اور حضرت قتادہ اور دیگر محدثین سے مروی ہے، کہ "محکم وہ کلام ہے جس پر عمل کیا جاتا ہے اور متشابہ وہ حصہ قرآن ہے جس پر ایمان تو لایا جاتا ہے مگر وہ معمول بہا نہیں ہے۔

فصل

یہ امر بھی مختلف فیہ ہے کہ قرآن پاک کے متشابہات کے علم پر مطلع ہونا ممکن ہے؟ یا اللہ تعالیٰ کے سوا اس کا علم کسی کو نہیں ہے؟

ان ہر دو اقوال کا منشاء دراصل ایک اور اختلاف پر مبنی ہے جو اللہ تعالیٰ کے قول " والراسخون فی العلم" کے بارے میں واقع ہوا ہے کیونکہ اس آیت مبارکہ کی ترکیب نحوی میں دو مختلف خیال پائے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ "والراسخون فی العلم" "یقولون " اس کا حال واقع ہوا ہے اور دوسرا خیال یہ ہے کہ "والراسخون فی العلم" مبتداء ہے اور "یقولون" اس کی خبر اور والراسخون میں جو واؤ ہے وہ استینانیہ ہے واؤ عاطفہ نہیں۔

پہلی رائے گنتی کے چند علماء کی ہے جن میں سے ایک مجاہد بھی ہیں اور یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔

چنانچہ ابن المنذر مجاہد کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے آیت کریمہ "وما یعلم تاوله الا اللہ والراسخون فی العلم" کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ "انا ممن یعلم تاویله" یعنی میں ان لوگوں میں سے ہوں جن کو متشابہات قرآن کی تاویل کا علم ہے۔

مگر صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین ان کے بعد والے علماء مفسرین خصوصاً" اہل سنت میں بکثرت علماء دوسرے قول کی طرف گئے ہیں اور یہ دوسرا قول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول اقوال میں سے سب سے زیادہ صحیح ہے۔

علامہ حافظ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

جمہور علماء کے مذہب کی صحت پر وہ روایت بھی دلالت کرتی ہے جس کو عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں اور حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے۔ کہ وہ یوں قرات کرتے تھے "وما یعلم تاویله الا اللہ ویقول الراسخون فی العلم آمنا به" (آل عمران آیت 7) اور جو لوگ علم میں پختہ ہیں وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان

لائے اور ان کی اصل مراد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پس یہ قرات دلالت کرتی ہے کہ
استینافیہ ہے اگرچہ اس روایت کا قرات ہونا ثابت نہیں ہوا لیکن پھر بھی کم از کم اس کو یہ
تو حاصل ہے کہ یہ صحیح اسناد کے ساتھ ترجمان القرآن (حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما)
مروی ہے اور ان کا قول ہے بہرحال ان کا قول دوسروں کے اقوال پر مقدم ہو گا۔

پھر اس کی تائید یوں بھی ہوتی ہے کہ خود آیت مبارکہ نے متشابہات کے پیچھے پڑنے والوں
مذمت کی ہے اور ان کو کج رو اور فتنہ پرداز کے وصف سے موصوف گردانا ہے اور دوسری طرف
جن لوگوں نے متشابہ کا علم اللہ تعالی کی طرف تفویض کیا ہے اور اس کو بطیب خاطر، بر سر
تسلیم کیا ہے ان کی اس طرح تعریف فرمائی ہے جیسے غیب پر ایمان لانے والوں کی ستائش کی ہے
اور امام فرا بیان کرتے ہیں کہ

بے شک ابی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہما کی قرات بھی "ویقول الراسخون" ابو
داوٗد "المصاحف" میں اعمش کے طریق سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ حضرت عبد اللہ
بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی قرات میں اس طرح ہے "وان تاویله الا عند الله
والراسخون فی العلم یقولون آمنا به"

امام بخاری، مسلم اور دوسرے محدثین نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا
روایت کیا ہے وہ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ "هوالذی
انزل علیک الکتاب" اللہ کے قول "اولوالالباب" تک تلاوت فرمائی ام المومنین
کرتی ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے
فاذارایت الذین یتبعون ماتشابه منه فاولئک الذین سمی الله فاحذروهم
یعنی پس جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو قرآن مجید کے متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں تو
رکھو) یہی وہ لوگ ہیں جن کا نام اللہ تعالی نے اس آیت میں لیا ہے ان لوگوں سے بچنا۔

طبرانی الکبیر میں ابومالک اشعری سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کو یہ بیان فرماتے سنا کہ "مجھے اپنی امت میں تین عادتوں کے پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے
تو یہ کہ ان کے پاس مال کی کثرت ہو جانا اور اس کی وجہ سے آپس میں حسد کرنا اور ایک دوسرے
کو قتل کرنا اور دوسرے یہ کہ "وان یفتح لهم الکتاب" تو مومن اس کو لیکر اس کی
کرنے لگے حالانکہ اللہ تعالی کے سوا اس کی تاویل کو کوئی نہیں جانتا (حدیث)

امام دارمی نے اپنی مسند میں سلیمان بن یسار سے روایت کی ہے
صبیغ نامی ایک مرد مدینہ منورہ آیا اور اس نے قرآن کے متشابہ کے بارے میں سوالات کرنا شروع

دیئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کو پتہ چلا تو آپ نے اس شخص کو بلا بھیجا اور آپ نے اس کو سزا دینے کے لئے کھجور کی خشک شاخیں منگوا کر رکھیں تھیں (جب وہ حاضر ہوا) تو آپ نے دریافت فرمایا تو کون ہوتا ہے؟ اس شخص نے کہا کہ "میں عبداللہ بن صبیغ ہوں" حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہما نے کھجور کی ایک شاخ اٹھا کر اس کے سر پر ماری جس سے اس کا سر لہولہان ہو گیا۔ اسی راوی سے دوسری روایت میں اس طرح منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اس کو کھجور کی شاخ سے مارا حتی کہ اس کی پشت کو زخمی کر کے چھوڑا اور جب وہ ٹھیک ہو گیا تو دوبارہ اسی طرح سزا دی اور جب اس دفعہ بھی اس کی چوٹیں صحیح ہو گئیں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے اس کو تیسری بار سزا دینا چاہا تو وہ شخص کہنے لگا۔

اگر تم مجھے جان سے ہی ختم کرنا چاہتے ہو تو اچھے طریقے سے مار دو اس روز روز کے سیاپے سے تو جان چھوٹے۔" یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اسے حکم دیا کہ اپنے وطن واپس چلا جائے۔

اور ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالی عنہ کو لکھا کہ اس شخص (صبیغ) کی مجلس میں کوئی مسلمان ہرگز نہ بیٹھے۔

غرضیکہ ان تمام احادیث اور آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ متشابہ قرآن کا علم صرف اللہ تعالی کو ہے اس کے سوا اسے (از خود) کوئی نہیں جان سکتا اور اس میں غور و خوض کرنا اچھا وطیرہ نہیں ہے۔

متشابہات کی حکمت

جب متشابہ کی معرفت سے انسان کو عاجز رکھا گیا ہے پھر اس کو قرآن مجید میں نازل کرنے کی حکمت کیا ہے؟

متشابہ کے علم سے عجز کے باوجود قرآن پاک میں اس کو اتارنے کی حکمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بعض علماء نے لکھا ہے کہ

○# "متشابہ کے حق ہونے کا اعتقاد رکھنے پر عقل انسانی کو اسی طرح آزمائش میں ڈالا گیا ہے جس طرح کہ بدن کو ادائے عبادت کی آزمائش اور امتحان میں مبتلا کیا گیا ہے۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ ایک حکیم (دانش مند) جس وقت کوئی کتاب تصنیف کرتا ہے تو بسا اوقات اس میں کچھ مقام مجمل رہنے دیتا ہے تاکہ وہ مقام طالب علم اور شاگرد کے لئے اپنے استاذ کے سامنے عاجز و مغلوب رہنے اور اس کے ادب و احترام کا سبب بنے' یا مثلاً" جیسے بادشاہ کوئی خاص علامت اختیار کرتا ہے اور اس کے ساتھ اپنے معتمد علیہ اور خاص راز دار کو ہی مطلع کرتا ہے ہر کس و ناکس کو اس سے آگاہ نہیں کرتا ہے۔ اور اس سے مقصود ان لوگوں کو اعزاز و شرف بخشا ہوتا ہے کہ یہ اس راز کے جاننے سے دوسروں سے ممتاز ہیں

کہا گیا ہے کہ اگر عقل جو سارے جسم میں معزز ترین ہے کو ابتلاء و امتحان میں نہ ڈالا جاتا عالم شخص کبھی بھی تکبر و غرور اور نخوت و سرکشی سے باز نہ آتا پس اسی بے بسی کی وجہ سے تو وہ اللہ رب العزت کی بارگاہ جلال میں سر جھکاتا ہے متشابہ قرآن ہی وہ مقام ہے جہاں عقلوں کو اپنے قصور اور کم مائیگی کا اعتراف کرتے ہوئے باری تعالی کے حضور سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے اور وہ جھکتی اور سرنگوں ہوتی ہیں۔

پھر آیت کے خاتمہ میں اللہ تعالی نے اپنے قول "وما یذکر الا اولو الالباب" کے ساتھ کجروؤں گمراہوں کی برائی کی ہے اور راسخین فی العلم کی تعریف بیان فرمائی ہے۔ یعنی جو لوگ نصیحت نہیں پکڑتے اور ان کے دلوں میں ڈر، خوف نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ نفس کی خواہشات بے جا کی مخالفت کرتے ہیں وہ عقل والے نہیں ہیں۔

اور اسی وجہ سے مضبوط علم والے بارگاہ ایزدی میں یوں دست بدعا رہتے ہیں کہ " ربنا لا تنزغ قلوبنا" آیت اور راسخین فی العلم اپنے خالق کے سامنے "علم لدنی" کے نزول کی استدعا کرتے ہیں اور نفسانی کجروی اور گمراہی سے اس کی پناہ میں رہنے کی دعا مانگتے ہیں۔

جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ متاشبہ قرآن میں خواہ مخواہ غور خوض کرنا اچھا نہیں

ہے تو پھر متشابہ کی تعریف اور اس کی تعین سے واقفیت ضروری ہے کیونکہ بہتر یہی ہے کہ جس چیز کو شارع نے پسند نہیں فرمایا اس کا انسان کو علم ہو تاکہ اس سے بچ سکے۔

علامہ خطابی بیان کرتے ہیں کہ

متشابہ کی دو قسمیں ہیں:۔ پہلی قسم یہ ہے کہ اگر اس کو محکم کے ساتھ ملا کر اوراس کی طرف راجع کر کے دیکھا جائے تو اس کا معنی معلوم ہو جائے اور دوسری قسم وہ ہے جس کی حقیقت کے معلوم ہونے کی کوئی سبیل نہیں ہے اس قسم کے متشابہ کی پیروی کرنا کجرو اور ٹیڑھے دل و دماغ والوں کا شیوہ رہا ہے کہ وہ اس کی تاویل کی ٹوہ اور کھوج میں لگے رہتے ہیں اور اس کی تہہ تک رسائی حاصل نہ کر سکنے کی وجہ سے شک و ارتیاب میں مبتلا ہو کر فتنہ کی دلدل میں پھنس جاتے ہیں۔

فصل

متشابہ کی قسم میں سے آیات صفات ہیں

ابن اللبان نے اس موضوع پر الگ ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے

آیات صفات کی مثالیں یہ ہیں "الرحمن علی العرش استوی"(2)"کل شئی هالک الا وجهه" (28 - 88) ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے اس کی ذات کے سوا

(3)"ویبقی وجه ربک"(55 - 27) اور باقی ہے آپ کے رب کی ذات

(4)"ولتصنع علی عینی"(20 - 39) اور تاکہ ہماری نگرانی میں آپ کی پرورش کی جائے

(5)"یداللّٰہ فوق ایدیهم"(48 - 10) ان کے ہاتوں پر اللہ کا ہاتھ ہے

(6)"والسموات مطویات بیمینه"(39 - 67) اور سب آسمان اسی کے دائیں دست قدرت سے لپٹے ہوئے ہونگے

جمہور اہل سنت جن میں سلف صالحین بھی ہیں اور تمام محدثین اس امر پر متفق ہیں کہ ان آیتوں پر ایمان رکھنا فرض ہے اور ان سے جو بھی معنی مراد ہے وہ اللہ تعالی کے سپرد کر دینا چاہیئے ہم باوجودیکہ ان آیات کے ظاہری معانی سے اللہ تعالی کو پاک اور

منزہ مانتے ہیں پھر بھی ان کی تفسیر نہیں کرتے۔

اہل سنت کے ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ ”ہم مشابہات کی تاویل ایسے امور کے ساتھ کرتے ہیں جو اللہ تعالی کے جلال اور عظمت کے شایان شان ہے“ اور یہ خلف کا مذہب ہے امام الحرمین بھی پہلے یہی مذہب رکھتے تھے بعد میں اس سے رجوع کرلیا اور سلف کا مذہب اختیار کرلیا چنانچہ وہ ”الرسالۃ النظامیہ“ میں لکھتے ہیں کہ

”جس چیز کو دین بنانے پر ہم راضی ہیں اور جس چیز کے ساتھ ہم اللہ تعالی کی اطاعت کا عہدو پیمان باندھتے ہیں وہ اسلاف کی اتباع ہے اور اسلاف کا طریقہ یہ رہا ہے کہ وہ آیات صفات کے معانی بیان کرنے کے درپے نہیں ہوئے

ابن الصلاح لکھتے ہیں

”اسلاف امت اور پیشوایان ملت نے یہی مذہب اختیار کیا جلیل القدر ائمہ فقہاء اور عظیم المرتبت محدثین نے بھی اسی طریق کو پسند کیا اور متکلمین میں سے کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا

ابن دقیق العید نے افراط و تفریط کو چھوڑ کر درمیانی راہ اختیار کی ہے وہ کہتے ہیں۔

” اگر تاویل ایسی کی جو اہل عرب کی زبان سے قریب ہے اور اس کو منکر نہیں ٹھہرایا گیا یا وہ تاویل بعید ہے بہرصورت ہم توقف کریں گے اور اگر روایت مل گئی تو اس کے معنی پر اسی طریق سے ایمان لائیں گے جس کا اس لفظ سے ارادہ کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی تنزیہ باری تعالی کا بھی ضرور لحاظ رکھیں گے۔

اور اگر ایسے الفاظ کے معانی اہل عرب کے طرز تخاطب اور عام بول چال کے لحاظ سے ظاہر اور معلوم ہوں گے تو ہم ان کو بغیر کسی توقیف کے تسلیم کرلیں گے اور ان کے قائل ہو جائیں گے جیسا کہ اللہ تعالی کے قول“ یا حسرتی علی مافرطت فی جنب اللہ“ میں لفظ ”جنب“ کو ہم اس معنی پر محمول کرتے ہیں کہ اس سے مراد ہے اللہ تعالی کا حق اور جو چیزیں اس کی طرف سے واجب ہیں۔

متشابہ کی دوسری قسم سورتوں کے اوائل ہیں (یعنی حروف مقطعات) ان کے بارے

میں بھی مختار مذہب یہ ہے کہ وہ ایسے اسرار ہیں جن کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

چنانچہ ابن المنذر اور دیگر محدثین نے شعبی سے روایت بیان کی ہے کہ ان سے سورتوں کے فواتح کی بابت دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا "ہر کتاب کا کوئی راز ہوتا ہے اور قرآن حکیم کا راز سورتوں کے فواتح ہیں۔"

بعض مفسرین نے سورتوں کے فواتح کے معانی میں غور و خوض بھی کیا ہے چنانچہ ابن ابی حاتم اور دیگر محدثین نے ابوالضحیٰ کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے قول "الم" کے متعلق روایت کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا ہے کہ اس کا معنی ہے "انا اللّٰہ اعلم" یعنی میں اللہ ہوں خوب جانتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے قول "المص" کے بارے میں کہا "انا اللّٰہ افصل" میں اللہ ہوں فیصلہ کرتا ہوں اور قول باری تعالیٰ "الم" کے متعلق بیان کیا کہ "انا اللّٰہ اری" (میں اللہ ہوں دیکھتا ہوں)

قرآن کے مقدم اور مؤخر مقامات

قرآن مجید کی جن آیات میں کلام کے اندر تقدیم و تاخیر واقع ہوئی ہے۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔

پہلی قسم وہ ہے جس کے معنی میں ظاہر کے اعتبار سے اشکال واقع ہوتا ہے لیکن جب معلوم ہو جائے کہ یہ تقدیم و تاخیر کے باب سے ہے تو اس کا معنی واضح ہو جاتا ہے۔ یہ قسم اس قابل ہے کہ اس کے متعلق الگ ایک کتاب لکھی جائے اور سلف نے بھی کچھ آیات میں اس کا ذکر کیا ہے۔

چنانچہ ابن ابی حاتم نے اللہ تعالیٰ کے اس قول " فلا تعجبک اموالھم ولا اولادھم انما یرید اللّٰہ لیعذبھم بھا فی الحیاۃ الدنیا" کے متعلق بیان کیا ہے کہ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "یہ آیت تقدیم کلام کی قسم سے ہے" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "لا تعجبک اموالھم ولا اولا دھم فی الحیاۃ الدنیا انما یرید

اللّٰہ لیعذبھم بھا ای فی الاخرۃ"

قتادہ ہی سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول "ولا کلمۃ سبقت من ربک لکان لزاما واجل مسمی" میں بھی تقدیم و تاخیر کلام ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "لولا کلمۃ واجل مسمی لکان لزاما"

اور مجاہد سے روایت ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے قول "انزل علی عبدہ الکتاب ولم یجعل لہ عوجا قیما" کے بارے میں فرمایا یہ بھی تقدیم و تاخیر کے باب سے ہے۔ اصل میں یوں ہے "انزل علی عبدہ الکتاب قیما ولم یجعل لہ عوجا" اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول "انی متوفیک ورافعک الی" میں بھی تقدیم و تاخیر واقع ہے اور بیان کیا کہ تقدیر عبارت یوں ہے "رافعک الی ومتوفیک"

حضرت عکرمہ بیان کرتے ہیں

آیت کریمہ "لھم شدید بما نسوا یوم الحساب" میں بھی تقدیم و تاخیر واقع ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے "لھم یوم الحساب عذاب شدید بما نسوا" ابن جریر ابن زید سے روایت کرتے ہیں کہ آیت "ولولا فضل اللّٰہ علیکم ورحمتہ لا تبعتم الشیطان الا قلیلا" بھی اسی قبیل سے ہے اس میں تقدیم تاخیر کی صورت اس طرح ہے "اذاعوا بہ الا قلیلا منھم ولولا فضل اللّٰہ علیکم ورحمتہ لم ینج قلیل ولا کثیر"

پھر اسی راوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے قول "قالوا ارنا اللّٰہ جھدہ" کے بارے میں نقل کیا ہے کہ ان لوگوں (بنی اسرائیل) نے جب اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا کہا تھا تو جہرہ دیکھنے کو کہا تھا یعنی ان کا سوال جھدہ دیکھنے کے بارے میں تھا تقدیر عبارت یوں ہے "قالوا جھدہ ارنا اللّٰہ" تو اس آیت میں بھی تقدیم و تاخیر واقع ہے ابن جریر نے کہا کہ ان کا سوال شور و غل کے ساتھ تھا

اور اسی قبیل سے ہے اللہ تعالیٰ کا یہ قول "افرایت من اتخذ الھہ ھواہ" کہ اس

کی اصل "هواه الهه" ہے یعنی جس شخص نے اپنی نفسانی خواہش کو اپنا معبود بنالیا ہے
اس لئے کہ جو شخص اپنے معبود ہی کو اپنا دلی خواہش بنائے تو اس کا یہ عمل قابل
مذمت نہیں ہے مگر اس آیت کریمہ میں مفعول ثانی الهه مقدم کر دیا گیا ہے کیونکہ اس
کی طرف خاص توجہ دلانا مقصود تھی اور ارشاد باری تعالی "والذی اخرج المرعی
فجعله غثاء احوی" پس "غثاء" کا معنی ہے خشک بھوسااور "احوی" کا اطلاق سبز
مائل بہ سیاہی پر ہوتا ہے۔ اور وہ خشک بھوسا تو بعد کو ہوتا ہے پہلے سبز اور بھرا ہوگا
لہذا سیاق عبارت اور اصل تقدیر یوں ہو گی "اخرج المرعی اخضر شدید
الخضرة فجعله جانا هشیما" اور اس میں تقدیم و تاخیر یوں ہوئی ہے کہ رعایت
فاصلہ (آیت کے آخر) کے لئے مرعی کی صفت احوی کو تاخر کر دیا اور غثاء کو مقدم کر
دیا گیا ہے۔

اور آیت کریمہ "وغرابیب سود" کہ اصل سود غرابیب ہے کیونکہ غربیب کا معنی
سیاہ فام ہے اور ارشاد باری تعالی ہے "فضحکت فبشرناها" کی اصل "فبشرنا
ها فضحکت ہے"

اور قول باری تعالی "ولقد همت به وهم بها لولا ان رای برهان ربه" اس
آیت میں بھی تقدیم و تاخیر واقع ہوئی ہے اصل یوں ہے "لولا ان رای برهان ربه لهم
بها" اس تقدر پر هم یعنی ارادہ برائی کی حضرت یوسف علیہ السلام سے نفی کبردی گئی
ہے۔

اور دوسری قسم کی آیات وہ ہیں جن میں کلام کی تقدیم و تاخیر تو واقع ہے مگر اس
کی وجہ سے معنی میں کوئی مشکل اور دقت پیدا نہیں ہوتی ہے۔

علامہ شمس الدین بن الصائغ نے اس قسم کے آیات کے بیان میں ایک کتاب "
المقدمه فی سر الالفاظ المقدمه" نامی تالیف کی ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں
کہ تقدیم و تاخیر کلام کی نسبت جو حکمت عام طور پر مشہور ہے وہ اہتمام کا اظہار ہے
جیسا کہ امام "سیبویہ" نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے کہ "اہل زبان کے نزدیک جو بات

بہت زیادہ اہم اور توجہ طلب ہوتی ہے اسے وہ مقدم کر دیتے ہیں"

اور پھر" سیبویہ" نے اپنے اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ حکمت تو اجمالی ہے ورنہ یوں کلام کے مقدم و مؤخر کرنے کی وجوہ اسباب اور اسرار و حکمتیں تفصیلی طور پر لکھی جائیں تو بہت ہیں

امام سیبویہ بیان کرتے ہیں کہ تقدیم و تاخیر کلام کے اسرار اور حکمتوں کو تلاش کیا تو خود میں نے قرآن حکیم میں اس کی دس انواع پائی ہیں اور حسب ذیل ہیں۔

اول تبرک:۔ (حصول برکت کے لئے) مثلاً" اہم اور ذیشان امور میں اللہ تعالی کے نام کو مقدم کرنا جیسے آیت کریمہ "شهد الله انه لا اله الا هو والملئکته واولوالعلم" (آل عمران 18) اور قول باری تعالی" واعلموا انما غنمتم من شئی فان لله خمسه وللرسول" (انفال 41)

دوم تعظیم:۔ مثلاً" اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے "ومن يطع الله والرسول" (النساء 69) اور جو اللہ اور (اس کے) رسول کی فرمانبرداری کرے

"ان الله وملائكته يصلون" (الاحزاب 56) بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں "والله ورسوله احق ان يرضوه" **سوم تشریف:۔** (عزت بخشنا) اس کی مثال مذکر مونث پر مقدم کرنا ہے جیسے

"ان المسلمين والمسلمات" میں ہے (الاحزاب 35) بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آزاد کو غلام پر مقدم کرنا جیسے اللہ تعالی کا فرمان ہے "الحر بالحر والعبد بالعبد والانثى بالانثى" ○ اور زندہ کو میت پر مقدم کرنا جیسے اللہ تعالی کا فرمان ہے "يخرج الحي من الميت" (الانعام 95) اور "وما يستوى الاحياء ولا الاموات" (فاطر 22) اور برابر نہیں زندے اور مردے

○ گھوڑے کو دوسرے سواری کے جانوروں پر مقدم کرنا جیسے آیت" والخيل والبغال والحمير لتركبوها" (النحل 8) اور گھوڑے اور خچر اور گدھے کہ ان پر سوار ہو

○ اور سماعت کو بصارت پر مقدم کرنا جیسے ان آیتوں میں ہے" وعلی سمعھم وعلی ابصارھم "(بقرہ 7) اور کانوں پر مہر کر دی اور ان کی آنکھوں پر گھٹا ٹوپ ہے

(2)"ان السمع والبصر والفوائد" (بنی اسرائیل 36) بے شک کان اور آنکھ اور دل

(3)"ان اخذ اللہ سمعکم وابصارکم"

ابن عطیہ نے نقاش کے متعلق نقل کیا ہے کہ انہوں نے اسی آیت سے استدلال کیا تھا کہ سمع، بصر سے افضل ہے اسی وجہ سے اللہ تعالی کی صفت میں "سمیع بصیر" یعنی سمیع، بصیر پر تقدمی کے ساتھ وارد ہے۔

○ اور اسی تشریف کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر دیگر انبیاء کرام علیہم السلام پر مقدم کرنے کی مثال ہے۔ اللہ تعالی کا یہ قول" واذاخذ من النبیین مثاقھم ومنک ومن نوح"

○ رسول کو نبی پر مقدم رکھنے کی مثال

"من رسول ولا نبی" ○ مہاجرین کی انصار پر تقدیم کی مثال۔

اللہ تعالی قول" السابقون الاولون من المھاجرین والنصار" ہے (التوبہ آیت 100) اور مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے سب سے پہلے ایمان لانے والے

○ انسان کی جن پر تقدیم جہاں بھی قرآن پاک میں انسان اور جن کا ذکر آیا انسان کا ذکر اس میں جن سے پہلے آیا ہے۔

○ سورت نساء کی آیت میں پہلے انبیاء کرام کا ذکر ہے ان کے بعد صدیقین کا اور پھر شہیدوں کا اور اس کے بعد صالحین کا ذکر فرمایا ہے۔

○ حضرت اسمعایل علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام پر مقدم رکھا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام پر ایک تو اس وجہ سے زیادہ بزرگی اور شرف حاصل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اولاد سے ہیں دوسرے وہ عمر میں بھی حضرت اسحاق علیہ السلام سے بڑے تھے۔

○ سورہ بقرہ کی آیت میں حضرت جبریل علیہ السلام کو حضرت میکائیل علیہ السلام پر مقدم کیا ہے کیوں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام میکائیل سے افضل ہیں۔

○ ذوی العقول کی غیر ذوی العقول پر تقدیم' اس کی مثال یہ ہیں۔

(1) "متاعا" ولا نعامکم" (النزعات 33) تمہارے اور تمہارے چوپاؤں کے فائدہ کو

(2) "یسبح لہ من فی السموات والارض والطیر صافات" (آیت)

چہارم مناسبت:۔ یہ یا تو سیاق کلام کے لئے مقدم کی مناسبت ہوتی ہے جیسے اللہ تعالی کا یہ قول ہے "ولکم فیھا جمال حین تریحون وحین تسرحون" (النحل آیت 6)

ترجمہ: اور ان میں تمہارے لئے زینت ہے جب شام کو (چرا کر) انہیں واپس لاتے ہو اور جب (چراگاہ) میں انہیں چھوڑ جاتے ہو کیونکہ اونٹوں کے ذریعے خوبصورتی اور خوش نمائی کا حصول اگرچہ سراح (جانور کو چرنے کے لئے چھوڑنا) اور اراحت (جانور کا شام کو چراگاہ سے واپس آنا) ہر دو حالت میں ثابت ہے مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ حالت اراحت میں ان جمال (اونٹوں) میں جو جمال و خوشنمائی ہوتی ہے کہ جب وہ چراگاہ سے شکم سیر ہو کر اور کوکھیں کس کر سرشام واپس لوٹتے ہیں تو زیادہ قابل فخر ہوتی ہے کیونکہ وہ شکم سیری کی وجہ سے موٹے اور فربہ نظر آتے ہیں۔ اور سراح یعنی صبح چراگاہ جانے کے وقت تہی شکم ہونے کی وجہ سے۔ چونکہ ان کا پیٹ اندر کو دھنسا ہوتا ہے اور کوکھوں میں گڑھے پڑے ہوتے ہیں اس لئے اس وقت ان کا حسن و جمال دوسری حالت کی بہ نسبت کم درجہ ہوتا ہے اور اسی کی نظیر اللہ تعالی کا یہ قول "والذین اذا انفقوالم لیسرفوادولم یقتروا" بھی ہے کہ اس میں اسراف (فضول خرچی) کی نفی مقدم ہے۔

کیونکہ یہ اسراف مصارف ہی میں ہوتا ہے اور انفاق میں بزرگی ہے۔

○ اور اللہ تعالی کے قول "یریکم البرق خوفا وطمعا" میں خوف کا ذکر پہلے ہے کیونکہ بجلیاں پہلی چمک کے ساتھ ہی گرا کرتی ہیں جبکہ بارش پے درپے بجلیوں کے

چمکنے کے بعد برسا کرتی ہے۔

○ یا مناسبت ایسے الفاظ میں مطلوب ہوتی ہے جو تقدم اور تاخر ہی کے لئے وضع ہوتے ہیں جیسے "الاول والاخر بما قدم واخر اور لمن شاء منکم ان یتقدم اویتاخر " وغیرہ مثالوں میں ہے

پنجم:۔ ترغیب دلانے اور برانگیختہ کرنے کے لئے تقدیم و تاخیر واقع ہوتی ہے تاکہ سستی اور کاہلی سے بچے' اس کی مثال دین (قرض) کو وصیت پر مقدم کرنا ہے

اللہ تعالی کا ارشاد ہے

"من بعد وصیہ بھا اودین "(النساء 12) جو وصیت وہ کر گئیں اور قرض نکال کر اس آیت کریمہ میں وصیت کا ذکر پہلے فرمایا ہے حالانکہ شرعی لحاظ سے قرض کی ادائیگی وصیت پر مقدم ہے لیکن ترغیب دلانے کی غرض سے وصیت کا ذکر مقدم کیا تاکہ لوگ اس کی تعمیل سے کاہلی نہ برتیں۔

ششم سبقت:۔ اس تقدم سبقت کی کئی صورتیں ہیں

(1) زمانی باعتبار ایجاد کے جیسے دن کو رات پر' تاریکی کو روشنی پر' آدم علیہ السلام کو نوح علیہ السلام پر اور نوح علیہ السلام کو ابراہیم علیہ السلام پر اور ابراہیم علیہ السلام کو موسی علیہ السلام اور ہود علیہ السلام کو عیسی علیہ السلام پر اور داؤد علیہ السلام کو سلیمان علیہ السلام پر اور فرشتوں کو انسان پر پیدائش کے اعتبار سے تقدم حاصل ہے۔ اور ارشاد باری تعالی "اللّٰہ یصطفی من الملائکہ رسلا ومن الناس" میں فرشتوں کا ذکر انسان سے پہلے کیا گیا ہے اور عاد کا ثمود پر مقدم ہے۔

اور آیت کریمہ " قل لازواجک وبناتک" میں ازواج کو اولاد و ذریت پر مقدم رکھا ہے۔

اور اونگھ کو نیند پر مقدم کرنے کی مثال اس آیت میں ہے "لا تاخذہ سنتہ ولا نوم"

(2) ایک چیز کو دوسری شے سے نازل کئے جانے کے اعتبار سے تقدم حاصل ہو جیسے اللہ

تعالی کے قول "صحف ابراہیم وموسی" میں ہے اور اس کی دوسری مثال یہ آیت ہے "وانزل التوراہ والنجیل' من قبل ھدی للناس وانزل الفرقان"

(3) یا وہ سبقت و تقدم وجوب اور تکلیف کے اعتبار سے ہو اس کی مثال حسب ذیل ہیں ارشاد باری تعالی ہے "ارکعوا واسجدوا"

اور ایک مقام پر فرمایا "فاغسلوا وجوھکم وایدیکم"

ایک اور آیت میں یوں ہے "ان الصفاء والمروہ من شعائر اللّٰہ" اسی وجہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "نبدا بمابدا اللّٰہ بہ" ہم اسی چیز سے شروع کرتے ہیں جس کے ساتھ اللہ نے (اپنے کلام میں) آغاز فرمایا

(4) یا وہ سبقت اور تقدم بالذات ہو گا جیسے اللہ تعالی کے قول "مثنی وثلاث ورباع"

ہفتم:۔ سببیت جیسے عزیز کا تقدم حکیم پر کیونکہ اللہ تعالی کی صفت عزت و غلبہ حکم پر مقدم ہے۔

اور علیم کو حکیم پر تقدم کا سبب یہ ہے کہ احکام (مضبوط و مستحکم کرنا) اور اتقان (پختہ بنانا) کا منشاء علم ہے لہٰذا علم پہلے ہوا

اور سورہ الانعام میں حکیم کے علیم پر تقدم کی وجہ یہ ہے وہ تشریع احکام کا مقام اور سورہ الفاتحہ میں عبادات کو استعانت پر مقدم کی وجہ یہ کہ عبادت حصول اعانت کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔

اسی طرح آیت کریمہ "یحب التوابین ویحب المتطھرین" میں توبہ کرنے والوں کو اس وجہ سے مقدم کیا ہے کہ توبہ ہی طہارت کا سبب ہے۔

اور پھر آیت "لکل افاک اثیم" میں افک (بہتان تراشی) کو گناہ پر مقدم کیا کیونکہ افک گناہ کا باعث بنتا ہے۔

اور "یغضوا من العادھم ویحفظوا فروجھم" کی آیت میں غض بصر (آنکھ نیچی رکھنا) کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ نگاہ ہی بھکتی ہے تو بدی ہوتی ہے۔

ہشتم کثرت:۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فمنکم کافر ومنکم مومن" اس آیت میں کافروں کی کثرت کی وجہ سے ان کا ذکر مومن سے پہلے فرمایا ہے اسی کی ایک مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ "فمنهم ظالم لنفسه" اس آیت میں ظالموں کی کثرت اور بہتات کی وجہ سے ان کا ذکر پہلے کیا ہے پھر مقتصد کا ذکر کیا اور اس کے بعد سابق کا ذکر ہے۔ اور اسی وجہ سے سارق (چور مرد) کے سارقہ (چور عورت) پر مقدم کیا کیونکہ چور اکثر مرد ہی ہوتے ہیں۔

اور زانیہ (بدکار عورت) کو زانی (بدکار مرد) پر مقدم اس وجہ سے کیا ہے کہ زنا کی کثرت عورتوں میں نسبتاً" زیادہ ہوتی ہے کیونکہ وہ زنا کا سبب بنتی ہے۔ قرآن پاک میں بیشتر مقامات پر رحمت کو عذاب پر مقدم کیا گیا ہے کیونکہ رحمت خداوندی عذاب کے مقابلہ میں غالب اور اکثر ہے اسی وجہ سے حدیث قدسی میں آیا ہے کہ " ان رحمتی غلبت غضبی" بے شک میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے

نہم:۔ ادنی سے اعلیٰ کی طرف ترقی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "الهم ارجل یمشون بها ام لهم اید یبطشون بها" (الاعراف آیت 195)

ترجمہ: کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے چلیں کیا ان کے ہاتھ ہیں جن سے پکڑیں

اس آیت میں ترقی کی غرض سے ابتداء ادنی سے کی کیونکہ ید (ہاتھ) رجل (پاؤں) سے عین (آنکھ) ید سے اور سمع (کان) بصر (نگاہ) سے اشرف و اعلیٰ ہے اور اسی قبیل سے ابلغ زیادہ بلیغ کو موخر کرنا بھی ہے جس کی مثال وہ آیت ہے جس میں رحمن کو رحیم پر اور روف کو رحیم پر اور رسول کو نبی پر مقدم کیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے" وکان رسولا نبیا"

اس آخری مثال کی نسبت بہت ہے اور بھی نکات بیان کئے گئے ہیں جن میں سے سب سے مشہور نکتہ رعایت فاصلہ ہے۔

دھم:۔ اعلیٰ سے ادنی کی طرف تنزل۔ اس کی مثالیں یہ ہیں

(1) اللہ کا ارشاد ہے "لا تاخذہ سنتہ ولا نوم" (البقرہ 255)

ترجمہ نہ اسے اونگھ آئے اور نہ نیند

("لا یغادر صغیرہ ولا کبیرہ" (الکھف آیت 49)

ترجمہ اس نے کوئی چھوٹا (گناہ) چھوڑا اور نہ بڑا (مگر سب کو گھیر لیا)

قرآن کے عام اور خاص کا بیان

عام وہ لفظ ہے جو بغیر حصر کے اپنے صالح اور مناسب معانی کا احاطہ کرتا ہو

○ صیغہائے عموم کا بیان

○ "لفظ کل" جب مبتداء ہو جیسے "کل من علیہا فان" (الرحمن آیت 26)

یا تابع ہو (برائے تاکید) جیسے فسجد "الملائکہ کلھم اجمعون" (الحجرات آیت 30)

○ اسم موصول:۔ "الذی التی" اور ان دونوں کے تثنیہ اور جمع کے صیغہ بھی عموم کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔

مثالیں:۔ "والذی قال لوالدیہ اف لکما" (الاحقاف آیت 17)

ترجمہ: وہ جس نے اپنے ماں باپ سے کہا اف

کیونکہ اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جس سے یہ فعل صادر ہو اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالی کا قول ہے "اولئک الذین حق علیھم القول" (الاحقاف آیت 18) یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالی کی بات پوری ہو کر رہی اس میں بھی ایسی ہی تعمیم مراد ہے۔

○"والذین آمنوا وعملوا الصالحات اولئک اصحاب الجنہ" (البقرہ آیت 82)

اور جو ل ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے وہ جنتی ہیں

"للذین احسنوا الحسنی وزیادہ "(یونس آیت 26)

جن لوگوں نے نیک کام کئے ان کے لئے اچھی جزا ہے اور اس سے بھی زیادہ "للذین

اتقوا عندربهم جنات"

"وللائی یئسن من المحیض"(الطلاق آیت 4)

ترجمہ اور جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں

"وللاتی یا تین الفاحشہ من نسائکم فاستشهدوا"(النساء آیت 15)

ترجمہ اور جو بدکاری کریں تمہاری عورتوں میں سے تو گواہی طلب کرو

"واللذین یاتیانها منکم فا ذوهما "(النساء آیت 16)

اور جو دو آدمی برائی کا ارتکاب کریں تم میں سے تو انہیں اذیت پہنچاؤ

○ ای ما اور من یہ الفاظ ہر حالت میں عموم کے لئے آتے ہیں چاہے شرطیہ ہوں' استفہامیہ ہوں یا موصولہ ہوں۔

ان کی مثالیں حسب ذیل ہیں۔

ای کی مثال جیسے "ایا ماتدعوا فلہ الاسماء الحسنی "(بنی اسرائیل آیت 110)

جس نام سے بھی پکارو سب اسی کے اچھے نام ہیں۔

"ما" کی مثال جیسے "انکم تعبدون من دون اللّٰہ حصب جهنم"(الانبیا آیت 98)

بے شک تم اور اللہ کے سوا جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو سب جہنم کا ایندھن ہے

"من" کی مثال جیسے من یعمل سوء ایجزبہ (نساء 123) جو برائی کریگا اس کا بدلہ دیا جائے گا۔

○ اور صیغہ جمع جب مضاف ہو تو وہ عموم پر دلالت کرتا ہے جیسے اس آیت میں ہے " یوصیکم اللّٰہ فی اولاد کم"(النساء آیت 11) حکم دیتا ہے تمہیں اللہ تعالی تمہاری اولاد کے (حصوں) کے بارے میں

○ معرف بالام بھی عام کی قسم سے ہے جیسے" قدافلح المومنون " اور"واقتلوا المشرکین" کی مثالوں میں ہے

○ اور اسم جنس جس وقت مضاف ہو تو وہ بھی مفید عموم ہوتا ہے جیسے مثلاً" آیت

فلیحذر الذین یخافون عن امرہ" میں ہے کہ اس سے مراد تمام احکام خداوندی ہیں۔

○ اور معرف بالف و لام بھی اسی معنی میں آتا ہے مثلاً" "واحل اللّٰہ البیع" یعنی (کل بیع) اسی طرح "ان الانسان لفی خسر" میں کل انسان مراد ہیں اس کی دلیل اللہ تعالی کا یہ قول ہے کہ "الا الذین آمنوا" ہے

○ ایسے ہی اسم نکرہ سیاق نفی اور نہی میں واقع ہو تو عموم کا فائدہ دیتا ہے جیسے ارشاد خداوند تعالی ہے "فلا تقل لھا اف" (بنی اسرائیل آیت 23) تو (اے مخاطب انہیں اف (تک) نہ کہنا

اور آیت کریمہ "وان من شئی الا عندنا خزائنہ" (الحجر آیت 21)

اور کوئی چیز نہیں لیکن ہمارے پاس اس کے خزانے ہیں۔

اور آیت "ذلک الکتاب لاریب فیہ" (البقرہ آیت 1)

یہ عالیشان کتاب اس میں کوئی شک نہیں

اور قول باری تعالی "فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج" (البقرہ آیت 197)

تو نہ عورتوں سے مباشرت کی باتیں اور نہ گناہ اور نہ جھگڑا حج میں

اسی طرح نکرہ جب سیاق شرط میں واقع ہو تو مفید عموم ہوتا ہے جیسے اللہ تعالی کے اس قول میں ہے "وان احد من المشرکین استجارک فاجرہ حتی یسمع کلام اللّٰہ" (التوبہ آیت 6) اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص آپ سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دیجئے یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سنے۔

اسی طرح سیاق امتنان (احسان رکھنا) میں بھی جیسے ارشاد باری تعالی ہے "وانزلنا من السماء ماء طھوراً" (الفرقان آیت 48)

اور ہم نے آسمانوں سے پاک کرنے والا پانی اتارا

قرآن مجید کے ذریعہ جن احکام کی تخصیص کی گئی ہے اس کی مثالوں میں سے چند

حسب ذیل ہیں۔

(ا) "والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثہ قروء" (البقرہ آیت 228)

اور طلاق پانے والی عورتیں روکے رکھیں اپنی جانوں کو تین حیض (تک) اس کی مخصص یہ آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اذانکحتم المومنات ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فما لکم علیھن من عدہ" (الاحزاب آیت 49)

جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو پھر ہاتھ لگانے سے پہلے انہیں طلاق دے دو تو تمہارے لئے ان پر کچھ عدت نہیں

اور دوسرے اس آیت "واولات الاحمات اجلھن ان یضعن حملھن" (الطلاق آیت 4)

اور حاملہ عورتوں کی عدت ان کا وضع حمل ہے اس سے بھی عام حکم کی تخصیص ہو گئی ہے۔

اور قول باری تعالیٰ " حرمت علیکم المیتہ والدم" حرام کیا گیا تم پر مردار (اور رگوں کا بہا ہوا) خون اس میں "میتہ" سے "سمک" (مچھلی) کی تخصیص کر دی گئی ہے کہ مردہ مچھلی اس حرمت سے مستثنیٰ ہے جیسا کہ خود ارشاد خداوندی ہے کہ " احل لکم صیدالبحر وطعامہ متاعا" لکم وللسیارہ" (المائدہ 96) دریا میں شکار کرنا (نیز پکڑی ہوئی مچھلی) اور دریا کا طعام (اس کی پھینکی ہوئی مچھلی) تمہارے لئے حلال ہے تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لئے اور "دم" سے جامد خون کو خاص کر دیا اس کی تصریح" اودما" منفوحا" پھر آیت کریمہ و اتیتم احداھن قنطارا فلا تاخذوا منھما شیئا الآیہ کی تعمیم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے قول "فلا جناح علھیما فیما افتدت بہ" سے خاص فرما دیا ہے (البقرہ آیت 229)

○ اور قول باری تعالیٰ ہے "الزانیہ والزانی فاجلدا کل واحد منھما مائد جلدہ " میں جو عموم تھا اسے بھی خاص کر دیا چنانچہ ارشاد فرمایا کہ "فعلیھن نصف ما علی المحصنات" (سورہ النور آیت 2)

من العذاب

○ اور اسی طرح اللہ تعالی کے قول "فانکحوا ماطاب لکم من النساء میں عام حکم کی تخصیص " آیت کریمہ " حرمت علیکم امھاتکم " سے کردی گئی ہے (النساء آیت 23)

احادیث مبارکہ کے ذریعہ تخصیص کی مثالیں یہ ہیں

اللہ تعالی کا قول ہے" واحل الله البیع " اللہ نے بیع یعنی خرید وفروخت کو جائز فرمایا ہے مگر بیع فاسدہ جو بکثرت ہیں اس عام حکم سے حدیث کے ذریعے خارج کردی گئی ہیں اور اللہ تعالی نے "ربا" سود کو حرام فرمایا اور اس سے عرایا کو سنت کے ذریعہ خاص کر دیا گیا ہے۔

○ آیت میراث کے عموم میں حدیث کے ذریعہ تخصیص کر کے قاتل اور مخالف فی الدین شخص کو وراثت سے محروم قرار دے دیا گیا۔

اور تحریم میتۃ (مردار حرام ہے) کی آیت میں حدیث نے تخصیص کر کے جراد یعنی ٹڈی کو اس حکم سے مستثنیٰ کیا ہے۔

○ اور "ثلاثہ قروء" کی آیت میں سے لونڈی کی تخصیص بھی بذریعہ حدیث ہوئی ہے۔ اور اللہ تعالی کے قول" ماء طھورا" سے وہ پانی جس کے اوصاف (رنگ، بو ذائقہ) بدل گئے ہوں کو حدیث کے ذریعے مخصوص کر دیا گیا ہے اور السارق والسارقہ کا حکم ہر چور کے لئے تھا مگر حدیث نے چار دینار سے کم چوری کرنے والے کو ہاتھ کاٹے جانے کے حکم سے خارج کر دیا ہے

ز○ اجماع کے ذریعہ تخصیص کی مثال درج ذیل ہے

رقیق (غلام) کو آیت میراث کے حکم سے خارج کر دیا گیا ہے لہٰذا رقیق کبھی وارث نہیں ہوگا علامہ مکی نے ذکر کیا ہے کہ اس پر تمام علماء کا اجماع ہے۔

قیاس سے تخصیص پیدا ہونے والی مثال آیت زنا" فاجلدوا کل واحد منھما

مانہ جلدہ"(النور آیت 2) اور ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔

اس میں سے "عباد" کو امتہ (لونڈی) پر قیاس کر کے خاص کیا ہے اور لونڈی کے بارے میں یہ حکم نص سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے" فعلیھن نصف ما علی المحصنات من العذاب"(النساء آیت 25) ان پر اس کی آدھی سزا ہے جو آزاد(کنواری) عورتوں پر ہے چنانچہ اس آیت نے آیت کے عام حکم کو خاص کر ڈالا ہے یہ قول علامہ مکی سے منقول ہے

فصل

قرآن مجید میں بعض خاص نصوص ایسی بھی ہیں جو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم "علی صحابہا التحیہ والسلام" کے عموم کے لئے مخصص ہیں لیکن اس کی مثالیں کم ہیں منجملہ ان امثلہ کے ایک مثال اللہ تعالیٰ کا قول"حتی یعطوا الجزیہ" ہے کہ اس نے بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی "امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللّٰہ" کے عموم کی تخصیص کردی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد"حافظوا علی الصلوات والصلوہ الوسطی" مخصوص ہے اس نہی کے عموم کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اوقات مکروہ میں نماز کی ادائیگی کے سلسلہ میں فرمائی ہے فرائض کو نکال کر

اور اللہ تعالیٰ کا قول "ومن اصوا فہا واوبارھا" آلایہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد"ما ابین من حیی فھومیت"( ) کی تخصیص کر دیتا ہے۔

اور آیت کریمہ "والعاملین علیھا والمولفہ قلوبھم" نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک"لا تحل الصدقہ یلغنی ولا لذی مرہ سوی" کے عموم کی تخصیص کردی ہے اور آیت کریمہ " فقاتلوا التی تبغی" نے بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول"اذا التقی المسلمان فالقاتل والمقتول فی النار" کے عموم کو خاص کر دیا

عموم وخصوص ہی کے متعلق چند متفرق ذیلی مسائل کا بیان

اول:۔ یہ کہ جب لفظ عام مدح یا ذم کے لئے وارد ہو تو آیا وہ اس صورت میں اپنے عموم پر باقی رہتا ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں کئی مذاہب ہیں

○ ایک مذہب یہ ہے کہ وہ اپنے عموم پر باقی رہتا ہے کیونکہ اس میں کوئی قرینہ صارفہ عن العموم پایا جاتا ہے اور نہ ہی مدح و ذم اور عموم کے درمیان کسی قسم کی کوئی منافات ہے کہ ان کے اجتماع نہ ہو سکے۔

○ دوسرا مذہب یہ ہے کہ وہ اپنے عموم پر نہیں رہے گا کیونکہ اسے تعمیم کے لئے نہیں لایا گیا ہے بلکہ مدح وذم کے لئے استعمال ہوا ہے پس وہ اسی کا فائدہ دیگا اور بس!

تیسرا جو کہ زیادہ صحیح مذہب ہے وہ یہ ہے کہ تفصیل سے کام لیا جائے گا چنانچہ اگر کوئی اور عام اس کا معارض نہ ہو اور نہ عام اس غرض کے لئے استعمال ہوا ہو تو پھر وہ عام اپنے عموم پر باقی رہتا ہے۔

لیکن اگر کوئی دوسرا عام اس کے معارض پایا جائے تو پھر عموم مراد نہیں ہو گا کیونکہ ایسے میں دونوں کے مابین جمع اور توافق پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے۔

اس عام کی مثال کہ اس کا معارض کوئی نہیں ہے اللہ تعالی کا یہ قول ہے" ان الابرار لفی نعیم وان الفجار لفی جحیم"

اور معارض ہونے کی مثال

اللہ تعالی فرماتا ہے" والذین هم لفروجهم حافظون الا علی ازواجهم او ماملکت ایمانهم" (المومنون آیت 4 تا 5) اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی (منکوحہ) بیویوں پر یا (مملوکہ) باندیوں پر کہ اس آیت میں عام کو بیان مدح کے لئے لایا گیا ہے اور اس کے ظاہری الفاظ سے اس بات کا عموم بھی پایا جاتا ہے کہ ملک یمین (لونڈیوں) کی صورت میں دو بہنوں کو ایک ساتھ جمع بھی کیا جا سکتا ہے مگر اس "جمع بین الاختین" کے مفہوم سے اللہ تعالی کا یہ قول ہے "فان تجمعوا بین الاختین" (النساء 23) اور یہ کہ تم جمع کرو دو بہنوں کو معارضہ کر رہا ہے کیونکہ یہ حکم ملک یمین کے ذریعے سے بھی دو بہنوں کو جمع کرنے کو شامل ہے اور یہ مدح کے لئے

نہیں لایا گیا لہٰذا اول کے عموم کو اس بات کے سوا دیگر امور پر محمول کیا جائیگا۔ اور یہ مانا جائیگا کہ پہلے عام نے دوسرے عام کو اپنے دائرہ اثر میں شامل کرنے کا ہرگز ارادہ نہیں کیا۔

○ اور عام کے سیاق "ذم" میں واقع ہونے کی مثال

آیت کریمہ" والذین یکنزون الذهب والفضة" بیان مذمت کے لئے لائی گئی ہے اور اس کا ظاہری حکم زیورات کو بھی عام اور شامل ہے حالانکہ زیورات کا استعمال مباح ہے۔

اور حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت کردہ حدیث "لیس فی الحلی زکاہ" اس کے معارض ہے لہٰذا پہلے عام کو اس کے ماسوا پر محمول کیا جائے گا۔

ثانی:۔ دوسرے یہ کہ وہ خطاب جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے مثلاً" "یاایھاالنبی "اور" یاایھاالرسول" تو اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ امت کو بھی شامل ہے یا کہ امت اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک نہیں ہے اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ بے شک امت بھی اس خطاب میں شریک ہے کیونکہ پیشوا کو جو حکم دیا جاتا ہے تو عرفاً" وہ اس کے پیروکاروں اور اتباع کرنے والوں کو بھی حکم ہوتا ہے مگر علم اصول میں صحیح تر قول یہ ہے کہ اس خطاب میں امت کی شرکت کا ہونا درست نہیں کیونکہ صیغہ خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے ساتھ خاص ہے۔

ثالث:۔ تیسرے "یا ایھا الناس" کے خطاب میں اختلاف ہے کہ آیا یہ خطاب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شامل ہے یا نہیں؟

اگرچہ اس اختلاف میں بھی کئی مذاہب ہیں لیکن صحیح ترین مذہب جس کے قائل اکثر علماء ہیں یہ ہے کہ صیغہ کے عموم کی وجہ سے وہ خطاب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شامل ہے۔

ابن ابی حاتم زہری سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا ہے کہ جس وقت

اللہ تعالی "یا ایھا الذین امنوا افعلوا" ارشاد فرماتا ہے اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مومنین کے ساتھ شریک خطاب ہوتے ہیں

○ دوسرا مذہب یہ ہے کہ نہیں وہ خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شامل نہیں ہوتا کیونکہ وہ خطاب خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زبان سے دوسروں کو تبلیغ کے لئے ادا کرایا گیا ہے اور یہ مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ آپ خود بھی اس میں شریک خطاب ہوں جو بات کہ آپ کی معرفت دوسروں کو پہچائی گئی ہے علاوہ ازیں آپ کی خصوصیات بھی آپ کو اس تعظیم میں شامل قرار نہیں دیتیں

○ تیسرا مذہب یہ ہے کہ اگر وہ خطاب لفظ قل (صیغہ امر) کے ساتھ مقترن ہو تو پھر اس وجہ سے کہ وہ تبلیغ کے باب میں ظاہر اور نمایاں حکم ہو جاتا ہے کبھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شامل نہ ہو گا اور یہی امر اس کے عدم شمول کا قرینہ ہے لیکن اگر وہ "قل" کے ساتھ مقترن نہ ہو، تو پھر البتہ شامل ہو گا۔

رابع:۔ چوتھا مذہب جو کہ اصل میں درست ترین مذہب ہے وہ یہ ہے کہ " یاایھاالناس" کے خطاب میں "کافر" اور "عبد" (مومن غلام) دونوں شریک ہوتے ہیں کیونکہ لفظ "الناس" عام ہے اس میں سب انسان شریک ہیں۔

اور ایک کے مطابق یہ کافر کو شامل نہیں ہے کیونکہ وہ فردعات کا مکلف نہیں ہوتا اور اسی طرح "عبد" کو بھی شامل نہیں کیونکہ اس کے تمام منافع شرعی لحاظ سے اس کے آقا کو پہنچتے ہیں۔

خامس:۔ پانچواں اختلاف یہ ہے کہ آیا لفظ "من" مونث کو بھی شامل ہوتا ہے یا نہیں؟ صحیح ترین رائے یہ ہے کہ یہ مونث اور مذکر دونوں کے لئے آتا ہے مگر احناف اس کے خلاف ہیں۔' اور ہماری دلیل یہ ہے اللہ تعالی فرماتا ہے کہ "ومن یعمل من الصلحت من ذکر اونثی "اس میں مذکر اور مونث دونوں کے ذکر کے ساتھ نیک عمل کرنے والوں کی تفسیر بیان کی گئی ہے اور یہ اس امر پر دلیل ہے کہ لفظ "من" مذکر و مونث دونوں کو شامل ہے۔

اسی طرح اللہ تعالی کا قول "ومن یقنت منکن للہ" بھی ہے۔ جمع مذکر سالم کے بارے میں بھی یہ اختلاف ہے کہ آیا وہ مونث کو شامل ہوتا ہے یا نہیں؟

صحیح ترین قول یہ ہے کہ شامل نہیں ہوتا اور اگر جمع مذکر سالم میں کوئی مونث داخل بھی ہو تو کسی قرینہ کی وجہ سے ایسا ہو گا' البتہ جمع مکسر میں مونث بالاتفاق داخل ہے۔

سادس:۔ چھٹے اس میں اختلاف ہے کہ آیا "یا اھل الکتاب" کے خطاب میں مومنین بھی شامل ہیں یا نہیں؟ صحیح یہ ہے کہ نہیں کیونکہ لفظ کا اختصاص صرف انہی لوگوں کے ساتھ جن کا اس خطاب میں ذکر آیا ہے اور ایک رائے یہ ہے کہ اگر اہل کتاب کے ساتھ مومنین کی شرکت معنوی اعتبار سے ہو تو پھر یہ خطاب ان کو بھی شامل ہو گا ورنہ نہیں۔

اور یہ بھی مختلف فیہ امر ہے کہ "یایھاالذین امنوا" کے خطاب میں اہل کتاب شریک ہیں یا نہیں؟

ایک قول یہ ہے کہ نہیں اس لئے کہ وہ فروعی احکام کے مخاطب نہیں ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ شریک خطاب ہیں۔

ابن السمعانی رحمتہ اللہ کا مختار یہی ہے وہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالی کا ارشاد " یایھاالذین امنوا " خطاب تشریف ہے تخصیص کے لئے نہیں ہے۔

قرآن مجید کے مجمل اور مبین کا بیان

مجمل:۔ مجمل اسس کلام کو کہتے ہیں جو واضح طور پر (اپنے معنی پر) دلالت نہ کرے قرآن مجید میں اس کی مثالیں موجود ہیں مگر داؤد ظاہری (فرقہ ظاہریہ کا امام) اس کا قائل نہیں

قرآن مجید کا مجمل باقی رہنے کے جواز میں کثیر اقوال ہیں جن میں سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ مجمل پر عمل کرنے کے لئے کوئی شخص مکلف نہیں بخلاف غیر مجمل کے

کہ اس پر عمل ضروری ہوتا ہے۔

○ چند آیات کے بارے میں یہ اختلاف ہے کہ آیا از قبیل مجمل ہیں یا نہیں؟ ان جملہ آیات میں سے ایک آیت سرقہ ہے کہا گیا ہے کہ یہ آیت "ید" (ہاتھ) کے بارے میں مجمل ہے کیونکہ "ید" کا اطلاق کلائی کہنی اور کندھا تک ہر سہ حصص کے مجموعہ پر ہوتا ہے۔

اور پھر "قطع" (کاٹنے) کے بارے میں بھی اجمال ہے کیونکہ قطع کا استعمال جدا کرنا اور زخمی کرنا دونوں معنوں کے لئے ہوتا ہے اور یہاں کسی امر کی بھی وضاحت نہیں ہے ہاں شارع علیہ السلام کا یہ بیان فرمانا کہ ہاتھ کو کلائی کے قریب سے کاٹا جائے اس کی مراد کو ظاہر کرتا ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں کوئی اجمال ہے ہی نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ قطع کا استعمال ابانت (جدا کرنے) کے معنی میں ظاہر ہے۔

اور اسی طرح آیت کریمہ "وامسحوا برؤوسکم" بھی از قسم مبین ہے اس میں اجمال یوں بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے تردد پیدا کر دیا ہے کہ پورے سر کا مسح کرنا ہے یا بعض حصہ سر کا مسح کرنا ہے اور شارع علیہ السلام کا مقدار ناصیہ (پیشانی کی مقدار) سر کا مسح فرمانے کا عمل اس اجمال کی تفصیل اور بیان بنتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ نہیں یہاں پر "وامسحوا" مطلق مسح پر دلالت کرتا ہے اور اس کا اطلاق مسح کے واقع ہونے والی شے کے قلیل حصہ پر بھی صادق آتا ہے زیادہ سے زیادہ پر بھی اور ان آیات میں جن کے مجمل یا مفصل ہونے میں اختلاف ہے وہ آیات بھی ہیں جن میں شرعی اسماء واقع ہیں مثلاً "اقیموا الصلوہ واتوا الزکوہ" (البقرہ آیت 43)

نماز قائم کرو اور زکوہ ادا کرو

(2) "فمن شهد منكم الشهر فليصمه" (البقرہ آیت 185)

تو تم میں سے جو اس مہینہ میں موجود ہو تو وہ ضرور اس کے روزے رکھے

(3) "ولله على الناس حج البيت" (آل عمران آیت 97) اور اللہ کا حق ہے لوگوں

پر اس کے گھر کا حج کرنا کہا گیا ہے کہ یہ آیت بھی مجمل ہیں کیونکہ لفظ "صلوۃ" ہر ایک دعا کا اور لفظ "صوم" ہر ایک قسم کے امساک (رک جانے) اور لفظ "حج" ہر ایک قصد کرنے کا احتمال رکھتا ہے اور ان الفاظ کی خاص مراد پر لغت سے کوئی استدلال نہیں ہو سکتا لہذا ان کے لئے بیان کی حاجت پڑی' اور ایک قول یہ ہے کہ ان میں اجمال کا احتمال نہیں ہے بلکہ ان الفاظ کو تمام مذکورہ معانی متحملہ پر محمول کیا جائے گا سوائے اس تخصیص کے جو کسی دلیل سے ثابت ہو جائے۔

قرآن حکیم کے ناسخ اور منسوخ کا بیان

اس نوع میں کئی مسائل ہیں

ایک مسئلہ یہ ہے نسخ کا لفظ زائل کرنے (مٹانے) کے معنی کے لئے استعمال ہوا ہے جیسے قرآن مجید میں ارشاد ہوا "فینسخ اللّٰہ مایلقی الشیطن ثم یحکم اللّٰہ آیاتہ" (الحج 52) تو اللہ مٹا دیتا ہے شیطان کے ڈالے ہوئے کو پھر اپنی آیتیں خوب پکی کر دیتا ہے اور تبدیل کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے اس آیت میں ہے "واذابدلنا ایہ مکان ایہ" (النحل آیت 101) اور جب ہم ایک آیت کو بدل کر اس کی جگہ دوسری آیت لاتے ہیں اور تحویل کے معنی میں بھی آتا ہے۔ مثلاً" موارث کا تناسخ ایک شخص سے دوسرے شخص کی جانب تحویل میراث کے معنی میں ہے۔

اور ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل کرنے کے لئے بھی لفظ نسخ آتا ہے جیسے کہا جاتا ہے نسخت الکتاب یہ محاورہ اس وقت بولا جاتا ہے جب قرآن کے لفظ اور طرز خط دونوں کو من و عن نقل اور حکایت کر دیا جائے۔

مسئلہ دوم:۔ یہ ہے کہ "نسخ" منجملہ ان امور کے ہے جن کے ساتھ اللہ تعالی نے اس امت مسلمہ کو خاص اور ممتاز فرمایا ہے۔ نسخ کی بے شمار حکمتیں ہیں ان میں سے ایک حکمت "تیسیر" یعنی احکام میں آسانی اور سہولت فراہم کرنا ہے اور نسخ کے جواز پر امت مسلمہ کا اجماع ہے جبکہ یہودیوں کا خیال یہ ہے کہ نسخ سے معاذ اللہ تعالی جل

شانہ کی نسبت "بداء" کی خرابی اور قباحت لازم آتی ہے لہٰذا اس کے جواز کا قول نہیں کیا جا سکتا اور "بداء" کی تعریف یہ ہے کہ کسی کے خیال میں ایک بات آئے اور پھر وہ اس کو چھوڑ کر دوسری رائے قائم کرے جو اس پر بعد میں ظاہر ہو یعنی بداء تلون مزاجی کا نام ہے۔ اور یہود کا یہ اعتراض اس لئے باطل ہے کہ نسخ اسی طرح احکام کی مدت بیان کرنے کی غرض سے ہوتا ہے جیسے موت سے دوچار کرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا اور اس کے برعکس بیماری کے بعد تندرست کرنا یا اس کا عکس مالدار کرنے کے بعد مفلس و نادار کر دینا یا عکس تو جس طرح یہ سب امور جائز ہیں اور ان میں کسی چیز کو بھی "بداء" نہیں کہا جا سکتا اور امر اور نہی کی بھی یہی صورت حال ہے۔

○ ناسخ قرآن کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے بعض علماء فرماتے ہیں کہ قرآن کا ناسخ صرف قرآن ہی ہو سکتا ہے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے "ماننسخ من ایہ اوننسھانات بخیر منھا اومثلھا" (البقرہ آیت 106) (جو آیت ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا بھلا دیتے (تو) اس سے بہتر یا اس جیسی لے آتے ہیں

علماء مفسرین فرماتے ہیں:

"قرآن مجید کی مثل اور اس سے بہتر قرآن ہی ہو سکتا ہے نہ کہ کوئی دوسری چیز"

○ دوسرا قول یہ ہے کہ قرآن کا نسخ حدیث سے بھی ہو سکتا ہے کیونکہ سنت کا ثبوت بھی منجانب اللہ ہے لہٰذا وہ بھی قرآن کو منسوخ کر سکتی ہے حدیث کے اللہ کی جانب سے ہونے پر دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد "وماینطق عن الھوی" ہے یعنی رسول اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے" اور وصیت کی آیت جو آگے آ رہی ہے اس کا تعلق اسی قسم سے ہے

مسئلہ سوم: یہ ہے کہ نسخ فقط امر اور نہی میں واقع ہوتا ہے عام ازیں کہ وہ اوامر و نواہی لفظ خبر (جملہ خبریہ) کے ساتھ وارد ہوں یا صیغہ امر و نہی (جملہ انشائیہ) کے ساتھ مگر جو خبر (جملہ خبریہ) طلب اور انشاء کے لئے نہ ہو اس میں نسخ راہ نہیں پاتا اسی طرح وعد اور وعید بھی اسی قبیل سے ہیں کہ ان میں بھی نسخ کو دخل نہیں ہے۔

لہذا اسی وضاحت کے بعد یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ جو علماء اخبار' وعد اور وعید کی آیات کو کتاب الناسخ میں لائے ہیں وہ ٹھیک نہیں ہے۔

مسئلہ چہارم:۔یہ ہے کہ نسخ کی کئی قسمیں ہیں

نسخ کی پہلی قسم وہ ہے کہ جس میں مامور بہ پر عمل درآمد سے پہلے ہی اس کو منسوخ کر دیا گیا ہو اس کی مثال "آیت نجویٰ " اور یہی حقیقی نسخ ہے دوسرا نسخ وہ منسوخ شدہ حکم ہے جو ہم سے پہلی امتوں پر نافذ اور مشروع تھا جیسے مشروعیت قصاص اور دیت کی آیت ہے۔

یا پھر کسی چیز کا حکم مجمل طور پر دیا گیا تھا مثلاً" بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرنا پہلے مشروع تھا پھر یہ منسوخ کر کے خانہ کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دے دیا اسی طرح عاشوراء کے روزہ کا حکم ماہ رمضان المبارک کے روزوں کے ساتھ منسوخ کیا گیا اور اس قسم پر مجازی طور پر نسخ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

تیسرا نسخ وہ ہے جس کا حکم کسی سبب کی بناء پر دیا گیا تھا مگر بعد میں سبب زائل ہو گیا جیسے مثلاً" مسلمانوں کی کمزوری اور قلت کے وقت میں صبر اور عفوو درگزر سے کام لینے کا حکم دیا گیا تھا مگر بعد میں یہ وجہ جاتی رہی تو سبب کے زائل ہونے پر جہاد فرض کر کے اسے منسوخ کر دیا گیا یہ نسخ درحقیقت نسخ نہیں ہے بلکہ از قسم "منساء" (یعنی فراموش کردہ) ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا" اوننسھا" ہم اس حکم کو نسیان و فراموشی کی نذر کر ڈالتے ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں کے قوت حاصل کرنے تک قتال کا حکم اٹھائے رکھا گیا اور جب تک اسلام کو غلبہ حاصل نہیں ہوا اور مسلمان کمزوری کی حالت میں تھے انہیں اذیت پر صبر کرنے کا حکم تھا۔

بیان مذکور سے اکثر لوگوں کی اس ہرزہ سرائی کا زور ٹوٹ جاتا ہے کہ اس بارے میں جو آیت نازل ہوئی تھی وہ آیت سیف کے نزول سے منسوخ ہو گئی ہے بات یہ نہیں ہے بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ آیت "منساء" کے قبیل سے ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ہر ایک امر جو وارد ہوا ہے اس پر عمل درآمد کرنا کسی نہ کسی وقت ضرور

واجب ہو جاتا ہے۔ یعنی جس وقت اس حکم کا کوئی مقتضی پیدا ہوتا ہے اور پھر اس علت کے منتقل ہوتے ہی کسی دوسرے حکم کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور یہ نسخ ہرگز نہیں ہے کیونکہ نسخ کہتے ہیں حکم کو اس طرح زائل کر دینا اور مٹا دینا پھر اس کی تعمیل اور بجا آوری جائز ہی نہ رہے

مسئلہ پنجم:۔ بعض علماء مفسرین نے بیان کیا ہے کہ ناسخ اور منسوخ کے اعتبار سے قرآن مجید کی سورتوں کی کئی قسمیں ہیں پہلی قسم وہ سورتیں ہیں جن میں ناسخ اور منسوخ کا وجود نہیں ہے اور ایسی سورتیں کل تنتالیس ہیں جن کے اسماء حسب ذیل ہیں۔

فاتحہ' یوسف' یٰسین' الحجرات' الرحمن' الحدید' الصف' الجمعہ' التحریم' الملک' الحاقہ' الجن' المرسلات' عم' النازعات' الانفطار' اور اس کے بعد کی تین سورتیں

اور الفجر پھر اس کے بعد سے التین' العصر اور الکافرین تین سورتوں کے علاوہ ختم قرآن تک تمام سورتوں میں کوئی ناسخ اور منسوخ موجود نہیں ہے۔

قسم دوم:۔ قرآن پاک وہ سورتیں جن میں ناسخ اور منسوخ موجود ہے۔ اور ایسی کل پچیس سورتیں ہیں جن کے نام درج ذیل ہیں۔

البقرہ اور اس کے بعد مسلسل تین سورتیں' الحج' النور اور اس کے بعد کی دو سورتیں' الاحزاب' سبا' المومن' شوریٰ' الذاریات' الطور' الواقعہ' المجادلہ' المزمل' المدثر' التکویر' اور العصر

قسم سوم:۔ وہ سورتیں جن میں فقط ناسخ آیات ہیں اور منسوخ کا وجود نہیں اور وہ کل چھ سورتیں ہیں جن کے نام یہ الفتح' الحشر' المنافقون' التغابن' الطلاق اور الاعلیٰ ہیں

چہارم:۔ وہ قسم ہے جن سورتوں میں صرف بعض منسوخ آیات پائی جاتی ہیں اور ناسخ موجود نہیں ہیں اور وہ باقی چالیس سورتیں ہیں اور یہ اس بناء پر ہے۔ جب نساء اور مخصوص کو بھی منسوخ کی قسم سے شمار کیا جائے

مسئلہ ششم:۔ قرآن مجید میں نسخ کی تین قسمیں

قسم اول:۔ وہ نسخ ہے جس میں تلاوت اور اس کا حکم دونوں ایک ساتھ منسوخ ہو گئے ہیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

"کان فیما انزل عشر رفعات معلومات فنسخن بخمس معلومات فتوفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھن مما یقراء من القر آن رواہ الشیخان"

محدثین نے اس روایت میں کلام کیا ہے کیونکہ اس میں " وھن مما یقراء من القر آن" کے قول سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تلاوت منسوخ نہیں ہوئی تھی صرف حکم منسوخ ہوا تھا جبکہ صورت واقعہ اس کے برعکس ہے۔

چنانچہ اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا کہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مراد" فتوفی" سے یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت وصال قریب آگیا تھا' یا یہ کہ تلاوت بھی منسوخ ہو گئی تھی مگر تمام صحابہ کرام تک اس کی خبر نہ پہنچی اور وہ لاعلمی کی وجہ اس کی تلاوت کرتے رہے اور انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اس کی تلاوت کے بھی منسوخ ہونے کا علم ہوا۔

قسم دوم:۔ وہ ہے جس کا حکم منسوخ ہو گیا ہے مگر اس کی تلاوت باقی ہے منسوخ کی اس قسم کے بیان میں علماء نے کئی کتابیں تالیف کی ہیں درحقیقت اس نوعیت کی آیات بہت کم پائی گئی ہیں اور گو کہ بعض علماء نے اس کے ضمن میں بکثرت آیات گنوا دی ہیں لیکن محققین نے (جیسے کہ قاضی ابوبکر ابن عربی ہیں) اس کو بڑی شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا اور مسئلہ کی اصل پوزیشن کو واضح کرتے پایہ ثبوت تک پہنچایا ہے۔

چنانچہ منجملہ ان آیات کے ایک سورہ بقرہ کی آیت "کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت" بھی ہے(البقرہ آیت 180) تم پر فرض کیا گیا جب تم میں کسی کو موت آئے اس آیت کی نسبت کہا گیا ہے کہ یہ آیت میراث سے منسوخ ہو گئی ہے۔ اور

دوسرا قول یہ ہے کہ نہیں بلکہ اس آیت کا نسخ حدیث "الا لا وصیۃ لوارث" سے ہوا ہے۔

اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس کا ناسخ اجماع امت ہے جیسا کہ ابن العربی نے بیان کیا ہے۔

(2) آیت "وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ" کو اللہ تعالی کے قول "فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ" نے منسوخ کر دیا ہے دوسری رائے یہ ہے کہ نہیں یہ آیت محکم ہے،اور اس میں لا نافیہ مقدر ہے یعنی اصل میں "لایطقونہ" ہے

(3) اللہ تعالی کا قول "احل لکم لیلۃ الصیام الرفث" ناسخ ہے اور اس نے آیت "کما کتب علی الذین من قبلکم" کو منسوخ کر دیا ہے کیونکہ اس کا مقتضی یہ ہے جس طرح سابق امتوں پر روزوں میں سو جانے کے بعد دوبارہ رات میں اٹھ کر کھانا پینا اور ہمبستری کرنا حرام تھا ویسے ہی اس امت مصطفویہ پر بھی یہ چیزیں حرام ہوں اس بات کو ابن العربی نے بیان کیا ہے اور ساتھ ہی ابن العربی نے ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہ آیت حدیث سے منسوخ ہوئی ہے۔

(4) اور آیت "یسالونک عن الشھر الحرام" منسوخ ہے اس کی تنسیخ اللہ تعالی کے ارشاد "وقاتلوا المشرکین کافۃ" سے ہوئی ہے یہ قول ابن جریر نے عطاء بن میسرہ سے روایت کیا ہے۔

(5) اور "والذین یتوفون منکم تاقولہ تعالی متاعا" الی الحول" کی آیت منسوخ ہے اس کی ناسخ آیت "اربعۃ اشھر وعشرا" ہے اور وصیت کی آیت میراث سے منسوخ ہو گئی ہے اور "سکنی" ایک گروہ کے نزدیک ثابت ہے اور بعض دوسرے حضرات اس کو منسوخ مانتے ہیں اور حدیث "ولا سکنی" کو اس کا ناسخ قرار دیتے ہیں۔

(6) ارشاد ربانی "وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللّٰہ" اس کے بعد والے قول باری تعالی "لا یکلف اللّٰہ نفسا الا وسعھا" سے منسوخ ہے

(7) سورہ آل عمران میں سے آیت "اتقوا اللّٰہ حق تقاتہ" کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ اس کو "فاتقوا اللّٰہ ما استطعتم" نے منسوخ کر دیا ہے اور لیکن یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے

سورہ آل عمران میں آیت مذکورہ بالا کے سوا اور کوئی ایسی آیت نہیں ہے جس کے بارے میں نسخ کا دعوی کرنا صحیح ہو۔

(8) سورہ الاحزاب میں سے "لا یحل لک النساء" کا حکم منسوخ ہے اس سورہ الاحزاب کو "انا احللنا لک ازواجک" کے قول خداوندی نے منسوخ کردیا ہے

(9) اور سورہ مجادلہ کی آیت "اذا ناجیتم الرسول فقدموا" اپنے مابعد آنے والی آیت سے منسوخ ہو گئی ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کسی آیت کا حکم اٹھا لینے اور اس کی تلاوت کو باقی رکھنے میں کیا حکمت ہے؟

تو اس کا جواب دو طریقوں سے دیا جا سکتا ہے

پہلا طریقہ یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ قرآن مجید کی تلاوت جس طرح اس سے حکم معلوم کر کے اس پر عمل کرنے کی غرض سے کی جاتی ہے' اسی طرح اس کے کلام الہی ہونے کی وجہ سے اس کی تلاوت کر کے محض ثواب حاصل کرنا بھی مقصود ہوتا ہے لہذا اس حکمت کی بناء پر تلاوت کو باقی رکھا گیا ہے

اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ نسخ غالب طور پر تخفیف کے لئے ہوتا ہے اور تلاوت کو اس سبب سے باقی رکھا کہ وہ اللہ تعالی کی نعمتوں اور نوازشوں کی یاد دلاتی رہے کہ بندو! یاد کرو اللہ تعالی نے تم پر اپنا لطف و کرم کر کے تمہیں محنتوں اور مشقتوں سے نجات دی ہے۔

قرآن پاک میں جس قدر آیات دور جاہلیت کے قوانین' ہم سے پہلی شریعتوں کے احکام یا اسلام کے ابتدائی دور کے احکام کو منسوخ کرنے کے لئے وارد ہوئی ہیں وہ بھی بہت کم تعداد میں ہیں اور اس کی مثال ہے آیت قبلہ سے بیت المقدس کی طرف رخ

کر کے نماز ادا کرنے کا منسوخ ہونا' اور رمضان کے روزوں سے عاشورا کے روزوں کا منسوخ ہونا۔

قسم سوم:۔ منسوخ کی تیسری قسم یہ ہے کہ صرف تلاوت منسوخ ہوئی ہے مگر حکم باقی ہے یعنی نسخ کا تعلق محض تلاوت سے ہے چنانچہ اس کا قرآن ہونا ثابت نہ ہو گا اور اس کی تلاوت کرنے سے قرآن پڑھنے کا ثواب نہیں ملے گا باقی رہا اس کا حکم تو وہ باقی رکھا گیا ہے اور اس پر عمل کیا جائے گا اس تیسری قسم کے منسوخ کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔

ابوعبید نے زربن حبش سے روایت کیا وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہ نے دریافت فرمایا کہ تم "سورہ الاحزاب" کی کتنی آیتیں شمار کرتے ہو۔

زربن حبش کہتے ہیں میں نے جواب دیا بہتر یا تہتر آیتیں

ابی بن کعب فرمانے لگے یہ سورت (سورہ الاحزاب) سورہ بقرہ کے برابر تھی اور ہم اس میں آیت رجم کی قرات کیا کرتے تھے

زرین حبش کہتے ہیں میں نے پوچھا کہ آیت رجم کیا تھی؟

حضرت ابی بن کعب نے فرمایا

"اذا زنا الشیخ والشیخۃ فارجموھما البتۃ نکالا" من اللہ واللہ عزیز حکیم"

ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں

"ایک سورت سورہ برأۃ کے مثل نازل ہوئی تھی مگر بعد میں وہ اٹھالی گئی اور اس کا صرف یہ اتنا حصہ محفوظ رکھا گیا "ان اللہ سیوید ھذا الذین باقوام لا خلاق لھم ولو ان لا بن آدم وادیین من مال لتمنی وادیا ثالثا ولا یملا جوف ابن آدم الا التراب ویتوب اللہ علی من تاب" اگر یہ سوال کیا جائے کہ منسوخ کی اس قسم یعنی حکم کو باقی رکھتے ہوئے تلاوت کو منسوخ کر دینے میں کیا حکمت ہے؟

علماء نے اس کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ اس طریقہ سے امت مصطفویہ علی صاحبہ التحیۃ والثناء کی اطاعت شعاری اور فرماں برداری کا اظہار مقصود تھا کہ کس طرح اس امت کے لوگ صرف ظن کی بنیاد پر بغیر کوئی دلیل اور تفصیل طلب کئے اللہ تعالی کی راہ میں جان دینے کے لئے منتظر رہتے ہیں اور اپنا مال جان اور سب کچھ اس کے راستے میں قربان کر دینے کے لئے اسی طرح تیار ہوتے ہیں جس طرح حضرت ابراہیم علیہ خلیل اللہ علیہ السلام اپنے لخت جگر نور چشم کو خواب میں اشارہ پاکر فوراً" ذبح اور قربان کرنے کو تیار ہو گئے تھے حالانکہ خواب وحی کا ادنی درجہ ہے۔

متفرق فوائد

بعض علماء کا قول ہے کہ قرآن پاک میں کوئی ناسخ ایسا نہیں کہ منسوخ ترتیب میں اس سے پہلے نہ آیا ہو' مگر دو آیتیں اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں۔ ایک "سورہ بقرہ" کی آیت عدت اور دوسری آیت "لا تحل لک النساء" ہے۔

اور بعض علماء نے اسی طرح کی مثال میں تیسری آیت سورہ حشر کی وہ آیت پیش کی ہے جو "فیی" کے بیان میں وارد ہوئی ہے۔ اور یہ اس شخص کی رائے کے مطابق ہوگی جو آیت حشر کو آیت "الانفال" "واعلموا انما غنمتم من شئی" سے منسوخ مانتا ہے۔

پھر بعض علماء نے "آیت" خذالعفو یعنی ان کا مال لے لو جو زائد ہے اور یہ اس شخص کے نزدیک ہے جس نے قول خداوندی خذ العفو کو آیت زکوہ سے منسوخ مانا ہے۔

ابن العربی کا قول ہے کہ قرآن مجید میں جہاں بھی کہیں کافروں سے درگزر کرنے اور انہیں معاف کر دینے کا ذکر آیا وہ سب احکام آیت سیف کے نزول سے منسوخ ہو گئے ہیں اور آیت سیف یہ ہے۔

"فاذا انسلخ الاشہر الحرام فاقتلوا المشرکین" آلایہ 5 سورۃ التوبۃ"

اس مذکورہ بالا آیت کریمہ نے ایک سو چوبیس آیات منسوخ کی ہیں پھر اس کے آخری حصہ نے اس کے اول حصہ کو بھی منسوخ کر دیا اور اس آیت میں جو ایک اہم بات تھی وہ پہلے ذکر ہو چکی ہے۔

ابن العربی نے ایک اور بات یہ بیان کی ہے کہ آیت "خذالعفو" "منسوخ کی ایک عجیب و غریب مثال ہے" کیونکہ اس کا مذکورہ بالا اول حصہ اور اخیر حصہ یعنی " واعرض عن الجاھلین" یہ دونوں منسوخ ہیں، مگر اس کا وسط یعنی "وامر بالمعروف" محکم ہے۔

اور اسی کی مثل ایک اور آیت بھی عجیب و غریب ہے جس کا اول حصہ منسوخ اور آخری حصہ ناسخ ہے اور اس آیت کی اور کوئی نظیر نہیں ملتی صرف ایک ہی مثال ہے جو اللہ تعالی کا یہ قول "۔

"علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم" یعنی جب کہ تم نے نیک کاموں کا حکم دینے اور بری باتوں سے منع کرنے کے ساتھ ہدایت پائی تو پھر کسی اور شخص کا گمراہ ہونا تمہارے لئے کچھ بھی مضر نہیں ہو سکتا۔ آیت کا آخری حصہ، شروع والے حصہ یعنی "علیکم انفسکم" کا ناسخ ہے۔

تنبیہ: ابن الحصار کا قول ہے کہ نسخ میں یہ امر ضروری ہے کہ محض کسی ایسی صریح نقل کی طرف رجوع کیا جائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابی رضی اللہ تعالی عنہ سے منقول ہو کہ "فلاں آیت نے فلاں آیت کو منسوخ کیا ہے۔

مزید فرماتے ہیں کہ: اور کبھی کوئی قطعی اور یقینی تعارض پائے جانے کی صورت میں تاریخ کا علم ہوتے ہوئے بھی نسخ کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔ تاکہ متقدم اور متاخر کا علم اور معرفت ہو سکے لیکن نسخ کے بارے میں عام مفسرین کا قول بلکہ مجتہدین کا اجتہاد بھی بغیر صحیح نقل اور بلا کسی واضح معارضہ کے قابل اعتماد نہیں ہو گا، کیونکہ نسخ کسی ایسے حکم کے اٹھا لئے جانے اور اس طرح ایک اور حکم کے ثابت کرنے کو متضمن ہوتا ہے جس کا تقرر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہو چکا ہے اور اس

میں نقل اور تاریخ ہی پر اعتماد کیا جا سکتا ہے رائے اور قیاس واجتہاد لائق اعتماد نہیں ہو گا۔

"متشابہ اور بظاہر متضاد و متناقض آیات کا بیان

اللہ تعالی کا کلام اس عیب سے پاک ہے کہ اس میں اختلاف اور تناقض پایا جائے اس بارے میں خود اللہ تعالی کا ارشاد ہے:۔

"ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا"

"یعنی اگر یہ قرآن پاک اللہ تعالی کی طرف سے نازل شدہ نہ ہوتا تو لوگ اس میں بہت سا اختلاف پاتے"

لیکن مبتدی شخص کو بعض اوقات اس میں اختلاف کا وہم سا پیش آتا ہے حالانکہ حقیقت میں اس کے اندر کوئی اختلاف نہیں ہوتا لہذا حاجت پڑی کہ اس وہم کا ازالہ کیا جائے اور اس سلسلہ میں تحقیقی کام ہو جس طرح باہم (بظاہر) متعارض اور متناقض احادیث میں جمع اور تطبیق پیدا کرنے کے لیے باقاعدہ اس موضوع پر کتابیں تصنیف کی گئی ہیں۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہا سے اس موضوع پر کچھ کلام بھی منقول ہے اور بعض مواقع پر انہوں نے مشکلات قرآن کی نسبت توقف بھی فرمایا ہے۔

عبدالرزاق اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: "معمر نے ایک شخص کے حوالہ سے خبر دی ہے کہ منہال بن عمرو نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ "ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا میں قرآن پاک میں بعض ایسی چیزیں پاتا ہوں جو مجھے آپس میں متعارض معلوم ہوتی ہیں۔

"حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا" وہ کیا ہیں؟ کیا کوئی شک پڑ گیا ہے؟

"سائل نے عرض کیا "شک کی کوئی بات نہیں۔ لیکن اختلاف و تعارض کا وہم گزرتا ہے! حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا۔"

"اچھا تو پھر بیان کرو تم کو قرآن میں کہاں اختلاف نظر آتا ہے! سائل کہنے لگا"۔

"سنئے! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (میں اللہ تعالیٰ کو یہ فرماتے ہوئے سنتا ہوں")

"(ثم لم تکن فتنتهم الا ان قالوا واللّٰہ ربنا ماکنا مشرکین) "الانعام آیت 23)
پھر ان کا کوئی بہانہ نہ ہوگا یہ کہ وہ کہیں گے ہمیں اپنے پروردگار اللہ کی قسم کہ ہم مشرک نہ تھے۔

"اور فرمایا "ولا یکتمون اللّٰہ حدیثا") (السناء آیت 42 "اور اللہ سے وہ کوئی بات نہ چھپا سکیں گے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے کتمان کیا تھا اور بات چھپائی تھی اسی طرح میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کو قرآن میں یہ فرماتے ہوئے سنتا ہوں۔

" فلا انساب بینهم یومئذ ولا یتساء لون "(المومنون آیت 101) تو ان کے درمیان اس دن رشتے (باقی) نہ رہیں گے اور نہ ہی ایک دوسرے کا حال پوچھ سکیں گے اور پھر دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے و اقبل بعضهم علی بعض یتساء لون (الصفت آیت (2)

اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر آپس میں ایک دوسرے کا حال پوچھیں گے اور اللہ تعالیٰ کا قول ہے "قل ائنکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین "(الصفت آیت 27) اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر آپس میں ایک دوسرے کے حال پوچھیں گے اور اللہ تعالیٰ کا قول ہے" قل ائنکم لتکفرون بالذی خلق الارض یومین "(حم السجدہ آیت 9) تا قولہ تعالیٰ .... طائعین فرمائے کیا یقیناً" تم ضرور کفر کرتے ہو اس (اللہ) کے ساتھ جس نے دو دن میں زمین بنائی پھر دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

" ام السماء بنا ھا "(النزعات آیت 27) یا آسمانوں کا بنانا اور فرمایا "والارض بعد ذلک دحاھا" (النزعت آیت 30) اور زمیں اس کے بعد پھیلائی۔ اور میں یہ آیت بھی لیتا ہو "کان اللّٰہ " حالانکہ اللہ تعالیٰ کی شان تو "کان اللہ" فرمانے سے بلند و بالا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شخص کی ساری گفتگو کے بعد ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کا فرمان "ثم لم تکن فتنتهم الا ان قالوا واللّٰہ ربنا ماکنا مشرکین

'(سورہ الانعام آیت 23) پھر ان کا کوئی بہانہ نہ ہو گا مگر یہ کہ وہ کہیں گے ہمیں اپنے پروردگار اللہ کی قسم ہے کہ ہم مشرک نہ تھے بالکل بجا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ قیامت کے دن جب مشرکین دیکھیں گے کہ اللہ تعالی اہل اسلام کے تمام گناہوں کو بخش رہا ہے صرف شرک کو نہیں بخشا شرک کے علاوہ کسی بھی گناہ کو بخش دینا اللہ تعالی کے لئے گراں نہیں تو وہ یہ منظر رحمت دیکھ کر کہیں گے کہ یا اللہ ہم نے شرک نہیں کیا تھا یعنی وہ مغفرت کی امید میں جان بوجھ کر اپنے شرک کا انکاری ہو جائیں گے اور کہیں گے واللہ ربنا ماکنا مشرکین اے ہمارے رب تیری ذات کی قسم ہم شرک کرنے والے نہیں تھے۔

"فختم اللّٰہ علی افواھم وتکلمت ایدیھم وارجلھم بما کانوا یعملون" پس اللہ ان کے مونھوں پر مہر لگا دے گا اور ان کے ہاتھ پاؤں کلام کرنے لگیں کہ وہ کیا کرتوتیں کرتے تھے۔

تو اس موقع پر کافروں اور منکرین رسالت کے دل یہ چاہیں گے کہ کاش ان کو زمین نگل جاتی اور وہ اللہ تعالی سے کچھ بھی تو چھپا نہیں سکیں گے۔

"یود الذین کفروا وعصوا الرسول لو تسوی بھم الارض ولا یکتمون اللّٰہ حدیثا" (نساء آیت 42) اور اللہ تعالی کا قول "فلا انساب بینھم یومئذ ولا یتساء لون" (المومنون 111) (تو نہ ان میں رشتے رہیں گے اور نہ ایک دوسرے کی بات پوچھیں گے۔ تو اس کا بیان اور سیاق کلام یہ ہے "فانہ اذا نفخ فی الصور فصعق من فی السموات ومن فی الارض الا من شاء اللّٰہ (فلا انساب بینھم یَوْمَئِذٍ ولا یتساء لون) ثم نفخ فیہ اخری فاذا ھم قیام ینظرون (واقبل بعضھم علی بعض یتساء لون (الصفات آیت 27"

(ا) الزمر 68) اور صور پھونکا جائیگا تو بیہوش ہو جائے گے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمینوں میں مگر جسے اللہ چاہے پھر وہ دوبارہ پھونکا جائے جبھی وہ دیکھتے ہوئے کھڑے ہو جائیں گے (الصفات آیت 27) اور ان میں ایک نے دوسرے کی طرف منہ کیا آپس

میں پوچھتے ہوئے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد

"خلق الارض فی یومین" (حم السجدہ آیت 9) جس نے دو دن میں زمین بنائی اس کے بارے میں معلوم ہونا چاہئے کہ زمین آسمان سے پہلے پیدا کی گئی اور آسمان اس وقت دھواں تھا پھر اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کے سات طبق دو دن میں زمین کی تخلیق کے بعد بنائے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد "والارض بعد ذالک دحاھا" (النزعات آیت 30) ترجمہ۔ اور زمین اس کے بعد پھیلائی۔

اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے زمین میں پہاڑ' دریا' درخت اور سمندر بنائے اور ارشاد ربانی "کان اللہ" کے متعلق یہ امر ملحوظ رہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا وہ اسی طرح ازل سے عزیز حکیم اور قدیر ہے اور یونہی ہمیشہ رہے گا۔

پس قرآن مجید میں جو کچھ تجھے اختلاف نظر آتا ہے وہ اختلاف ایسا ہے جیسا کہ میں نے بتایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جو کچھ بھی نازل فرمایا اس کی مراد واضح ہے اور حق صواب ہے لیکن قلت تدبر کی وجہ سے چونکہ اکثر لوگ اس کی حقیقی مراد تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے اور انہیں اس میں تعارض اور اختلاف نظر آنے لگتا ہے جبکہ حقیقت میں اس میں کوئی تعارض نہیں ہوتا حاکم نے مستدرک میں اس روایت کو پوری تفصیل سے ذکر کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے اس حدیث کی اصل صحیح (صحیحین) میں بھی موجود ہے علامہ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ اپنی شرح میں لکھتے ہیں۔

"اس حدیث پاک کا ماحصل چار باتوں کی بابت سوال ہے۔

اول:۔ قیامت کے دن لوگوں کے باہم سوال کرنے کی نفی اور اس کے کے ثبوت کا بیان۔

مشرکین کا اپنے حال کو چھپانا اور پھر اس کو آشکارا کر دینے کا بیان۔

سوم:۔ یہ سوال کہ آسمان کی تخلیق پہلے ہوئی یا زمین کی؟

چہارم:۔ لفظ کان جو گزشتہ زمانہ پر دلالت کرتا ہے اس کا استعمال اللہ کے لئے کیونکر

درست ہے اس لئے کہ اللہ تعالی تو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے پہلے سوال کا جو جواب دیا اس کا حاصل یہ ہے کہ دوسری مرتبہ صور پھونکے جانے سے قبل لوگوں کے سوال کرنے کی نفی ہے اور اس کے بعد دوبارہ صور جب پھونکا جائے گا تو اس کے بعد لوگ باہم سوال وغیرہ کریں گے۔

اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ وہ(مشرک) اپنی زبانوں سے (گناہوں کو) چھپائیں گے اور ان کے ہاتھ اور دیگر اعضائے بدن کرشمہ خداوندی سے گفتگو کرنے لگیں گے اور تیسرے سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ "اللہ تعالی نے پہلے زمین کو دو دن میں پیدا کیا لیکن ابھی اس کو بچھایا نہیں پھر دو دن میں آسمان بنائے اور ان کو ہموار کیا پھر اس کے بعد زمین کو بچھایا اور اس میں پہاڑوں وغیرہ کے لنگر ڈالے اس میں بھی دو دن لگے اس طرح زمین کو تخلیق کرنے میں چار دن صرف ہوئے اور سوال چہارم کا جواب یہ ہے کہ "لفظ کان" اگرچہ زمانہ ماضی پر دلالت کے لئے وضع کیا گیا ہے مگر اس کو انقطاع لازم نہیں ہے بلکہ یہ دوام اور ہمیشگی کے معنی کے لئے بھی آتا ہے اور مراد یہ ہے کہ اللہ تعالی ہمیشہ ایسا ہی رہے گا۔

قرآن مجید کے مشکل اور متشابہ کا ایک مقام کہ جس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما بھی توقف فرمایا ہے۔

ابو عبید اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ کسی شخص نے ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے اللہ تعالی کا قول "فی یوم کان مقدارہ الف سنہ" (سجدہ 5) اس دن میں جس کی مقدار ایک ہزار سال ہے اور قول باری تعالی "فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنہ" (المعارج 4) ترجمہ۔ اس میں جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے کا مطلب دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا" وہ دونوں دو دن ہیں جن کا ذکر اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں فرمایا اور اللہ تعالی ان کو خوب جانتا ہے

اسباب الاختلاف کا بیان

علامہ زرکشی نے "البرہان" میں اختلاف آیات کے کئی اسباب بیان کئے ہیں ان میں سے

ایک سبب یہ ہے۔

کہ مخبریہ (جس کی خبر دی گئی) کا وقوع مختلف احوال اور متعدد اطوار پر ہوا ہے مثلاً" اللہ تعالی حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بارے میں ایک جگہ ارشاد فرماتا ہے"من تراب" مٹی سے اور دوسری جگہ فرمایا"من حما مسنون"(الحجر 33) جو سیارہ بو دار گارے سے تھی اور کہیں" من طین لازب "(الصفات 11) لیس دار مٹی سے ارشاد ہوتا ہے اور ایک جگہ فرمایا "من صلصال کا لفخار "الرحمان 14" ٹھیکری کی طرح بجتی سوکھی مٹی سے پس یہ الفاظ بھی مختلف ہیں اور ان کے معانی بھی مختلف صورتیں رکھتے ہیں کیونکہ لفظ"صلصال" "حما" سے الگ ایک چیز ہے اور حما اور تراب بھی ایک دوسرے کے غیر غیر ہیں مگر ان سب کی اصل ایک ہے اور وہ جوہر اور اصل تراب (مٹی) ہے اور (تراب) مٹی ہے درجہ بدرجہ یہ سب حالتیں ہوتی گئیں۔

دوسرا سبب: موضع کا اختلاف ہے جیسے اللہ تعالی کا قول ہے سورہ الصفت آیت 24" وقفوھم انھم مسولون"(اور (ذرا) انہیں ٹھہراؤ بیشک ان سے پوچھا جائیگا) اور قول باری تعالی ہے۔

"فلنسئلن الذین ارسل الیھم ولنسئلن المرسلین "(الاعراف آیت 6) تو بے شک ہم ان لوگوں سے ضرور پوچھیں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے اور بے شک ہم رسولوں سے ضرور پوچھیں گے باوجود اس کے کہ اسی کے ساتھ اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔

"فیومئذ لا یسئل عن ذنبہ انس ولا جان"(الرحمن 39) تو اس دن کسی گنہگار کے گناہوں کے بارے میں (تحقیق کے لئے) کسی انسان اور جن سے نہ پوچھا جائیگا۔

علامہ حلیمی رحمتہ اللہ تعالی بیان کرتے ہیں۔

کہ ان مقامات پر پہلی آیت کو توحید اور تصدیق انبیاء کرام علیہم السلام کے سوال پر محمول کیا جائے گا۔

اور دوسری آیت کا حمل ان امور کے سوال پر ہو گا جو کہ شرائع اور احکام کے بارے میں ہو گا جن کو اقرار نبوت مستلزم ہے۔ اور بعض علماء نے دوسری آیت کو مقامات کے مختلف ہونے پر محمول کیا ہے کیونکہ قیامت میں مختلف مقامات ہونگے کہ ان میں سے کسی مقام پر لوگو سے سوال ہو گا اور کسی مقام پر ان سے باز پرس نہ بھی ہو گی۔

اور ایک قول یہ بھی ہے کہ مثبت سوال شرم دلانے اورڈانٹ ڈپٹ کے لئے اور منفی عذر خواہی اور بیان حاجت کا سوال ہو گا

تیسرا سبب:۔ دو باتوں کا فعل کی دو مختلف جہتوں کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے جیسے اللہ تعالی کا یہ قول ہے" فلم تقتلو هم ولكن الله قتلهم "(تو اے مسلمانو!) تم نے انہیں قتل نہیں کیا لیکن اللہ نے انہیں قتل کیا ہے اور قول باری تعالی "ومارميت اذرميت ولكن الله رمیٰ " کہ مٹی (الانفال آیت 17) اور (اے محبوب!) آپ نے(خاک) نہیں پھینکی جس وقت آپ نے پھینکی لیکن اللہ تعالی نے پھینکی کہ آیتوں میں قتل کی نسبت کافروں کی طرف اور رمی یعنی پھینکنے کی اضافت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہے کسب مباشرت اور تاثیر ہر دو لحاظ سے اور پھر کفار اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں سے تاثیر کے اعتبار سے ان افعال کی نفی کر دی ہے۔

چوتھا سبب:۔ یہ ہے کہ دو باتیں حقیقت و مجاز میں مختلف ہوں جیسے اس آیت میں ہے " وترى الناس سكارى وما هم بسكارى" اور تو دیکھے گا کہ لوگ نشہ میں ہیں اور وہ نشہ میں نہ ہونگے۔

یعنی قیامت کے ہولناک احوال کی وجہ سے ان کو مجازا" نشہ میں چور کہا گیا ہے اور حقیقت میں شراب کے نشہ میں چور نہیں ہونگے۔

پانچواں سبب:۔ وہ اختلاف ہے جو کہ دو اعتبار سے ہو جیسے اللہ تعالی فرماتا ہے" الذين امنوا وتطمئن قلوبهم بذكر الله"(الرعد آیت 28) یو وہ لوگ(ہیں) جو ایمان لائے

اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہوتے ہیں کہ اسی کے ساتھ یہ ارشاد بھی ہے" انما المومنون الذین اذا ذکر اللّٰہ وجلت قلوبھم" ان دونوں آیت کو دیکھنے سے خیال ہوتا ہے کہ "وجل" ڈرنا اور طمانینت (سکون قلب) کے خلاف ہے اس کا جواب یہ ہے طمانینت اور تسکین قلب معرفت توحید کے ساتھ انشراح صدر سے حاصل ہوتی ہے اور وجل" ڈر" لغزش کے اندیشہ کے وقت راہ ہدایت سے بھٹک جانے کے خیال سے پیدا ہوتا ہے۔

اور قلوب لرز جاتے ہیں اور ایک آیت میں تو یہ دونوں باتیں جمع ہو گئی ہیں وہ آیت کریمہ یہ ہے" تقشعر منه جلود الذین یخشون ربھم ثم تلین جلودھم وقلوبھم الی ذکر اللّٰہ"(الزمر آیت 23) اس سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ان لوگوں کے جسموں پر جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھران کی کھالیں اور ان کے دل نرم ہو جاتے ہیں اللہ کے ذکر کی طرف اسی طرح قول خداوندی" فمن اظلم ممن افتری علی اللّٰہ کذبا" اور" فمن اظلم ممن کذب علی اللّٰہ " کو اللہ تعالی کے قول " ومن اظلم ممن منع مساجد اللّٰہ " اور قول باری تعالی "ومن اظلم من ذکربایات ربه فاعرض عنھا ونسی ماقدمت یداہ" وغیرہ آیتوں کے ساتھ تقابل کر کے دیکھا جائے تو اشکال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ اس جگہ استفہام انکاری مراد ہے اور معنی یہ ہوئے"لا احد اظلم" پس یہ جملہ معنی کے لحاظ سے جملہ خبریہ بنے گا اور جب خبریہ ہو اور آیات کو ان کے ظاہر پر لیا جائے تو ان کے اندر تناقض ہو گا اس اشکال کا جواب کئی طریقوں سے دیا گیا ہے۔

ان جوابات میں سے ایک جواب یہ ہے کہ ہر مقام پر لفظ اپنے صلہ کے ساتھ مخصوص ہے یعنی مقصد یہ ہے کہ منع کرنے والوں میں کوئی شخص اس سے بڑا ظالم نہیں جو اللہ تعالی کے ذکر سے مسجدوں میں منع کرنے والا ہو اور افتراء باندھنے والوں میں اس سے بڑھ کر کوئی برا نہیں جو اللہ تعالی پر جھوٹ تراشتے ہیں اور جس وقت ان میں صلات(صلہ کی جمع) کی خصوصیت کا لحاظ کیا جائے تو پھر یہ تناقض بھی خود رفع ہو

جائے گا۔

قرآن مجید کی مطلق اور مقید آیات کا بیان

مطلق:۔ وہ کلام ہے جو کسی قید کے بغیر ماہیت پر دلالت کرتا ہو اور مطلق کے ساتھ جب قید کا بھی لحاظ ہو تو اس کا حکم وہی ہوتا ہے جو عام کا خاص کے ساتھ ہوتا علماء بیان کرتے ہیں

کہ اگر مطلق کی تقیید پر کوئی دلیل موجود ہو تو اس کو مقید کریں گے ورنہ نہیں بلکہ مطلق کو اس کے اطلاق پر چھوڑ دیں گے اور مقید کو اس کی تقیید پر باقی رہنے دیا جائے گا یہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں لغت عرب کے ساتھ خطاب فرمایا ہے اس سلسلے میں ضابطہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کا حکم صفت یا شرط کے ساتھ مقید کر کے دیا ہو اور پھر اس کے بعد ایک اور حکم مطلق طور پر وارد ہوا ہو تو اس صورت میں غور کیا جائے گا کہ آیا اس حکم مطلق کی کوئی ایسی اصل بھی ہے جس کی طرف وہ راجع ہو سکے یا نہیں؟

اگر اس دوسرے مقید حکم کے سوا اس کی ایسی کوئی اصل نہیں ہے کہ جس کی طرف حکم مطلق کو پھیر سکیں' تو اب اسی قید کے ساتھ اس حکم مطلق کو مقید کرنا ضروری گا۔ اور اگر اس کی کوئی اور اصل اس حکم مقید کے علاوہ بھی ہو تو اس صورت میں حکم مطلق کو دو اصولوں میں سے ایک چھوڑ کر دوسرے کی طرف راجع کرنا افضل اور بہتر نہ ہو گا کیونکہ دونوں برابر ہیں۔ اول کی مثال رجعت' فراق اور وصیت پر گواہوں میں عدالت کا شرط قرار دینا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے"واشھدوا ذوی عدل منکم"(الطلاق 2) اور قول باری تعالیٰ "شھادہ بینکم اذا حضر احدکم الموت حین الوصیہ اثنان ذواعدل منکم"(المائدہ آیت 106)جب تم میں سے کسی کو موت آئے تو وصیت کے وقت تمہاری آپس کی گواہی (اس طرح ہو) کہ تم میں سے دو معتبر شخص ہوں اور بیع کے

معاملات میں مطلق شہادت کا حکم وارد ہے۔

ارشاد خداوندی ہے

" واشهدوا اذا تبایعتم "(بقرہ 286) اور گواہ بنا لو جب تم خرید و فروخت کرو اور دوسری جگہ فرمایا"فاذا دفعتم الیهم اموالهم فاشهدوا علهیم "(النساء آیت 6) پھر جب تم نے کے مال ان کے سپرد کرنے لگو تو ان پر گواہ بنا لو بہر حال ان سب احکام مذکور میں گواہوں کے لئے شرط ہے کہ عادل ہوں ایسے ہی کفارہ قتل میں مومن غلام آزاد کرنے کی شرط ہے جبکہ کفارہ یمین اور کفارہ ظہار میں مطلق حکم ہے اور وصف رقبہ میں مطلق اور مقید دونوں یکساں ہونگے۔

اور اسی طرح آیت وضو میں ہاتھوں کو مرافق (کہنیوں) تک مقید کرنا اور تیمم میں مطلق رکھنا بھی اس کی مثال ہے۔ اور آیت " فمن یرتدد منکم عن دینه فیمت وهو کافر "(البقرہ آیت 217) اور تم میں سے جو مرتد ہو جائے اپنے دین سے پھر وہ کافر ہونیکی صورت میں مرجائے میں اعمال کے اکارت جانے کو اسلام سے مرتد ہو کر بہ حالت کفر مرجانے کے ساتھ مقید کیا ہے پھردوسرے مقام پر اللہ تعالی نے فرمایا

" ومن یکفر بالایمان فقد حبط عمله "(المائدہ آیت 5) او جس نے ایمان لانے سے انکار کیا تو بے شک سا کا عمل ضائع ہو گیا اس آیت میں اعمال کے ضائع ہونے اور رائیگاں جانے کو مطلق رکھا گیا ہے۔

اور سورہ الانعام میں خون کے حرام ہونے کو صفت مسفوح (بہنے) کے ساتھ مقید کیا گیا ہے اور دوسری جگہوں پر اس قید کے بغیر مطلق ذکر کیا ہے۔ چنانچہ امام شافعی رحمتہ اللہ تعالی کا مذہب یہ ہے کہ تمام صورتوں میں مطلق کو مقید ہی پر محمول کرنا چاہئے لیکن کچھ علماء اس قید کے قائل نہیں ہیں اور وہ ظہار اور یمین کے کفارہ میں کافر غلام کا آزاد کرنا بھی جائز قرار دیتے ہیں اور تیمم کے سلسلہ میں صرف دونوں کلائیوں تک مسح کو کافی قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ محض ردت (اسلام سے برگشتہ ہونا) ہی اعمال کے اکارت اور بیکار ہو جانے کا باعث ہے۔

قسم ثانی:۔ یعنی مقید احکام کی مثال یہ ہے کہ کفارہ قتل اور کفارہ ظہار کے روزوں کو مسلسل رکھنے کی قید کے ساتھ مقید کیا گیا ہے اور تمتع کے روزوں میں تفریق کر کے رکھنے کی قید لگائی ہے اور کفارہ یمین اور قضاء رمضان میں **مطلق** حکم ہے یعنی ان کو متواتر اور متفرق دونوں طرح رکھنا جائز رہے گا۔

قرآن مجید کے منطوق اور مفہوم کا بیان

منطوق:۔ وہ معنی جس پر لفظ کی دلالت میں محل نطق میں ہوتی ہے پھر اگر لفظ ایسے معنی کا فائدہ دے کہ اس کے سوا اور معنی کا وہ لفظ احتمال ہی نہ رکھتا ہو تو اسے نص کہتے ہیں جیسے اس کی مثال ہے

" فصیام ثلاثہ ایام فی الحج وسبعة اذا رجعتم تلک عشرة کاملة"(البقرہ 196) پھر جسے قربانی کی قدرت نہ ہو تو اس پر حج کے دنوں میں تین دن کے روزے ہیں اور سات(روزے) جب تم واپس آؤ یہ پورے کرنیں ہونگے۔ اور اگر وہ لفظ مذکور بالا معنی کے ساتھ دوسرے معنی کا بھی مرجوح اور کمزور سا احتمال رکھتا ہو تو اس کو"ظاہر" کہتے ہیں مثلاً" "فمن اضطر غیر باغ ولا عاد"(البقرہ آیت 173) اس لئے کہ باغی کا لفظ جاہل اور ظالم دونوں پر بولا جاتا ہے حالانکہ وہ اس معنی میں زیادہ ظاہر اور غالب ہے دوسری مثال آیت کریمہ" فلا تقربوھن حتی یطھرن" ہے(البقرہ 222) اس لئے کہ جس طرح عورتوں کے ایام عادت ختم ہونے پر "طہر" کا اطلاق ہوتا ہے۔ اسی طرح وضو اور غسل کو بھی طہر کہتے ہیں اور دوسرے معنی میں طہر کا لفظ زیادہ ظاہر و غالب ہے اگر کسی دلیل کی بناء پر لفظ ظاہر کو امر مرجوح(کمزور معنی) پر محمول کیا جائے تو یہ صورت تاویل کہلاتی ہے اور جس مرجوح پر اس کو حمل کیا گیا ہے اس مؤول کہتے ہیں اس کی مثال اللہ تعالی کا قول یہ ہے۔

"وھو معکم اینما کنتم"(حدید 4 اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم کہیں بھی ہو) اس آیت میں معیت (ساتھ ہونا) ذات کے اعتبار سے محال ہے لہٰذا اس کا معنی ظاہر سے پھیر کر کیا جائے گا کہ وہ اپنے علم، قدرت، حفاظت اور رعایت فرمانے کے اعتبار سے ساتھ ہے۔

یا مثلاً" اللہ تعالی کا قول" واخفض لھما جناح الذل من الرحمہ"(بنی اسرائیل 24) (اور نرم دلی کے ساتھ ان کے لئے عاجزی سے جھکے رہنا)

اس آیت کو ظاہری لفظوں پر محمول کرنا اس لئے ممکن نہیں ہے کہ انسان کے پر

نہیں ہوتے لہٰذا اس کو حسن اخلاق اور عاجزی کے معنی پر محمول کیا جائیگا۔

مفہوم:۔ لفظ کی دلالت معنی پر محل نطق میں نہ ہو بلکہ اس سے خارج ہو تو ایسی دلالت کو مفہوم کہتے ہیں اس کی دو قسمیں ہیں۔

مفہوم موافق (2) مفہوم مخالف

پہلی قسم یعنی مفہوم موافق یہ ہے کہ جس کا حکم منطوق کے حکم کے موافق ہو یہ موافقت اولی ہو گی تو اس کا نام "فحوی الخطاب" رکھا جائے گا۔ اس کی مثال یہ آیت ہے" فلا تقل لهما اف"

یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ والدین کو مارنا حرام ہے یہ دلالت اس واسطے ہے کہ مارنا بہ نسبت کلمہ اف کہنے کے زیادہ سخت ہے۔

اور اگر یہ موافقت مساوی ہو تو اسے "لحن انحطاب" کہتے ہیں یعنی خطاب کا معنی مفہوم جسے اللہ تعالی کا قول "ان الذين ياكلون اموال اليتامى ظلما" "(النساء آیت 10)

(بے شک جو لوگ کھاتے ہیں یتیموں کا مال ناحق) دلالت کرتا ہے کہ یتیموں کا مال جلا ڈالنا حرام ہے وجہ دلالت یہ ہے کہ ناحق اور ظلم کے ساتھ یتیموں کا مال کھا جانا اور اس کو جلا ڈالنا دونوں اتلاف مال میں مساوی ہیں۔

دوسری قسم:۔ یعنی مفہوم مخالف یہ ہے کہ جس کا حکم منطوق کے حکم کے خلاف ہو اور اس کی کئی قسمیں ہیں۔

(1) **مفہوم صفت:۔** عام ازیں کہ وہ نعت (وصف) ہو یا حال ہو' یا ظرف یا عدد ہو مثلا" اس کی مثال اللہ تعالی کا یہ قول ہے کہ "ان جاء كم فاسق بنباء فتبينوا"

(جب تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو خوب چھان بین کر لیا کرو)

اس آیت کا مفہوم ضحالف یہ ہے کہ غیر فاسق کی خبر میں تحقیق ضروری نہیں ہے چنانچہ ایک عادل شخص کی خبر مقبول ہو گی

(2) **مفہوم شرط جیسے:۔** "وان كن اولات حمل فانفقوا عليهن"

(اور اگر وہ (مطلقہ عورتیں) حاملہ ہوں تو ان پر خرچ کرو)

اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ غیر حاملہ ہونے کی صورت میں مطلقہ عورتوں پر خرچ کرنا شوہروں پر واجب نہیں ہے۔

مفہوم غایت:۔ مثلاً" اللہ تعالی کا قول:" فلاتحل له من بعد حتی تنکح زوجاً" غیرہ"(پھر اگر اسے تیسری طلاق دیدی تو وہ عورت) اس تیسری طلاق کے بعد اس کے لئے حلال نہیں یہاں تک کہ وہ عورت) اس کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کرے جس کو اس کے شوہر نے طلاق مغلظ دے دی ہو دوسرے مرد سے نکاح کر کے ضروری عمل سے گزر جائیگی تو اب وہ بشرط رضا مندی زوج اول کے لئے حلال ہو جائے گی۔

(4) مفہوم حصر:۔ جیسے مثلاً"لا الہ الا اللہ" اور "انما الھکم اللّٰہ" یعنی یہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی اور لائق عبادت نہیں ہے۔

"فاللّٰہ ھوالولی" یعنی اللہ کے سوا کوئی ولی نہیں ہے۔ "لا لی اللّٰہ تحشرون" یعنی اللہ کے سوا کسی اور کی طرف ان کا حشر نہیں ہو گا۔ "ایاک نعبد" ہم تیری ہی عبادت کریں یعنی تیرے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا مفہوم مخالف بطور حجت معتبر ہے یا کہ نہیں؟ تو اس میں مختلف آراء اور اقوال ہیں زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ چند شرائط کے ساتھ جو اصول فقہ کی کتب میں بیان کئے گئے ہیں یہ حجت ہے۔

قرآن پاک کے وجوہ مخاطبات

علامہ ابن الجوزی اپنی کتاب "النفس" میں بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں خطاب پندرہ طریق سے آیا ہے اور ایک عالم نے تیس سے زیادہ قرآن میں وجوہ خطاب گنوائے ہیں ازاں جملہ بعض طریق خطاب حسب ذیل ہیں۔

(1) **خطاب عام:۔** اور اس سے عموم مراد ہے مثلاً" اللہ تعالیٰ کا ارشاد "اللّٰہ الذی خلقکم" (اللہ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا

(2) **خطاب خاص:۔** اور اس میں خصوصی مراد ہے مثلاً" اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

"اکفرتم بعد ایمانکم "(آل عمران 106) (کیا تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے اور "یاایھا الرسول بلغ" (المائدہ 67) اے رسول پہنچا دیجئے۔

(3) **خطاب عام:۔** جس سے خصوصی مراد ہے مثلاً" "یاایھا الناس اتقوا ربکم" (الحج 1) اے لوگوں اپنے رب سے ڈرو کہ اس میں بچے اور پاگل (دیوانے) داخل نہیں

(4) **خطاب خاص:۔** جس سے عموم مراد ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

" یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء" (الطلاق آیت 1) اے نبی (ایمان والوں سے فرما دیجئے) جب کہ اس میں افتتاح خطاب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوا مگر مراد تمام وہ لوگ ہیں جو طلاق کے مالک ہوں۔ اور آیت کریمہ "یا ایھا النبی اذا احللنا لک ازواجک" (سورت الاحزاب آیت 50) اے نبی ہم نے آپ کے لئے آپ کی وہ بیویاں حلال فرما دیں) کے بارے میں ابوبکر "الصیرفی" بیان کرتے ہیں

اس آیت میں خطاب کا آغاز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ہوا تھا پھر جب اللہ تعالیٰ نے "موہوبہ" کے بارے میں "خالصتہ لک" فرمایا تو اس سے معلوم ہوا کہ اس کا ماقبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے علاوہ دوسرے لوگوں کو بھی شامل ہے۔

(5) **خطاب جنس:۔** مثلاً قول باری تعالیٰ "یاایھا النبی" اے نبی علیک السلام

(6) **خطاب نوع:۔** مثلاً" یا بنی اسرائیل اے بنی اسرائیل!

خطاب عین:۔ جیسے یا آدم اسکن اے آدم سکونت اختیار کرو یا نوح اھبط اے نوح اترو یا ابراہیم قدصدقت اے ابراہیم (علیہ السلام) تم نے سچ کر دکھایا یا موسیٰ لا تخف اے موسیٰ مت ڈر یا عیسیٰ انی متوفیک اے عیسیٰ

قرآن مجید میں کسی مقام پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد کہہ کر نام کی حیثیت سے خطاب نہیں ہوا بلکہ آپ کی تعظیم اور تشریف کا لحاظ کرتے ہوئے "یاایھا النبی " اور" یاایھا الرسول" کے ساتھ آپ کو مخاطب کیا گیا ہے۔

(8) **خطاب مدح:۔** مثلاً" "یاایھا الذین امنوا" اور اسی لئے اہل مدینہ کو" الذین آمنوا وھاجروا "(9) **خطاب الذم:۔** مثلاً" "یا ایھا الذین کفرو لا تعتذروا الیوم"" قل یاایھا الکافرون"

(10) **خطاب کرامت:۔** جیسے اللہ تعالیٰ کا قول"یا ایھا النبی یا ایھا الرسول"

(11) **خطاب اہانت:۔**"فانک رجیم " تو مردود ہے اور" اخسوا فیھا ولا تکلمون"

(12) **خطاب تھکم:۔** جیسے "ذق انک انت العزیز الحکیم"

(13) **خطاب جمع لفظ واحد کے ساتھ:۔** جیسے "یا ایھا الانسان ماغرک بربک الکریم"

(14) **خطاب واحد لفظ جمع کے ساتھ:۔** "یاایھاالرسول کلوا من الطیبات تا قولہ تعالی فذرھم فی غمرتھم"

یہ تنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے کیونکہ نہ تو آپ کے ساتھ کوئی رسول تھا اور نہ ہی آپ کے بعد کوئی نبی ہوا یا ہو گا۔

اور اسی طرح آیت کریمہ "وعاقبتم فعاقبوا" میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو خطاب ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے" واصبرو ما صبرک الا با اللّٰہ"

پھر اسی طرح اللہ تعالی کے قول "فان لم یستجیبوا لکم فاعلموا" میں بھی اکیلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا گیا ہے اور تنہا آپ ہی مخاطب ہیں اس کی دلیل اللہ تعالی کا ارشاد "قل فاتوا" ہے

(15) واحد کو تثنیہ (دو) کے لفظ سے خطاب کرنا جیسے "القیا فی جھنم" تم دونوں جہنم میں ڈال دو حالانکہ یہ خطاب مالک داروغہ دوزخ کو ہے۔

اور ایک قول ہے کہ نہیں بلکہ اس کے مخاطب دوزخ کے خزانہ دار فرشتے اور وہاں کے عذاب دینے والے فرشتے ہیں تو اس حالت میں وہ جمع کا خطاب لفظ تثنیہ کے ساتھ ہو گا۔

اور یہ قول بھی ہے کہ یہ دو ایسے فرشتوں سے خطاب ہے جو انسان پر موکل و مقرر ہیں جیسا کہ ان کا بیان آیت کریمہ وجائت کل نفس معھا سائق شھید میں کیا گیا ہے۔

(16) تثنیہ (دو) کو لفظ واحد کے ساتھ خطاب مثلاً" فمن ربکما یا موسی بقی ویا ھارون" اور اس کی مثال "فلا جنکما من الجنته فتشقی" بھی ہے ابن عطیہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالی نے اس خطاب میں صرف حضرت آدم علیہ السلام ہی کو تنہا شقاوت کے ساتھ مخاطب کیا ہے کیونکہ آپ ہی مخاطب اول اور مقصود فی الکلام ہیں۔

(17) دو شخصوں کو لفظ جمع کے ساتھ خطاب کرنا جیسے" ان تبوا لقو مکما بمصر بیوتا" واجعلوا بیوتکم قبلہ"

تم دونوں اپنے لوگوں کے لئے مصر میں گھر بناؤ اور تم سب اپنے گھروں کو قبلہ (مسجد) قرار دو۔

فائدہ

بعض علماء بیان کرتے ہیں کہ قرآن کے خطاب کی تین قسمیں ہیں۔

(1) ایک قسم ایسی ہے جو صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مناسب ہے

(2) دوسری قسم وہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لئے ہی موزوں ہے۔

(3) تیسری قسم وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے لوگوں کے لئے یکساں ہے یعنی دونوں ہی اس کے مخاطب ہو سکتے ہیں۔

قرآن کے حقیقت اور مجاز کا بیان

بلاشبہ قرآن مجید میں حقائق کا وقوع ہوا ہے اور حقیقت اس لفظ کو کہا جاتا ہے جو اپنے معنی موضوع لہ میں استعمال ہو اور اس میں کسی قسم کی تقدیم و تاخیر نہ کی گئی ہو بلکہ اپنے معنی پر باقی ہو اور قائم ہو یہ کلام میں بکثرت موجود ہے۔

اور رہا مجاز، تو جمہور اس کے بھی قرآن میں وقوع کے قائل ہیں۔ جبکہ ایک گروہ نے اس بات کا انکار کیا ہے کہ قرآن مجید میں مجاز کا استعمال ہوا ہے ان ہی میں سے فرقہ ظاہریہ بھی ہے اور شوافع میں سے ابن القاص اور مالکیہ میں سے ابن خویز منداد قرآن میں مجاز کے وقوع کے منکر ہیں

ان منکرین مجاز کا اعتراض یہ ہے مجاز جھوٹ کے مشابہ ہے اور قرآن مجید کذب (جھوٹ) کے شائبہ سے بھی پاک ہے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ متکلم مجاز کا اس وقت سہارا لیتا ہے جب حقیقت کا دامن تنگ ہو جاتا ہے پھر وہ اس وقت مجاز کی طرف عدول کرتا ہے اور اللہ تعالی کے لئے یہ محال ہے کیونکہ اس کے لئے حقیقت کا دامن تنگ نہیں ہوتا ہے۔

لیکن ان لوگوں کا یہ شبہ باطل ہے کیونکہ اگر قرآن مقدس سے مجاز کو نکال باہر کریں تو قرآن سے حسن و زینت کا ایک بہت بڑا حصہ ساقط ہو جائیگا اس لئے کہ علماء بلاغت میں زیادہ ہے یعنی حقیقت کی بہ نسبت زیادہ حسن و خوبی کا باعث ہوتا ہے پھر اگر قرآن کو مجاز سے خالی ماننا ضروری قرار دے دیا جائے تو قرآن پاک کو حذف، تاکید قصص کی تکرار اور دیگر محاسن کثیرہ سے بھی اس کو خالی ماننا پڑے گا۔

مجاز کی دو قسمیں:۔

(1) مجاز فی الترکیب ہے اس کو مجاز الاسناد اور مجاز عقلی بھی کہتے ہیں اس میں علاقہ ملا بست کا ہوتا ہے۔

مجاز عقلی یہ ہے کہ فعل یا مشابہ فعل کی اسناد غیر ماھولہ کی طرف ہو یعنی فعل یا شبہ فعل کو اصل میں جس امر کے لئے وضع کیا گیا ہے اس حقیقی وضع کے سوا کسی دوسرے امر کی طرف اس فعل یا شبہ فعل کی نسبت کر دی جائے کیونکہ اس فعل یا شبہ فعل کا اس کے ساتھ تعلق ہوتا اور ملابست ہوتی ہے۔

جیسے اللہ تعالی کا یہ قول ہے "واذا تلیت علیھم آیاتہ زادتھم ایمانا" "(الانفال آیت 2) (اور جب ان پر اس کی آیتیں پڑھی جائیں تو وہ ان کے ایمان کو زیادہ کر دیں

اس میں ایمان (کے کیف) میں زیادتی کرنا جو اللہ تعالی کا فعل ہے اس کی نسبت آیات کی طرف کر دی ہے کیونکہ وہ سبب بنتی ہیں۔ اور یذبح ابنا ھم وہ (فرعون) ان کے بیٹوں کو مار ڈالتا اور اسی طرح " یاھامان ابن لی صرحا" " اے ہامان میرے لئے ایک بلند عمارت تعمیر کر پہلی مثال میں ذبح کی نسبت فرعون کی طرف کی ہے حالانکہ ذبح اس کے جلاد وغیرہ کرتے تھے اور دوسری مثال میں بناء مکان کی نسبت ہامان کی طرف کی گئی ہے حالانکہ یہ کام بھی راج اور مزدوروں کا تھا لیکن یہ چونکہ سبب آمر تھے اس لئے ان کی طرف مجازا" نسبت کر دی ہے۔

ایسے ہی اللہ تعالی کے قول" واحلوقو مھم دارالبوار " میں لیڈروں کی طرف اپنی قوم کو دوزخ میں لے جانے کی نسبت کی گئی ہے کیونکہ انہی سرداروں نے اپنی رعایا کو کفر کا حکم دیا تھا اور ان کے کافر ہونے کا سبب بنے تھے۔ یونہی اللہ تعالی کا قول" یوما" یجعل الوالدان شیبا" " میں بوڑھا کرنے کے فعل کی نسبت ظرف یعنی "یوم " کی طرف کر دی ہے اس لئے کہ فعل اس میں واقع ہوا ہے۔ اور عیشۃ الراضیہ یعنی مرضیہ

مجاز کی دوسری قسم مجاز فی المفرد: اس کا نام مجاز لغوی بھی ہے یہ شروع ہی سے لفظ

کو غیر ما وضع لہ میں استعمال کرنے کا نام ہے اس کی بہت سی انواع ہیں

(1) **حذف:۔** جیسے اس کی مثال ہے " واسال القریہ" بستی والوں سے سوال کر مراد ہے اہل قریہ سے پوچھ

(2) **زیادت:۔** جیسے "لیس کمثلہ شئی" یعنی لیس مثلہ شئی (لیکن حال یہ مثال محال نظر ہے)

(3) **کل بولکر جزء مراد لینا:۔** " یجعلون اصابعھم فی آذانھم" یعنی انا ملھم انگلیوں کے پوروں کو پوری انگلیوں سے تعبیر کرنے میں حکمت اور نکتہ یہ مضمر ہے کہ ان کے اسلام سے گریز کرنے اور فرار اختیار کرنے میں مبالغہ کا اظہار ہو کہ اگر ان کا بس چلے تو وہ پوری انگلی بھی کانوں میں ٹھونس لینے سے نہ کترائیں۔اور قول باری تعالی " واذارا یتھم تعجبک اجسامھم" (المنافقون 4) اجسام سے مراد چہرے ہیں کیونکہ آپ نے ان کے پورے بدن تو نہیں مشاہدہ کئے تھے۔

(4) جز بول کر کل مراد لینا جیسے اللہ تعالی کا یہ قول "ویبقی وجہ ربک" یعنی اس کی ذات مراد ہے۔ فولوّا وجوھکم شطرہ مراد ہے اپنے چہرے پھیر لو کیونکہ استقبال قبلہ سینہ کے ساتھ واجب ہے۔

وجوہ" یومئذ ناعمہ" اور وجوہ "یومئذ خاشعۃ عاملۃ ناصبۃ" کہ ان آیتوں میں پورے بدنوں کو وجوہ (چہرہ) کے لفظ سے بیان اور تعبیر کیا گیا "ذلک بما قدمت یداک" اور "بما کسبت ایدیکم "یعنی "قدمتم" اور "کسبتم" بصیغہ جمع اور اس کی نسبت ایدی (ہاتھوں) کی طرف اس لئے ہوئی کہ اکثر کام ہاتھوں ہی سے کئے جاتے ہیں۔

(5) اسم خاص کا اطلاق عام پر جیسے" انا رسول رب العلمین "(یعنی رسلہ

(6) اسم عام کا اطلاق خاص پر جیسے" ویستغفرون لمن فی الاراض "(یعنی المومنین) کے لئے مغفرت چاہتے ہیں اور اس کی دلیل ہے اللہ کا قول "ویستغفرون للذین امنوا"

(7) کسی شے کا نام اس امر پر رکھنا جو ماضی میں تھا مثلاً" و آتوا الیتامی اموالھم" یعنی ان لوگوں کے اموال ان کو دے دو جو کبھی پہلے یتیم تھے کیونکہ بالغ ہونے کے بعد یتیمی باقی نہیں رہتی اس طرح ماکان کے اعتبار سے کسی شے کا نام رکھنے کی مثالیں یہ بھی ہیں مثلاً" "فلا تعضلو ھن ان ینکحن ازواجھن" یعنی عورتیں ان لوگوں سے نکاح کرلیں جو کہ پہلے ان کے شوہر تھے ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا قول" من یات ربہ مجرما" کہ اس آنے والے کا نام مجرم دنیاوی گنہگاروں کے اعتبار سے رکھا ہے۔

(8) ایک شے کو مال اور انجام کار کے نام سے موسوم کرنا مثلاً" "انی ارانی اعصر خمراً" یعنی میں نے اپنے آپ کو انگور نچوڑتے ہوئے دیکھا جو انجام کار شراب بن جاتی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا قول" ولا یلدوا الا فاجرا کفرا" "یعنی ایسے لوگ جنیں گے جو کفرو فجور کی طرف لوٹیں گے۔

اور اللہ تعالیٰ کا قول" حتی تنکح زوجا" غیرہ" دوسرے مرد کو شوہر کے نام سے موسوم کیا کیونکہ عقد کے بعد وہ شوہر ہی ہو گا اور مباشرت اسی حالت میں کرے گا جب کہ شوہر ہو جائیگا۔

اور قول باری تعالیٰ "فبشرناہ بغلام حلیم " اور "بشرک بغلام علیم" کہ ان آیات میں بچہ کی صفت اس حالت کے ساتھ بیان کی ہے جو انجام میں اس کو حاصل ہونے والی تھی یعنی علم اور حلم۔

(9) حال کا اطلاق محل پر، جیسے قول خداوندی ہے "ففی رحمۃ اللہ ھم فیھا خلدون" یعنی جنت میں کیونکہ وہ رحمت کا محل ہے۔

اور لا بل مکرالليل رحمت کا محل ہے۔

" اذ یریکم اللہ فی منامک قلیلا" یعنی تیری آنکھ میں یہ حسن رحم اللہ تعالیٰ کا قول ہے

(10) ایک چیز کو اس کے آلہ کے نام سے موسوم کرنا مثلاً" "واجعل لی لسان

صدق فی الاخرین " یعنی ثناء حسن اچھی تعریف ذکر خیر کیونکہ زبان ثناء کا آلہ ہے۔
اور "وما ارسلنک من رسول الا بلسان قومه" یعنی اسی قوم کی لغت بولی ہیں۔

(11) ایک چیز کا نام اس کی ضد کے ساتھ رکھنا جیسے "فبشرھم بعذاب الیم" حالانکہ بشارت کا حقیقی استعمال مسرت بخش خبر میں ہوتا ہے

(12) فعل کا اطلاق ایسے امر پر کرنا جس کا ارادہ کرلیا ہو یا جو قریب الحصول ہو جیسے مجاز فی المشارفت والقرب کہتے ہیں۔

جیسے " فاذا بلغن اجلھن فامسکو ھن " جب مدت پہنچنے کے قریب ہو جائیں یعنی عدت گزرنے اور ختم ہونے تک پہنچ جائیں کیونکہ انقضائے عدت کے بعد امساک (روکنا) نہیں ہوتا۔

مگر" فبلغن اجلھن فلا تعضلوھن" حقیقت ہے کیونکہ جب ان کی موت آنے کا وقت قریب ہوا

اور "ولیخش الذین لوترکوا من خلفھم" یعنی اگر وہ چھوڑنے کے قریب ہوتے ہیں تو ڈرتے ہیں کیونکہ خطاب وصی لوگوں کی طرف ہے اور ان سے اس خطاب کا تعلق ترک سے پہلے ہی ہو سکتا ہے اس لئے کہ وہ لوگ ترک کے بعد تو خود ہی مردہ ہو جائیں گے۔

○"اذا قمتم الی الصلوٰة فاغسلوا "یعنی جب کہ تم قیام کا اراہ کرو

○"فاذا قرات القرآن فاستعذ" یعنی جب قرات کا ارادہ کرو تاکہ استعاذہ قرات سے قبل ہو۔

○ "وکم من قریه اھلکنا فجاء ھا باسنا" یعنی ہم نے اس کے ہلاک کرنے کا ارادہ کیا ورنہ اگر یہ تسلیم کریں تو حرف فاء کے ساتھ عطف ڈالنا صحیح نہ ہو گا۔

(13) ایک صیغہ کو دوسرے صیغہ کے مقام پر رکھنا اس نوع کے تحت بہت سی قسمیں آتی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ فاعل کا اطلاق مفعول پر ہو جیسے مثلاً" "ماء دافق" یعنی مدفون (اچھلا ہوا)

○ اور "لا عاصم الیوم من امر اللہ الا من رحم" یعنی لا معصوم کوئی بچا ہوا نہیں

○ "جعلنا حرما" امنا " یعنی ما مونا فیہ جس میں امن ملے اور اس کا عکس یعنی کبھی مفعول کا اطلاق فاعل پر کیا جاتا ہے جیسے "انہ کان وعدہ ماتیا " یعنی آتیا۔

○ اور حجابا" مستورا" یعنی ساترا" پوشیدہ کرنے والا اور ایک قول یہ ہے کہ یہ اپنے باب پر ہے اور اس کے معنی ہیں مستورا" " عن العیون لا تحس بہ احد " آنکھوں سے پوشیدہ ہے کہ کوئی شخص اس کو محسوس نہیں کر سکتا۔

○ مفرد، تثنیہ اور جمع میں سے ایک کا دوسرے پر اطلاق مفرد کے ثنی پر اطلاق کی مثال ہے " واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ" یعنی ان دونوں کو راضی کرو مگر چونکہ دونوں کی رضامندی اور خوشنودی حاصل کرنا باہم لازم و ملزوم تھا اس لئے مفرد کا صیغہ لایا گیا ہے۔

○ اور مفرد کے جمع پر اطلاق کی مثال "ان الانسان لفی خسر" یعنی تمام انسان اس کی دلیل اس میں سے مستثنیٰ کا درست ہوتا ہے اب بہت سے انسان رہ گئے اور " ان الانسان خلق ھلوعا" اور اس کی دلیل الا المصلین کا اس میں سے مستثنیٰ ہوتا ہے۔

○ اور ثنی کے مفرد پر اطلاق کی مثال "القیا فی جھنم" یعنی الق تو ڈال دے اور ہر ایسا فعل جو صرف ایک ہی چیز کے لئے ہونے کے باوجود دو چیزوں کی طرف منسوب کردیا گیا ہو وہ اسی قبیل سے ہے۔ مثلاً" "یخرج منھما اللولو والمرجان" حالانکہ موتی اور مرجان ایک ہی قسم کے دریا یعنی شور اور کھاری پانی سے برآمد ہوتے ہیں نہ کہ شیریں پانی سے " وجعل القمر فیھن نورا" "ای فی احداھن" یعنی صرف ایک آسمان میں اس کو نور بنایا ہے۔" نسیا حوتھما" وہ دونوں مچھلی کو بھول گئے حالانکہ بھولنے والے صرف یوشع علیہ السلام تھے جس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا۔ انی نسیت الحوت اورنسیان کی نسبت ان دونوں

کی طرف ایک ساتھ اس وجہ سے کی گئی کہ موسیٰ علیہ السلام نے سکوت کیا تھا" فمن تعجل فی یومین" حالانکہ تعجیل یوم ثانی میں ہی ہوتی ہے اور ثنی کے جمع پر اطلاق کی مثال" ثم ارجمع البصر "کرتین یعنی کرات بار بار بہت سی مرتبہ کیونکہ نگاہ کا تھکنا بغیر کثرت نظر کے ممکن نہیں ہے اور جمع کے مفرد پر اطلاق کرنے کی مثال" قال رب ارجعون" ہے یعنی ارجعنی مجھے پھر لوٹا۔

○ ماضی کا اطلاق مستقبل پر۔ کیونکہ اس کا وقوع ثابت اور یقینی ہے مثلاً"" اتی امر اللّٰہ" یعنی قیامت اور اس کی دلیل ہے اللہ تعالیٰ کا قول" فلا تستعجلوہ" اور" ونفخ فی الصور فصعق من فی السموات"

○"واذا قال اللّٰہ یا عیسی ابن مریم انت قلت للناس "(المائدہ آیت 116)

○ اور اس کے برعکس یعنی مستقبل کا اطلاق ماضی پر، تاکہ وہ دوام اور استمرار کا فائدہ دے گویا کہ وہ واقع ہو کر استمرار پا گیا جیسے"اتامرون الناس بالبر وتنسون"

" واتبعوا ماتتلوالشیاطین علی ملک سلیمان یعنی تلت" انہوں نے پڑھا "لقد نعلم" یعنی عملنا اور"قد یعلم ما انتم علیہ" یعنی علم جان لیا"فلم تقتلون انبیاء اللّٰہ ای قتلتم" تم نے ان کو قتل کیا۔

حصر اور اختصاص کا بیان

حصر مخصوص طریق سے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ خاص کرنا یا کسی ایک چیز کے لئے کوئی حکم ثابت کرنا اور اس کے ماسوا سے اس حکم کی نفی کرنا حصر کہلاتا ہے (اور حصر کو قصر بھی کہتے ہیں)

قصر کی دو قسمیں ہیں۔

(1) قصر الموصوف علی الصفتہ

(2) قصر الصفتہ علی الموصوف اور ہر ایک یا حقیقی ہے یا مجازی

قصر الموصوف علی الصفتہ حقیقی کی مثال جیسے "مازید الا کاتب" یعنی زید کے لئے سوائے کاتب ہونے کے اور کوئی صفت نہیں ہے۔

اس قسم کا حصر فی الواقع موجود نہیں ہے کیونکہ کسی چیز کی تمام صفات پر احاطہ کر لینا اس طور پر کہ صرف ایک صفت کا اثبات اور دیگر صفات کی کلیتہ" نفی ہو سکے ناممکن ہے علاوہ ازیں یہ بھی بعید ہے کہ ایک ذات کے لئے صرف ایک ہی صفت ہو اور کوئی دوسری صفت نہ ہو اسی وجہ سے قرآن حکیم میں اس نوعیت کا حصر واقع نہیں ہے قصر الموصوف علی الصفتہ مجازی کی مثال اللہ تعالی کا یہ قول ہے "وما محمد الا رسول" یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم رسالت پر مقصور ہیں اس سے متجاوز ہو کر موت سے بری نہیں ہو سکے جسے کہ لوگ مستبعد خیال کرتے تھے کیونکہ موت سے بری ہونا شان الوہیت ہے قصر الصفتہ علی الموصوف حقیقی کی مثال "لا الہ الا اللّٰہ" ہے قصر الصفتہ علی الموصوف مجازی کی مثال " قل لا اجد فیما اوحی الی محرما" علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتہ اودما مسفوحا" اولحم خنزیر فانہ رجس اوفسقا اھل لغیر اللّٰہ بہ" (الانعام 145) فرما دیجئے میں نہیں پاتا اس وحی میں جو میری طرف کی گئی کسی کھانے والے پر کوئی حرام کی ہوئی چیز جسے وہ کھاتا ہو مگر یہ کہ وہ مردار ہو یا (رگوں) سے بہتا ہوا خون یا خنزیر کا گوشت تو بے شک وہ نجاست ہے یا نافرمانی کے لئے ذبح کے وقت جس جانور پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے اس آیت کا ظاہر

دلالت کرتا ہے کہ حرام کردہ اشیاء صرف یہی ہیں جو اس آیت میں مذکور ہیں اور یہ مفہوم مراد نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ آیت میں مذکور حرام چیزوں کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو حرام ہیں لیکن ان کا یہاں اس جگہ ذکر نہیں کیا گیا مثلاً" خمر اور دیگر نشہ آور اشیاء اسی طرح سور کے علاوہ دیگر کنچلیوں سے شکار کرنے والے جانور کا گوشت اسی لئے علماء نے کہا ہے کہ اس آیت میں حصر مجازی ہے جو کہ اس آیت کے سبب نزول کے واقعہ کے ساتھ مخصوص ہے امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جس کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ "کفار چونکہ مردار، بہا ہوا خون، سور کا گوشت اور بتوں کے نام لیکر ذبح کیا ہوا جانور ان کو حلال کہتے تھے اور بہت سے مباحات کو حرام ٹھہراتے تھے اور طریق شریعت کی مخالفت ان کا شیوہ تھا یہ آیت ان کی تردید کرنے کے لئے اور ان کے اس اشتباہ کے ذکر میں نازل ہوئی جس پر وہ کاربند تھے اور حصر کے انداز میں اس کو بیان کر دیا گیا ہے تاکہ ان کا کذب خوب واضح ہو جائے اور تاکید کے ساتھ ان کا رد ہو جائے گویا کہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ نہیں حرام ہے مگر وہی شے جس کو کفار نے حلال ٹھہرا رکھا ہے اور غرض اس سے کفار کی مخالفت اور ان کی تردید کرنا ہے نہ کہ حصر حقیقی ایک اور اعتبار سے حصر کی تین قسمیں ہیں۔

(1) قصر افراد (2) قصر قلب (3) قصر تعیین

اول سے خطاب اس کو کیا جاتا ہے جو شرکت کا اعتقاد رکھتا ہو جیسے "انما الھکم الہ واحد" سے ان لوگوں کو خطاب کیا گیا ہے جو خدائے تعالی کے ساتھ بتوں کو الوہیت میں شریک سمجھتے ہیں۔ دوسری قسم کا خطاب اس کو کیا جاتا ہے جس کا یہ اعتقاد ہو کہ متکلم نے جو حکم جس کے لئے ثابت کیا ہے اس کا ثبوت دوسرے کے لئے بھی ہے جیسے " ربی الذی یحی ویمیت" سے نمرود کو خطاب کیا گیا جو خود کو ہی صرف زندہ کرنے والا اور مارنے والا سمجھتا تھا نہ کہ اللہ تعالی کو تیسری قسم کا خطاب اس سے کیا جاتا ہے جس کے نزدیک دونوں امر مساوی ہوں

حصر کے طرق

حصر کے بہت سے طریق ہیں۔

(1) نفی اور استثناء خواہ نفی "لا" کے ساتھ ہو یا "ما" کے ساتھ یا اور کسی ذریعے سے اور استثناء خواہ "الا" کے ذریعے ہو یا غیر کے ذریعے جیسے "لا الہ الا اللّٰہ" اور "ما من الہ الا اللّٰہ" اور "ماقلت لھم الا ما امر تنی بہ"

(2) انما جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ کلمہ "انما" حصر کے لئے آتا ہے حصر ثابت کرنے والوں سے حسب ذیل آیات سے استدلال پیش کیا ہے

(1) انما حرم علیکم المیتہ (بقرہ 173) اس نے یہی تم پر حرام کئے ہیں مردار اور خون

(2) انما العلم عنداللہ (ملک 126) یہ علم تو اللہ کے پاس ہے

(3) "قال انما یاتیکم بہ اللّٰہ" (ھود 33) بولا وہ تو اللہ تم پر لائے گا۔

(3) "انما بالفتح" علامہ بیضاوی اور علامہ زمخشری نے انما کو طرق حصر میں شمار کیا ہے اور دونوں کا قول ہے کہ اللہ تعالی کے ارشاد "قل انما یوحی الی انما الھکم الہ واحد" میں کلمہ انما برائے حصر ہے

(4) تقدیم معمول جیسے " ایاک نعبد ای لا غیر ک" ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں یعنی تیرے سوا کسی کی ہم عبادت نہیں کرتے۔

(5) **ضمیر فصل:۔** (ا) جیسے فاللہ ھو الولی (ای لا غیرہ) اللہ تعالی ہی ولی ہے اس کے سوا کوئی نہیں

(ب) واو لئک ھم المفلحون (بقرہ 5) اور وہی مراد کو پہنچنے والے

(ج) ان ھذا لھو القصص الحق (آل عمران 62) یہی بے شک سچا بیان ہے۔

ایجاز اور اطناب کا بیان

جاننا چاہئے کہ ایجاز اور اطناب بلاغت کی بڑی انواع میں سے ہیں یہاں تک کہ صاحب "سر الفصاحۃ" نے بعض علماء بلاغت کا یہ قول نقل کیا ہے کہ " البلاغۃ ھی

الایجاز والا طناب" یعنی ایجاز اور اطناب ہی بلاغت ہے۔

ایجاز اور اطناب کی تعریف میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔

بعض علماء نے کہا کہ

"متعارف عبارت سے کم میں مقصود کو ادا کر دینا ایجاز ہے اور بسط کے موقع پر متعارف عبارت سے زیادہ میں مقصود کا ادا کرنا اطناب کہلاتا ہے۔

اور بعض کے نزدیک غیر زائد الفاظ میں مطلب کو پورا بیان کر دینا ایجاز ہے اور زائد الفاظ میں پورے مطلب کو بیان کرنا اطناب ہے۔

اطناب اسهاب سے اخص ہے کیونکہ اسهاب تطویل با فائدہ اور بے فائدہ دنوں کو کہتے ہیں۔

ایجاز کی انواع

ایجاز کی دو قسمیں ہیں(ایجاز قصر) (2) ایجاز جامع ایجاز قصر یہ ہے کہ لفظ کا قصر اپنے معنی پر ہو جیسے اللہ تعالی کا ارشاد ہے" انه من سلیمان وانه بسم اللہ الرحمن الرحیم تا قوله واتونی مسلمین " (النمل آیت 30 تا 31)

کہ اس میں عنوان کتاب اور حاجت کو جمع کر دیا ہے اور اس کی ایک قسم کا نام ایجاز جامع ہے وہ یہ ہے کہ لفظ کئی معانی کو شامل اور محیط ہو جیسے"ان اللہ یامر بالعدل والاحسان "(آلایہ)

"عدل" سے مراد صراط مستقیم ہے جو افراط اور تفریط کے درمیان معتدل اور متوسط طریقہ اور راستہ ہے اس سے عقائد' اخلاق اور عبودیت کے تمام واجبات اور ضروری امور کی طرف اشارہ کیا گیا ہے

"احسان" واجبات عبودیت میں اخلاص سے کام لینا احسان ہے کیونکہ احسان کی تفسیر حدیث میں یہ ہے

"ان تعبدو الله کانک تراہ" یعنی اللہ تعالی کی عبادت خالص نیت سے کرو اور

خضوع کے ساتھ اور خشیت الٰہی کے جذبات سے سرشار ہو کر عبادت کرو۔

اور ایتاء ذی القربیٰ سے مراد نوافل کی زیادتی ہے واجب پر یہ سب باتیں اوامر میں ہیں رہے نواہی تو اللہ تعالیٰ کے قول "وینھی عن الفحشاء والمنکر" میں فحشا سے اشارہ ہے قوت شہوانیہ کی طرف اور "منکر" سے اشارہ ہے اس افراط کی طرف جو آثار غضبیہ سے حاصل اور پیدا کرتا ہے یعنی آثار غضبیہ کی زیادتی کی طرف اشارہ ہے اور تمام محرمات شرعیہ کی طرف اشارہ ہے۔

اور لفظ بغی سے استعلاء کی طرف اشارہ ہے جو قوت وھمیہ کی وجہ سے ہو اسی لئے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں قرآن مجید میں خیروبشر کی اس سے زیادہ جامع آیت کوئی نہیں ہے اس حدیث کو حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے۔

اوراس کی ایک مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی ہے ارشاد خداوندی ہے " ولکم فی القصاص حیواہ" اور تمہارے لئے قصاص میں حیات ہے اس کے معنی کثیر ہیں اور الفاظ قلیل ہیں کیونکہ غرض اس سے یہ ہے کہ جب انسان کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ کسی کو قتل کرنے سے خود بھی قتل ہو گا تو پھر کسی کے قتل کی جرات نہ کرے گا پس قتل یعنی قصاص سے آپس کی قتل و کشت کا انسداد ہو گیا اور اس میں شک نہیں کہ قتل کا موقوف ہونا انسان کی حیاہ کا باعث ہے۔

قرآن حکیم کا یہ جملہ اہل عرب کے قول "القتل انفی للقتل" پر بیس سے زیادہ وجوہ سے فضیلت رکھتا ہے حالانکہ اہل عرب کے نزدیک یہ نہایت جامع مثل ہے۔

مگرابن اثیر نے اس فضیلت سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ خالق اور مخلوق کے کلام میں کوئی تشبیہ نہیں ہو سکتی۔

"انما العلماء یقدحون اذھانھم فیما یظھر لھم من ذلک" ان بیس سے زائد وجوہ فضیلت میں سے چند حسب ذیل ہیں

(1) القصاص حیواہ میں دس حروف ہیں اور "القتل انفی للقتل" میں چودہ حروف ہیں۔

(2) قتل کی نفی حیواہ کو مستلزم نہیں اور آیت حیوٰۃ کے ثبوت پر نص ہے جو اصل غرض ہے۔

(3) حیواہ کا نکرہ لانا مفید تعظیم ہے اور اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ "قصاص" میں زندگی کی درازی ہے اور اسی درازی حیات کی وجہ سے حیواہ کی تفسیر بقاء سے کی گئی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول" ولتجدنھم احرص اللناس علی حیواہ" مگر "القتل انفی للقتل" میں ایسا نہیں ہے کیونکہ اس میں لام جنسی ہے۔

(4) آیت میں تکرار نہیں ہے اور "مثل" لفظ قتل کی تکرار پر مشتمل ہے اور گو تکرار محل فصاحت نہ ہو مگر جو کلام تکرار سے خالی ہو گا وہ اس کلام سے جس میں تکرار ہو گی افضل ہو گا۔

(5) آیت میں اطراد اور جامعیت ہے اور مثل مذکور میں جامعیت نہیں کیونکہ ہر قتل مانع قتل نہیں ہے بلکہ بعض قتل موجب قتل ہوتا ہے اور مانع قتل صرف قتل خاص ہے جو قصاص ہے پس قصاص میں حیات ابدی ہے۔

اختر رضا لائبریری
کتاب نمبر
صدر بازار، لاہور چھاؤنی
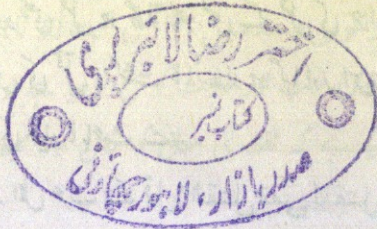
ایجاز کی دوسری قسم ایجاز الحذف ہے

ایجاز الحذف کے مختلف اسباب ہیں۔

(1) اس حذف کا ایک فائدہ اختصار ہے اس کے ظہور کی وجہ سے عبث سے احتراز بھی

(2) اس بات پر تنبیہہ کرنا کہ محذوف کے ذکر سے وقت قاصر ہے اور اگر اس کے ذکر کرنے میں مشغول ہو گئے مقصد فوت ہو جائیگا۔ اور یہی فائدہ تحذیر اور اغراء کا ہے اور اللہ تعالی کا قول

"ناقه اللّٰه وسقیاها" میں دونوں مجتمع ہیں کیونکہ ناقۃ اللہ تحذیر ہے اور ذروا اس میں مقدر ہے اور "سقیاها" اغراء (برا ‌نگیختہ کرنا) ہے اور "الزموا" اس میں مقدر ہے۔

(3) ان میں سے ایک تفخیم اور اعظام ہے کیونکہ اس میں ابہام ہوتا ہے جیسے اہل جنت کے وصف میں اللہ تعالی کا قول" حتی اذا جاء ھاو فتحت ابوابھا" پس اس آیت میں جواب کو حذف کر دیا گیا تاکہ اس بات کی دلیل ہو کہ اہل جنت جو کچھ وہاں پائیں گے اس کا وصف غیر متناہی اور کلام اس کے وصف سے قاصر ہے اور عقلیں جو چاہیں مقدر کر لیں مگر جو کچھ وہاں ہے اس کی حقیقت تک رسائی نہیں ہو سکتی۔

اسی طرح اللہ تعالی کا قول "ولو تری اذا وقفوا علی النار" یعنی ایسا خوفناک منظر ہو گا کہ دیکھنے کی تاب نہ ہو گی اور عبارت اس کے بیان سے قاصر ہے

(4) کبھی تخفیف کے لئے حذف کر دیتے ہیں کثرت استعمال کی وجہ سے جیسے جرف ندا کا حذف مثلاً" یوسف اعرض میں یا حرف نداء حذف ہے

(5) ان وجوہ میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ تعظیماً" ذکر نہیں کیا جاتا جیسے اللہ تعالی کا قول ہے "قال فرعون وما رب العالمین قال رب السموات اس آیت میں تین مقامات پر رب سے قبل مبتداء محذوف ہے یعنی ھو رب ربکم ربکم۔۔۔ اللّٰہ رب المشرق " کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سوال کرنے اور اس کے حال کو ایک عظیم امر خیال فرماتے ہوئے احتراماً" اور تعظیماً" اللہ تعالی کا اسم مبارک ذکر نہیں

کیا۔

(6) ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ کسی چیز کو حقیر اور گھٹیا سمجھ کر زبان کو اس کے ذکر سے بچانے کے لئے ذکر نہ کرنا جیسے "صم بکم" یعنی منافقین بہرے گونگے ہیں۔

(7) عموم مراد لینے کی غرض سے حذف کر دینا جیسے" وایاک نستعین" یعنی عبادت اور اپنے تمام کاموں میں تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ اور واللہ یدعوا الی دار السلام یعنی اللہ تعالی ہر ایک کو دار السلام (جنت) کی طرف بلاتا ہے۔

(8) رعایت فاصلہ کے لئے حذف کرنا جیسے "ماود عک ربک وما قلی ای وما قلاک"

(9) ابہام کے بعد بیان کے قصد سے حذف کر دینا جیسے کہ مشیت کے فعل میں مثلاً" فلو شاء لھدلکم ای ولو شاء ھدایتکم " یعنی اگر اللہ تعالی تمہاری ہدایت چاہتا۔

اطناب اور اس کے فوائد

اطناب کے کئی فوائد ہیں۔

○ اس میں سے ایک یہ ہے کہ "الایضاح بعد الابہام" یعنی ابہام کے بعد وضاحت کرنا جیسے اس کی مثال "رب شرح لی صدری" ہے اس میں "اشرح" کے لفظ سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ متکلم کسی چیز کی شرح کا خواستگار ہے اور "صدری" اس طلب کی تفسیر اور اس کا بیان ہے مقام فرعون کے دربار میں بھیجے جانے کی وجہ سے مصائب میں مبتلا ہونے کا مخبر ہے تاکید کا مقتضی ہے اور ایسے ہی "الم نشرح لک صدرک" بھی ہے کہ یہ مقام تاکید کا مقتضی ہے اس وجہ سے کہ یہ امتنان کی جگہ ہے۔

○ ازاں جملہ ایک خاص کا عطف عام پر اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس طرح خاص کی فضیلت پر متنبہ کر کے گویا نہ بتایا جاتا ہے کہ وہ عام کی جنس سے نہیں ہے یعنی وصف میں متغائر کو تغائر فی الذات کے مرتبہ میں رکھا جاتا ہے جیسے اس کی مثال اللہ تعالی کا قول "حافظوا علی الصلوت والصلوۃ الوسطی "(بقرہ 238) نگہبانی کرو سب نمازوں کی اور بیچ کی نماز کی اور "من کان عدوا" للہ وملئکتہ ورسولہ وجبریل

ومیکائیل"(بقرہ 98) جو کوئی دشمن ہو اللہ اور اس کے فرشتوں اوراس کے رسولوں اور جرائیل اور میکائیل کا

○ اوراسی طرح ایک عطف لعام علی الخاص ہے بعض علماء نے غلطی سے اس طرح کے عطف کا وجود تسلیم نہیں کیا ہے حالانکہ اس کا فائدہ ظاہر ہے یعنی تعمیم اور اول یعنی عام کو الگ ذکر کرنے کی علت اس کے حال پر توجہ کرنا اور اس کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے اس کی مثال "ان صلوتی ونسکی" ہے کہ اس میں "نسک" عبادت کی معنی میں ہے اور وہ عام تر ہے۔

اور" آتیناک سبعا من المثانی والقر آن العظیم"(الحجر 87) ہم نے تم کو سات آیتیں دیں جو دہرائی جاتی ہیں اور عظمت والا قرآن

قرآن مجید میں تشبیہ اور استعارہ کا بیان

تشبیہ:۔ یہ بلاغت کی انواع میں سے سب سے اشرف اور اعلی نوع ہے مبرد نحوی اپنی کتاب "الکامل" میں لکھتے ہیں۔

اگر کوئی شخص کلام عرب کا بیشتر حصہ تشبیہ سے وابستہ قرار دیتا ہے تو اس کی بات کو بعید از قیاس تصور نہ کرنا چاہئے ابوالقاسم بن البندار البغدادی نے تشبیہات قرآن کے بیان میں ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے اور اس کا نام "الجمان" رکھا ہے اور علماء کی ایک جماعت نے جن میں علامہ سکاکی بھی شامل ہیں تشبیہ کی تعریف پر بیان کی ہے۔

کہ اگر ایک امر اپنے معنی میں کسی دوسرے امر کے ساتھ شرکت رکھنے پر دلالت کرتا ہے تو اس کا نام ہے تشبیہ

ادوات تشبیہ تین قسم پر منقسم ہیں۔

(1) حروف (2) اسماء (3) اور افعال

حروف میں سے کاف ہے مثلاً" کرماد جیسے اللہ تعالی کے قول میں "مثل الذین کفروا بربهم اعمالهم کرمادا شتدت به الریح" اور" کان جیسے کانه روس الشیا طین اسماء" میں سے "امثل" اور شبہ یا ان دونوں کے مانند اور الفاظ جو کہ مماثلت اور مشابہت سے مشتق ہوتے ہیں۔

علامہ طیبی کا بیان ہے کہ "مثل" کا لفظ ایسی ہی حالت اور صفت میں استعمال کیا جاتا ہے جس کی کوئی شان ہو اور اس میں کچھ غرابت اور ندرت بھی پائی جاتی ہو جیسے مثلاً" "مثل ماینفقون فی هذهِ الحیٰوۃ الدنیا کمثل ریح فیها صر"(آل عمران 117) ہے اور قول باری تعالی"انما مثل الحیاه الدنیا کماء انزلنا من السماء تا قوله تعالی کان لم تغن بالا مس"(یونس آیت 24

اس آیت کریمہ میں دس دس جملے ہیں اور ان سب سے مل کر مجموعی طور پر تشبیہ کی ترکیب اس حیثیت سے واقع ہوئی ہے کہ اس میں کچھ بھی ساقط ہو جائے تو

تنبیہ میں خلل واقع ہو جائے گا۔ اس لئے کہ یہاں دنیا کی حالت کو اس کے جلد تر گزر جانے، اس کی نعمتوں کے فنا کے گھاٹ اترنے اور لوگوں کے اس پر فریفتہ ہونے کے بارے میں اس پانی کی حالت سے مشابہہ کرنا مقصود تھا جو کہ آسمانوں سے نازل ہوا اور اس نے انواع و اقسام کی جڑی بوٹیاں اگائیں اور اس سرسبز گھاس اور رنگ برنگ پودوں اور پھولوں نے اپنی گل کاری سے روئے زمین کو دیدہ زیب اور دلکش پوشاک سندس پہنا کر دلہن کی طرح سنوار دیا یہاں تک کہ جب اہل دنیا اس دنیا کی طرف مائل ہوئے اور انہوں نے گمان کیاکہ اب یہ دنیا تمام خرابیوں اور زوال سے بری ہے تو یکایک اللہ تعالی کا عذاب اس پر نازل ہوا اور اس طرح مٹ گئی کہ گویا کل تک کوئی چیز ہی نہ تھی۔

استعارہ قرآنیہ کا بیان

استعارہ وہ لفظ ہے جو اس چیز میں استعمال کیا جائے جو چیز اصلی معنی کے ساتھ مشابہہ ہے

بعض علماء نے کہا ہے کہ استعارہ کی حقیقیت یہ ہے کہ کلمہ کسی معروف بہاشے سے غیر معروف شئی کے لئے عاریتا" لے لیا جائے اس کا فائدہ اور حکمت ایک خفی چیز کا اظہار اور ایسے اظہار کی مزید وضاحت کرنا ہوتی ہے جو کہ جلی نہیں ہوتا حصول مبالغہ کی غرض سے ایسا کیا جاتا ہے یا یہ سب باتیں مقصود ہوتی ہیں۔

اظہار خفی کی مثال اللہ تعالی کا قول "وانه فی ام الکتاب" کہ اس کی حقیقت "وانه فی اصل الکتاب" تھی چنانچہ اصل کے لئے "ام" کا لفظ مستعار لے لیا گیا۔ اور اس کی علت یہ ہے کہ جس طرح اصل سے فرع کا نشوونما ہوتا ہے اسی طرح ماں اولاد کے نشوونما پانے کی جگہ ہے اور اس کی حکمت یہ ہے کہ جو چیز مرئی (دکھائی دینے والی) نہیں اس کی ایسی مثال پیش کی جائے کہ وہ مرئی ہو جائے اور اس طرح سننے والا سماع کی حد سے منتقل ہو کر آنکھوں سے دیکھنے کی حد میں پہنچ جائے یہ چیز علم بیان میں حد درجہ بلیغ ہے۔

اور جو چیز کہ جلی (روشن) نہیں ہے اس کے ایضاح کی ایسی مثال کہ وہ جلی ہو جائے قول باری تعالیٰ " واخفض لهما جناح الذل" ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ بیٹے کو رحمت اور مہربانی کے طور پر ماں باپ کے سامنے عاجزی کرنے کا حکم دیا جائے۔ لہا لفظ "ذل" کے ساتھ پہلے "جانب" کی طرف استعارہ کیا گیا اس استعارہ کی قریب تر تقدیر ہے "واخفض لهما جانب الذل" یعنی تو فروتنی کے ساتھ اپنے پہلو کو جھکا۔ اور یہاں استعارہ کی حکمت یہ ہے کہ ناقابل دید چیز کو نمایاں اور نظروں کے سامنے کردیا جائے تاکہ بیان میں حسن پیدا ہو اور چونکہ اس مقام پر مراد یہ تھی کہ بیٹا اپنے والدین کے سامنے عاجزی اور انکساری کرے کہ کوئی ممکن پہلو فروتنی کا باقی نہ چھوڑے اس لئے یہ ضرورت ہوئی کہ استعارہ میں ایسا لفظ لیا جائے جو کہ پہلے لفظ سے زیادہ بلیغ ہو چنانچہ اس غرض سے "جناح" کا لفظ لیا گیا اس میں اس طرح کے معنی پائے جاتے ہیں جو پہلو جھکانے سے حاصل نہیں ہوتے مثلاً" پہلو کا جھکانا یہ بھی ہے کہ کوئی شخص اپنا بازو تھوڑا سا نیچا کر دے اور یہاں مراد یہ ہے کہ اس قدر جھکے کہ پہلو زمین سے مل جائے گویا بالکل فرش ہو جائے اور یہ بات بجز اس کے پرندوں کی طرح کے پروں کا ذکر کیا جائے اور کسی صورت میں ممکن نہیں تھی۔

اور مبالغہ کی مثال ہے قول باری تعالیٰ" وفجرنا الارض عیونا" کہ اس حقیقت "وفجرنا عیون الارض" ہے یعنی ہم نے زمین کے چشموں کو جاری کیا لیکن اگر اسی طرح اس کی تعبیر کر دی جاتی تو اس میں وہ مبالغہ کبھی نہ آتا جو کہ پہلی عبارت میں ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ تمام روئے زمین چشموں کا منبع و مرکز بن گئی ہے۔

قرآن حکیم کے کنایہ اور تعریض کا بیان

بلاغت کی انواع اور اسالیب فصاحت میں سے کنایہ اور تعریض بھی ہیں اور یہ بھی واضح رہے کہ کنایہ تصریح کی بہ نسبت زیادہ بلیغ ہوتا ہے اہل بیان نے کنایہ کی تعریف

یہ کی ہے کہ کنایہ ایسا لفظ ہوتا ہے جس سے اس کے معنی کا لازم مراد لیا جائے

کنایہ کے کئی اسباب ہیں۔

(1) قدرت کی عظمت اور زیادتی پر تنبیہہ کرنا مقصود ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول" ھوالذی خلقکم من نفس واحدہ" یہاں نفس واحدہ حضرت آدم علیہ السلام سے کنایہ ہے۔

(2) دوسرا سبب یہ ہے کنایہ اس لئے کرتے ہیں کہ تصریح کرنا قبیح اور برا متصور ہوتا ہے چنانچہ ایسی جگہ کنایہ ہی مناسب ہے۔ مثلاً" اللہ تعالیٰ نے جماع کے لئے "ملامسہ ،مباشرہ، افضاء، رفث، دخول اور سر" قول باری تعالیٰ "ولکن لا تواعدوھن سرا" میں کے ساتھ بطور کنایہ بیان فرمایا ہے۔

(3) تیسرا سبب بلاغت اور مبالغہ کا قصد ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے" او من ینشاء فی الحلیہ وھو فی الخصام غیر مبین" اس میں عورتوں کی نبست یہ کنایہ کیا ہے کہ وہ آرام پسندی اور بناؤ سنگار کے شوق میں پروان چڑھ کر ایسی ہوتری ہیں کہ معاملات میں غور کرنا اور باریک معانی کو سمجھنا ان کے بس کا روگ نہیں ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ یہاں پر النساء کا لفظ لاتا تو اس سے یہ بات ہرگز نہ نکلتی اور پھر مقصد یہ تھا کہ ملائکہ سے اس بات کی نفی کی جائے اور اللہ تعالیٰ کا قول"بل یداہ مبسوطتان" اللہ کے جود و کرم کی بے کراں وسعت سے کنایہ ہے۔

(4)چوتھا سبب یہ ہے کہ اختصار مقصود ہوتا ہے مثلاً" متعدد الفاظ کو محض ایک "فعل" کے لفظ کے ساتھ کنایہ کرنا جیسے اللہ تعالیٰ کا قول" ولبئس ما کانوا یفعلون--- فان لم تفعلوا ولن تفعلوا" اور ان سب سے مراد یہ ہے کہ اگر وہ کوئی سورت قرآن کے مثل نہ لا سکیں

(5)پانچواں سبب کسی شخص کے انجام پر آگاہ کرنے کی غرض سے کنایہ کیا جاتا ہے مثلاً" قول باری خداوندی" تبت یدا ابی لھب" یعنی وہ جہنمی ہے اور آخر کار اس ٹھکانا اور لوٹنے کی جگہ "لھب" یعنی آتش دوزخ ہے۔

اور "حمالۃ الحطب فی جیدھا حبل" یعنی چغلخور عورت کا مقام آخرت اور اس کا انجام کار یہ ہو گا کہ وہ جہنم کا ایندھن بنے گی اور اس کی گردن میں طوق ہو گا۔

تعریض:۔ تعریض کنایہ کے قریب المعنی ہے ان دونوں کے درمیان فرق بہت باریک سا ہے۔

علامہ سیوطی رحمتہ اللہ تعالی کا قول ہے کہ

"کنایہ اور تعریض کا فرق لوگوں نے مختلف الفاظ میں بیان کیا ہے اور وہ فرق تقریبا" ایک ہی طرح کی عبارتوں پر مشتمل ہے۔

علامہ زمخشری کا قول ہے کہ "ایک چیز کو اس کے لفظ موضوع لہ' کے سوا دوسرے لفظ کے ساتھ ذکر کرنا کنایہ ہے۔

اور تعریض یہ ہے کہ ایک شے کا ذکر اس غرض سے کیا جائے کہ اس سے غیر مذکور شے پر دلالت قائم ہو سکے"

علامہ سکاکی بیان کرتے ہیں کہ

"تعریض وہ ہے جس کا بیان کسی غیر مذکور موصوف کے لئے کیا جاتا ہے۔

اور منجملہ تعریض کے ایک بات یہ ہے کہ مخاطب ایک شخص ہو اور مراد کوئی اور شخص ہو۔

○ اور تعریض کبھی اس غرض سے ہوتی ہے کہ موصوف کی قدرت و منزلت کی بلندی کو ظاہر کیا جائے جیسے "ورفع بعضھم درجات"

یعنی محمد مصطفے علیہ التحیتہ والثناء کا نام نامی اسم گرامی ایسا ہے جو کبھی مشتبہ نہیں ہو سکتا۔

○ یا مخاطب سے لطف آمیز لہجہ میں گفتگو کرنے اور سخت کلامی سے احتراز کرنے کے لئے تعریض کو استعمال کرتے ہیں۔

مثلا" اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔

"ولئن اشرکت لیحبطن عملک "(الزمر65)

(اے مخاطب) اگر تو نے اللہ کے ساتھ شریک کیا تو تیرے سب عمل ضرور ضائع ہو جائیں گے۔

اس آیت کریمہ میں بظاہر روئے سخن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے مگر مراد دوسرے لوگ ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شرک کا وقوع محال ہے۔

خبر اور انشاء کا بیان

کلام کی صرف دو قسمیں ہیں خبر اور انشاء

علم نحو کے ماہرین اور تمام اہل بلاغت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کلام خبر اور انشاء صرف دو ہی قسموں میں منحصر ہے۔ ان کے سوا کلام کی کوئی تیسری قسم نہیں ہے۔

خبر:۔ وہ کلام ہے جس میں صدق اور کذب داخل ہوتا ہے اور انشاء اس کے خلاف ہے۔

خبر کے مقاصد:۔ خبر سے مقصود مخاطب کو کسی حکم کا فائدہ پہنچانا ہوتا ہے اور کبھی خبر اس مقصد کے علاوہ دیگر اغراض کے لئے بھی آتی ہے جو حسب ذیل ہیں۔

(1) امر کے معنی میں جیسے (والوالدات یرضعن) (بقرہ 233) اور مائیں دودھ پلائیں

(2) نہی کے معنی میں جیسے " لا یمسہ الا المطھرون"

(3) دعا کے معنی میں جیسے "ایاک نستعین" (فاتحہ 4)" اور تجھی سے مدد چاہیں "

(4) دعا ضرر و ہلاکت کے معنی ہیں "تبت ید ابی لھب وتب" (تبت1) تباہ ہو جائیں ابو لھب کے دونوں ہاتھ ' اور وہ تباہ ہو ہی گیا۔

اسی طرح "غلت ایدیھم ولعنوابما قالوا"

بعض علماء نے "حصرت صدورھم" کو بھی اسی قبیل سے قرار دیا ہے اور کہا

کہ یہ ان کے خلاف دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان منافقین مدینہ کے دلوں کو یونہی تنگی اور گھٹن میں رکھے کہ وہ بدبخت جنگ احد کے لئے آمادہ نہ تھے۔

فصل

انشاء کی اقسام میں سے ایک قسم استفہام ہے اور وہ استخبار کے معنی میں آتا ہے یعنی کسی چیز کے بارے میں کچھ دریافت کرنا اور پوچھنا۔ اور جس لفظ کے ساتھ کوئی بات پوچھی جائے اسے "ادات" استفہام کہتے ہیں

ادوات استفہام کا بیان

(1) ھمزہ مفتوح یعنی ء اس کا مطلب ہے "کیا"

(2) ھل اس کا مطلب ہے "کیا"

(3) ما کیا چیز؟

(4) من کون اور کس نے؟

(5) ای کون سا؟

(6) کم کتنے؟

(7) کیف کیسے؟

(8) این کہاں؟

(9) انی کیسے، کہاں سے، کب؟

(10) متی کب؟

(11) ایان کب؟

استفہام کئی معنوں کے لئے آتا ہے۔

(1) **انکار:۔** اس میں نفی کے لحاظ سے استفہامیہ مفہوم پایا جاتا ہے۔ اور اس کا مابعد منفی ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کے ساتھ الا حرف استثناء ضرور آتا ہے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

(1)"فهل یھلک الا القوم الفاسقون" اور "وھل نجازی الاالکفور" (سباء آیت 17) اور ہم کسے سزا دیتے اسی کو جو ناشکرا ہے اور قول باری تعالیٰ "فمن اضل اللہ ومالھم من ناصرین" میں ایسے ہی استفہام پر منفی کا عطف ڈالا گیا ہے جس کا معنی ہوا "لا یھدی" اور اسی کی مثالیں ہیں۔ "انو من لک واتبعک الا رذلون" (سورہ الشعراء آیت 111) بولے کیا ہم تم پر ایمان لے آئیں اور تمہارے ساتھ کمینے ہوئے ہیں۔

○ "انو من لبشرین مثلنا" (ای لا نومن) (المومنون آیت 47) کیا ہم ایمان لے آئیں اپنے جیسے دو آدمیوں پر

○ "ام لہ البنات ولکم البنون" (طور 39) کیا اس کو بیٹیاں اور تم کو بیٹے

○ "الکم الذکر ولہ الانثی" (النجم آیت 21) (یعنی لایکون ھذا)

کیا تم کو بیٹا اور اس کو بیٹی

○ "اشھدوا خلقھم" (الزخرف 19) (یعنی ما شھدوا)

کیا ان کے بناتے وقت یہ حاضر تھے۔

اور اکثر احوال میں تکذیب بھی اس کے ساتھ ہی پائی جاتی ہے اور وہ ماضی میں بہ معنی "لم یکن" اور مستقبل میں بہ معنی "لایکون" آتی ہے جیسے اس کی مثال ہے "افاصفاکم ربکم بالبنین" (بنی اسرائیل 4) کیا تمہارے رب نے تم کو بیٹے چن لیا (یعنی لم یفعل ذلک) اور قول باری تعالیٰ "انلزمکموھا وانتم لھا کارھون" (ھود آیت 28) (یعنی لایکون ھذا الالزام) کیا ہم اسے تمہارے چپیٹ دیں اور تم بیزار ہو

○ دوسرا معنی توبیخ ہے اور اسی کو "تقریع" سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ مثالیں

(ا) "افعصیت امری" (طہ 93) تو کیا تم نے میرا حکم نہ مانا (ب) "اتعبدون ماتنحتون" (الصفت آیت 95) کیا اپنے ہاتھ کے تراشوں کو پوجتے ہو۔

(ج) "اتدعون بعلا وتذرون احسن الخالقین" (الصفت آیت 125)

کیا بعل کو پوجتے ہو اور چھوڑتے ہو سب سے اچھا پیدا کرنے والا اور توبیخ زیادہ تر

ایسے امور پر ہوتی ہے جو ثابت اور واقع ہوں اور ان کے کرنے پر ڈانٹ پلائی جاتی ہے کہ ایسا کیوں کیا ہے جیسا کہ اس کی مثال گزر چکی ہے۔

اور کبھی تو یہ کسی عمل کے ترک کیے جانے پر ہوتی ہے کہ جس کو کرنا چاہیئے تھا اور اسے چھوڑنا موزوں اور مناسب نہ تھا۔

جیسے اس کی مثال اللہ تعالی کا یہ قول ہے

"اولم نعمر کم ما یتذکر فیہ من تذکر "(فاطر 37) اور کیا ہم نے تمہیں وہ عمر نہ دی تھی جس میں سمجھ لیتا جیسے سمجھنا ہوتا اور نیز یہ آیت "الم تکن ارض اللہ واسعہ فتھاجروا فیھا"(النساء 97) کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ ھتی کہ تم اس میں ہجرت کرتے

تیسرا معنی تقریر ہے اور وہ مخاطب کو کسی ایسے امر کے اقرار اور اعتراف پر آمادہ کرنے کا نام ہے جو اس کے نزدیک ثابت شدہ اور قرار پذیر ہو چکا ہو اسی وجہ سے اس پر صریح موجب (مثبت) کلام کا عطف کیا جاتا ہے اور اس کا عطف بھی صریح موجب کلام پر ہی کیا جاتا ہے۔

اول یعنی اس پر کلام موجب کے عطف کئے جانے کی مثال اللہ تعالی کا ارشاد" ووضعناک عنک وزرک"(الانشرح 1 تا 2)

ترجمہ:۔ کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا اور تم پر سے تمہارا بوجھ اتار لیا

○"الم یجدک یتیما فاوی"(الضحی 5 تا 7)

کیا اس نے تمہیں یتیم نہ پایا پھر جگہ دی۔"○"الم یجعل کیدھم فی تضلیل" (الفیل 2 تا 3)

کیا ان کا داوء تباہی میں نہ ڈالا

اور دوسری شق (یعنی استفہام تقریری کے کلام موجب پر معطوف ہونے) کی مثال ہے

" اکذبتم بایاتی ولم تحیطوا بھا علما"(النمل 84)

کیا تم نے میری آیتیں جھٹلائیں حالانکہ تمہارا علم ان تک نہ پہنچتا تھا۔

جیسا کہ علامہ جرجانی نے تقریر کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ آیت اللہ تعالی کے قول "وجحدوا بها واستيقنتها انفسهم ظلما وعلوا" "(النمل 14)

کے قبیل سے ہے(اور ان کے منکر ہوئے اور ان دلوں میں ان کا یقین تھا، ظلم اور تکبر سے) اور استفہام تقریر کی حقیقت یہ ہے کہ وہ استفہام انکاری ہے اور انکار نفی ہے(اور بے شک وہ نفی پر داخل ہوا ہے) اور یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ نفی کی نفی اثبات ہوتا ہے استفہام تقریری کی مثالوں میں سے ایک یہ ہے "الیس اللہ بکاف عبدہ" (الزمر 36)

ترجمہ:۔ کیا اللہ اپنے بندہ کو کافی نہیں

اسی طرح یہ آیت بھی ہے "الست بربکم" (اعراف 172) ترجمہ کیا میں تمہارا رب نہیں

علامہ زمخشری نے ارشاد خداوندی "الم تعلم ان اللہ علی کل شئی قدر" (البقرہ آیت 106)

"کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے" کو بھی اس کی مثال بتایا ہے۔

چوتھا معنی تعجب یا تعجیب ہے مثلاً "کیف تکفرون باللہ" (البقرہ 25)

بھلا تم کیونکہ خدا کے منکر ہوئے اور "مالی لا اری الھدھد" (النمل 20) کیا ہوا کہ میں ہد ہد کو نہیں دیکھتا اور یہ قسم اور سابق دونوں قسموں کو اکٹھی مثال اللہ تعالی کا یہ قول " اتامرون الناس بالبر "(بقرہ 44) (کیا لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو) ہے۔

علامہ زمخشری نے کہا کہ اس آیت میں ہمزہ استفہام تقریر کے معنی میں توبیخ کے ساتھ وارد ہے اور ان کی حالت پر اظہار تعجب بھی ہے۔ اور آیت کریمہ " ماولا ھم عن قبلتھم "(البقرہ 142) میں تعجب اور استفہام حقیقی دونوں کا احتمال موجود ہے۔

پانچواں معنی ہے "عتاب" (ناراضگی اور خفگی کا اظہار کرنا) جیسے اللہ تعالی کا قول ہے " الم یان للذین امنوا ان تخشح قلوبھم لذکر اللہ" (الحدید 16) ترجمہ کیا ایمان

والوں کو ابھی وہ وقت نہ آیا کہ ان کہ دل جھک جائیں اللہ کی یاد کے لئے اور سب سے لطیف عتاب وہ ہے جو اللہ تعالی نے اپنے محبوب افضل کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا ہے اللہ تعالی فرماتا ہے۔

"عفا اللہ عنک لم اذنت لھم" (التوبہ 43)

ترجمہ اللہ تمہیں معاف کرے تم نے انہیں کیوں اذن دے دیا

چھٹا معنی تذکیر ہے (جس کا مطلب یاد دہانی اور تجدید عہد ہے) اس میں ایک قسم کا اختصار پایا جاتا ہے مثلاً" اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے" الم اعھد الیکم یا بنی آدم ان لا تعبدوا الشیطان"(یس 60) اے اولاد آدم کیا میں نے تم سے عہد نہ لیا تھا کہ شیطان کو نہ پوجنا بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور" الم اقل لکم انی اعلم غیب السموات والارض "(البقرہ 33)

ترجمہ:۔ فرمایا میں نہ کہتا تھا کہ میں جانتا ہوں آسمانوں اور زمین کی سب چھپی ہوئی چیزیں "ھل علمتم ما فعلتم بیوسیف واخیہ" (یوسف 89)

ترجمہ:۔ (بولے) کچھ خبر ہے تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا؟

ساتواں معنی ہے افتخار جیسے" الیس لی ملک مصر "(الزخرف 51)

ترجمہ:۔ کیا میرے لئے مصر کی سلطنت نہیں

آٹھواں معنی تعظیم (عظمت اور بڑائی کا اظہار) جیسے "مالھذا الکتاب لا یغادر صغیرہ ولا کبیرہ" (ا لکھف 49) اس نوشتہ کو کیا ہوا نہ اس نے کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا اور نہ بڑا

نواں معنی تہویل اور تخویف ہے(ڈرانا) مثلاً" "الحاقتہ ملا الحاقتہ" (الحاقہ 1-2) وہ حق ہونے والی کیس وہ حق ہونیوالی اور "القارعة ماالقارعة" القارعة 1 تا 2

ترجمہ دل دہلانے والی کیا وہ دہلانے والی!

دسواں معنی سابق کے برعکس ہے اور وہ ہے تسہیل اور تخفیف (یعنی آسانی اور نرمی)

جیسے "وماذا علیھم لو امنوا" (النساء 39)

ترجمہ:۔ اور ان کا کیا نقصان تھا اگر ایمان لاتے

گیارھواں معنی تہدید اور وعید ہے (دھمکی دینا) جیسے "الم نھلک الاولین" (المرسلات 16) کیا ہم نے اگلوں کو ہلاک نہ فرمایا

بارھواں معنی "تسویہ" یہ وہ استفہام ہے جو ایسے جملہ پر داخل ہوتا ہے جس کی جگہ مصدر کو لانا صحیح ہوتا ہے جیسے" سوا علیھم اانذرتھم ام لم تنذرھم" (البقرہ 6) انہیں برابر ہے چاہے تم انہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ

تیرھواں معنی ہے "امر" جیسے " اسلتم یعنی اسلموا فھل انتم منتھون یعنی انتھوا" اور "اتصبرون "یعنی" اصبروا"

چودھواں معنی تنبیہہ ہے اور وہ امرہی کی ایک قسم ہے جیسے "الم ترا الی ربک کیف مدالظل "(ای انظر)(الفرقان 45)

ترجمہ:۔ اے محبوب کیا تم نے اپنے رب کو نہ دیکھا کیسا پھیلایا سایہ

پندرھواں معنی ہے "ترغیب" (رغبت دلانا) جیسے "من ذاالذی یقرض اللّٰہ قرضا" حسنا" "(الحدید 11) کون ہے جو اللہ کو قرض دے اچھا قرض اور" ھل ادلکم علی تجارہ تنجیکم" (الصف 10)

ترجمہ:۔ کیا میں بتا دوں وہ تجارت جو تمہیں دردناک عذاب سے بچائے

سولھواں معنی ہے "نہی" جیسے " اتخشونھم فاللّٰہ احق ان تخشوہ" (التوبہ 13)

ترجمہ:۔ کیاان سے ڈرتے ہو تو اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرو اس کی دلیل اللہ تعالی کا یہ قول ہے" فلا تخشوالناس واخشون" (المائدہ 44)

لوگوں سے خوف نہ کرو اور مجھ سے ڈرو

اور اللہ تعالی کا یہ قول "ماغرک بربک الکریم" (یعنی لا تغتر) کس چیز نے فریب دیا ہے اپنے کرم والے رب سے

سترھواں معنی ہے دعاء اور یہ بھی نہیں کی طرح ہے مگر یہ کہ دعاء ادنی سے اعلی

کی طرف ہوتی ہے جیسے مثلاً ''اتہلکنا بما فعل السفہاء'' یعنی لا تھلکنا(اعراف 155) کیا تو ہمیں اس کام پر ہلاک فرمائے گا جو ہمارے بے عقلوں نے کیا

اٹھارھواں معنی ہے استرشاد(طلب ہدایت) جیسے ''اتجعل فیھا من یفسد فیھا ''(بقرہ 30)

ترجمہ:۔ کیا ایسے کو نائب کریگا جو ان میں فساد پھیلائے

فصل

انشاء کی ایک قسم امر ہے اور امر طلب فعل کا نام ہے نہ کہ فعل سے رکنے کا اور امر کا صیغہ "افعل" اور "لیفعل" ہے امرا یجاب کے معنی میں حقیقت ہے جیسے "اقیموا الصلوٰۃ" نماز قائم کرو "فلیصوا معک "امر کے مجازی معانی

امر کے مجازی معانی

امر کے حقیقی معنی تو وجوب ہے اور کبھی امر دیگر معنوں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور وہ اس کے مجازی معنی ہیں جیسے

(1) ندب ہے اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے "واذا قری القر آن فاستمعوا له وانصوا" (اعراف 201) اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔

(2) اباحت جیسے "فکاتبوھم" (نور 33) تو انہیں آزادی لکھ دو امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس آیت میں امر اباحت کے لئے اور وارد ہوا ہے اور اسی قسم سے یہ قول بھی ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

"واذا حللتم فاصطادوا" (المائدہ 2) اور جب احرام سے فارغ ہو جاؤ تو شکار کر سکتے ہو ظاہر سے شکار کرنا واجب نہیں ہے مباح ہے۔

(3) دعاء یہ ادنی سے اعلی کی طرف امر ہوتا ہے جیسے "رب اغفرلی" (نوح 28) اے میرے رب مجھے بخش دے

(4) تھدید (دھمکی) جیسے "اعملوا ماشئتم" (حم سجدہ 4) جو جی میں آئے کرو کیونکہ یہاں یہ مراد نہیں ہے کہ ان کو امر دیا جا رہا ہے۔ کہ وہ جو چاہیں کریں

(5) اہانت۔ مثلاً "ذق انک انت العزیز الکریم" (الدخان 49)

ترجمہ:۔ چکھ ہاں تو ہی بڑا عزت والا کرم والا ہے۔

(6) تسخیر۔ یعنی ذلیل بنانے کے لئے جیسے "کونوا قردۃً" (بقرہ 65)

ترجمہ:۔ کہ ہو جاؤ بندر

اس میں ان معذب لوگوں کے ایک صورت سے دوسری صورت میں منتقل ہونے کی تعبیر کیا ہے اور یہ تبدیلی شکل اور ان کو ذلیل و رسوا کرنے کے لئے تھی اور یہ اہانت سے خاص تر امر ہے۔

(7) تعجیز۔ (عاجز بنا دینا) جیسے "فاتوابسورہ من مثلہ"(بقرہ 23) تو اس جیسی ایک سورت تو لے آؤ کیونکہ مراد ان سے اس بات کو طلب کرنا نہیں ہے بلکہ ان کے عجز کا اظہار مقصود ہے۔

○ امتنان(احسان جتانا) جیسے "کلو من ثمرہ اذا اثمر"(انعام 140) کھاؤ اس کا پھل جب پھل لائے

○ تعجب جیسے "انظر کیف ضربوالک الامثال"(بنی اسرائیل 48)
دیکھو انہوں نے تمہیں کیسی تشبیہیں دیں

○ تسویہ(برابر کرنا) جیسے "فاصبروا اولا تصبروا"(طور 52)
اب چاہو صبر کرو یا نہ کرو

○ ارشاد جیسے "واشھدوا اذا تبایعتم"(بقرہ 282)
ترجمہ:۔ اور جب خرید و فروخت کرو تو گواہ کر لو

○ احتقار (حقیر جاننا) جیسے "القوا ما انتم ملقون"(شعراء 43)
ڈالو جو تمہیں ڈالنا ہے

○ انذار(ڈرانا) جیسے "قل تمتعوا"(ابراہیم 30)
ترجمہ:۔ فرما دیجئے (کچھ) فائدہ اٹھا لو

○ اکرام جیسے "ادخلوھا بسلام"(الحج 46)
ترجمہ:۔ (ان سے کہا جائیگا) تم ان میں داخل ہو جاؤ سلامتی کے ساتھ

○ انعام(نعمت کی یاد دہانی) جیسے "کلوا ممارزقکم اللّٰہ"(انعام 142)
ترجمہ:۔ کھاؤ اس سے جو اللہ نے تمہیں رزق دیا۔

○ تکذیب جیسے "قل فاتوا بالتوارۃ فاتلوھا"(آل عمران 93) تم فرماؤ توریت لاکر

پڑھو

"قل هلم شهداء کم الذین یشهدون ان اللّٰہ حرم هذا" (انعام 150)

آپ فرمائیں تم اپنے وہ گواہ لاؤ جو گواہی دیں اللہ نے اسے حرام کیا

○مشورہ جیسے "فانظر ماذا تری" (الصفت 102) اب تو دیکھ تیری کیا رائے ہے۔

○اعتبار جیسے "انظروا الی ثمرہ اذا اثمر" (الانعام 99)

اس کا پھل دیکھو جب پھلے

فصل

نہی بھی انشاء کی ایک قسم ہے نہی کسی کام سے رکنے کے مطالبہ کو کہتے ہیں نہی کا صیغہ "لا تفعل" ہے

نہی کا حقیقی معنی تحریم ہے اور مجازاً" دیگر معانی کے لئے بھی اس کا ورود ہوتا ہے جو حسب ذیل ہے۔

(1) کراہت جیسے "ولا تمش مرحا" (بنی اسرائیل 37) اور زمین میں اتراتا نہ چل

(2) دعاء جیسے " ربنا لا تزغ قلوبنا" (آل عمران 8) اے رب ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر

(3) ارشاد جیسے "لا تسالوا عن اشیاء ان تبدلکم تسوئکم" (مائدہ 101) ایسی باتیں نہ پوچھو جو تم پر ظاہر کی جائیں تو تمہیں بری لگیں

(4) تسویہ جیسے "اولا تصبروا" (طور 52) (اب چاہو صبر کرو) یا نہ کرو

(5) احتقار اور تقلیل جیسے "ولا تمدن عینیک" (طہ 131) اور اے سننے والے اپنی آنکھیں نہ پھیلا یعنی وہ چیز قلیل اور حقیر ہے

(6) بیان عاقبت مثلاً" "ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا" بل احیاء" (آل عمران 169) اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہر گز انہیں مردہ نہ خیال کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں یعنی جہاد کا انجام حیات ہے موت نہیں

(7) یاس (ناامیدی) جیسے "لا تعتذروا" (توبہ 66) بہانے نہ بناؤ

(8) اہانت جیسے "اخسوا فیھا ولا تکلمون" (مومنون 108)

(رب فرمائے گا) دھتکارے پڑے رہو اس میں اور مجھ سے بات نہ کرو۔

سورتوں کے فواتح کا بیان

واضح رہے کہ اللہ تعالی نے قرآن حکیم کی سورتوں کا آغاز کلام کی دس انواع کے ساتھ فرمایا ہے اور کوئی سورت ایسی نہیں جو ان دس انواع میں سے کسی نہ کسی نوع میں داخل نہ ہو۔

○ پہلی نوع اللہ تعالی کا ثناء کرنا ہے چنانچہ پانچ سورتوں میں تحمید سے اور دو سورتوں میں "تبارک" سے اور سات سورتوں میں تسبیح سے افتتاح فرمایا ہے

○ دوسری نوع:۔ حروف تہجی ہیں۔ ان کے ساتھ انتیس سورتوں کو شروع کیا ہے

○ تیسری نوع :۔ نداء ہے یہ دس سورتوں میں وارد ہوئی ہے پانچ سورتوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نداء کی گئی ہے جن کے نام یہ ہیں۔ الاحزاب○ الطلاق ○ التحریم○ المزمل○ اور ○المدثر اور پانچ سورتوں میں امت کی نداء کی گئی ہے جو حسب ذیل ہیں۔

○النساء○المائدہ○الحج○ الحجرات○ اور الممتحنہ○

○چوتھی نوع خبریہ جملے ہیں مثلاً"

○"یسالونک عن الانفال"(الانفال آیت 1) اے محبوب تم سے غنیمتوں کو پوچھتے ہیں

○"براءۃ من اللّٰہ"(التوبہ 1)بیزاری کا حکم (سنانا ہے اللہ اور رسول کی طرف سے)

○ اتی امر اللہ (النحل - 1) اب آتا ہے اللہ کا حکم

○ "اقترب للناس حسابھم"(الانبیاء 1) لوگوں کا حساب نزدیک

○"قد افلح المومنون"(مومنون 1) بے شک مراد کو پہنچے ایمان والے

○"سورہ انزلناہ"(النور 1) یہ ایک سورت ہے کہ ہم نے اتاری

○"تنزیل الکتاب"(الزمر 1) کتاب اتارنا ہے۔

○"الذین کفروا"(محمد 1) جنہوں نے کفر کیا

○"انا فتحنا"(الفتح 1) بے شک ہم نے تمہارے لئے روشن فتح دی

○"اقترب الساعه" (القمر 1) پاس آئی قیامت

○"الرحمن علم" (الرحمن 1) رحمن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا

○"لقد سمع اللّٰه" (آل عمران 181) بے شک اللہ نے سنا

○"الحاقة" (الحاقہ 1) وہ حق ہونے والی

○"سال سائل" (المعراج 1) ایک مانگنے والا

○"انا ارسلنا نوحا" (النوح 1) بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا

○"لا اقسم" (دو جگہوں میں) (البلد) مجھے اس شہر کی (2) (القیامہ 1) روز قیامت کی قسم

○"عبس" (عبس 1) تیوری چڑھائی

○"انا انزلناہ" (القدر 1) بے شک ہم نے اسے شب قدر میں اتارا

○"لم یکن" (البینہ 1) نہ تھے

○"القارعہ" (القارعہ 1) دل دہلانے والی

○"انا اعطیناک" (الکوثر 1) اے محبوب! بے شک ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں

یہ کل تئیس (23) سورتیں ہیں

پانچویں نوع ہے قسم پندرہ سورتوں کا آغاز قسم سے کیا گیا ہے ان میں سے ایک سورت ایسی ہے جس میں فرشتوں کی قسم یاد فرمائی گئی ہے اور وہ سورہ "والصافات" ہے۔

اور دو سورتوں یعنی سورہ "بروج" اور "الطارق" میں افلاک کی قسم کا ذکر سے چھ سورتوں میں لوازم افلاک کی قسم آئی ہے۔

"سورہ النجم" میں "ثریا" کی قسم اور الفجر میں دن کے مبداء کی قسم ہے "والشمس" میں آیۃ النہار کی قسم ہے اور "والیل" میں زمانہ کے شطر (نصف حصہ) کی قسم ہے "الضحیٰ" میں دن کے نصف حصہ کی اور "العصر" میں دن کے آخری حصہ کی یا پورے زمانہ بھر کی قسم ذکر فرمائی گئی ہے

اور دو سورتوں میں ہوا کی قسم ہے جو کہ عناصر اربہ میں سے ایک عنصر ہے اور یہ" والذاریات" اور"المرسلات" کی سورتیں ہیں

اور سورہ والطور میں مٹی کی قسم ہے اور یہ بھی ان ہی کا ایک عنصر ہے۔ اور سورہ "والتین" میں نبات کی قسم ہے"سورہ والنازعات" میں حیوان ناطق کی قسم ذکر ہوئی ہے اور سورہ "والعادیات" میں ان جانوروں کی قسم ہے جو چرندے ہیں

○ چھٹی نوع "شرط" ہے اور یہ سات سورتوں میں آئی ہے جو حسب ذیل ہیں۔

(1) سورہ واقعہ (2) سورہ منافقون (3) سورہ تکویر (4) سورہ انفطار (5) سورہ انشقاق (6) سورہ زلزلہ (7) سورہ نصر

○ ساتویں نوع "امر" ہے اور یہ چھ سورتوں میں آیا ہے جو درج ذیل ہیں۔(1)قل اوحی (2) اقراء (3) قل یاایھا الکافرون (4) قل ھواللّٰہ احد(5) قل اعوذ یعنی "المعوذتین"

○ آٹھویں نوع "استفھام" ہے اور یہ چھ سورتوں میں آیا ہے

○ھل اتی ○ عم یتساء لون ○ ھل اتاک ○الم نشرح ○ الم تر ○ ارایت○

نویں نوع "دعاء" ہے اور "دعا" سے صرف تین سورتوں کا افتتاح کیا گیا ہے

○ویل للمطففین ○ ویل لکل ھمزہ○ تبت

""

اختر رضا لائبریری
کتاب نمبر
صدر بازار، لاہور چھاؤنی

قرآنی سورتوں کے خواتم

یہ بھی تحسین کلام میں فواتح کی طرح منفرد حیثیت کے حامل ہیں اس لئے کہ یہ کلام کے آخر میں در سماعت پر دستک دیتے اور گوش گزار ہوتے ہیں اسی وجہ سے یہ سامع کو گفتگو کے اختتام پزیر ہونے سے آگاہ کرنے کے ساتھ معانی کے عجیب پن اور ندرت کے بھی متضمن ہو کر آئے ہیں۔ تا آنکہ ان کو سن لینے کے بعد نفس پھر مزید کسی بات کا مشتاق اور منتظر نہیں رہتا اوراس کی وجہ یہ ہے کہ سورتوں کے خواتم، دعاؤں، پند و نصائح، فرائض، تحمید، تہلیل، مواعظ وعد، وعید اسی طرح اور بہت سے امور میں سے کسی امر پر مشتمل ہوتے ہیں۔

مثلاً" سورہ فاتحہ کے خاتمہ میں پورے مطلوب کی تفصیل بیان کر دی گئی ہے کیونکہ اعلی مطلوب وہ ایمان ہے جو ضلالت و معصیت سے محفوظ ہو کیونکہ نافرمانی اور گمراہی غضب الہی کا باعث اور ان جملہ باتوں کی تفصیل اللہ تعالی نے اپنے قول" الذین انعمت علیھم" سے بیان فرما دی ہے۔

○ اور قرآن کی سورتوں کے خاتمے میں دعا آنے کی مثال "سورہ بقرہ" کے خاتمہ کی دو آیتیں ہیں

○ اور وصایا کی مثال سورہ آل عمران کاخاتمہ ہے۔

○ فرائض پر ختم ہونے کی مثال "سورہ النساء" کا خاتمہ ہے۔ اس میں نکتہ اور حسن اختتام کی بات یہ ہے اس میں موت کے احکام کا بیان ہے اور موت پر زندہ کا اختتام کار ہوتا ہے۔ نیز سب سے آخر میں نازل ہونے والے احکام' احکام موت ہیں۔

○ "سورہ المائدہ" کا خاتمہ تبجیل اور تعظیم (عظمت و کبریائی) پر ہوا ہے۔

○ اور سورہ الانعام کا خاتمہ وعد اور وعید پر ہوتا ہے۔

○ سورہ الاعراف کا خاتمہ فرشتوں کے حال کو بیان کر کے انسان کو عبادت خداوندی پر آمادہ و برانگیختہ کرنے کے ساتھ ہوتا ہے۔

○ سورہ الانفال کا خاتمہ جہاد اور صلہ رحمی (رشتہ داروں کا خیال رکھنا) پر ترغیب دلانے

کے ساتھ ہوتا ہے۔

○ "سورہ براۃ" کاخاتمہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدح و ثناء آپ کے اوصاف عالیہ کے بیان اور تہلیل کے ساتھ کیا گیا ہے۔

○"سورہ یونس" کا خاتمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالی کی طرف سے تسلی دینے کے ساتھ ہوا ہے اور یونہی "سورہ ھود" کا خاتمہ بھی ہے۔

○"سورہ یوسف" کاخاتمہ قرآن پاک کی مدح اور اس کے وصف کے بیان کے ساتھ ہوا ہے۔

○ اور سورہ الرعد" کا اختتام ہوتا ہے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے والے کی تردید پر۔

اور خاتمہ سورت کی واضح ترین علامت "سورہ ابراہیم" کا خاتمہ یعنی یہ قول "ھذا بلاغ للناس "" الآیہ" اور اسی کی مثل سورہ الاحقاف کا خاتمہ بھی ہے اور اسی طرح سورہ الحجر کا خاتمہ ہے ارشاد ہوتا ہے۔

" واعبدربک حتی یاتیک الیقین" اس میں "یقین" کی تفسیر موت سے کی گئی ہے اور یہ اعلی درجہ کی "براعت" ہے۔

اور دیکھو! "سورہ زلزال" کا آغاز کس طرح سے قیات کے ھولناک احوال و مناظر سے ہوتا ہے۔ اور خاتمہ سورت "فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا" یرہ" سے ہوتا ہے (زلزال 7-8)

ترجمہ:۔ تو جو ایک ذرہ بھی بھلائی کرے اسے دیکھے گا اور جو ایک ذرہ بھر برائی کرے اسے دیکھے گا۔

اور سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت "واتقوا یوما" ترجعون فیه الی اللہ" میں کس شان سے "براعت" جلوہ گر ہے اور اس میں وفات کی مستلزم آخریت کی عکاسی کس قدر دلکش انداز میں ہو رہی ہے۔

اسی طرح سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورت "النصر" میں بھی موت کی

طرف اشارہ ملتا ہے جیسا کہ امام بخاری رحمتہ الباری نے سعید بن جبیر کے طریق پر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرامؓ سے دریافت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے قول" اذا جاء نصر اللّٰہ والفتح" سے کیا مراد ہے؟ صحابہ کرامؓ نے جواب دیا محلات اور شہروں کی فتح(یعنی کشور کشائی کی خوشخبری) مراد ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا

اے ابن عباس!(رضی اللہ تعالیٰ عنہما) اس سے مراد ایک مدت معین ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مقرر کی گئی تھی اور اس آیت میں آپ کی وفات کی طرف اشارہ ہے۔

امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یوں بھی روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول تھا کہ وہ مجھے بھی شیوخ بدر کی مجلس میں بلایا کرتے تھے۔ اور شیوخ میں سے کسی ایک کو یہ بات گراں گزری۔ چنانچہ انہوں نے کہہ دیا کہ یہ لڑکا(ابن عباس) ہم بزرگوں کے ساتھ مجلس میں کیوں شریک ہوتا ہے جب کہ ہمارے بچے بھی ان کی طرح ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ یہ کون ہے؟ پھر ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام شیوخ بدر کو مدعو کیا اور ان سے دریافت کیا کہ آیت کریمہ "اذا جاء نصر اللّٰہ والفتح" کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟

شیوخ بدر میں سے چند حضرات نے کہا"ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ جس وقت ہمیں نصرت و فتح نصیب ہو تو اس وقت ہم اللہ تعالیٰ کی حمد بجا لائیں اور اس سے بخشش طلب کریں۔

اور بعض صحابہ نے سکوت اختیار فرمایا اور کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے فرمایا ابن عباس! کیا آپ کا بھی یہی قول ہے؟

میں نے جواب دیا نہیں"

حضرت عمرؓ فرمانے لگے پھر تم کیا کہتے ہو؟

میں نے کہا" اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی طرف اشارہ ہے اللہ تعالی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی موت کے علم سے آگاہ فرمایا ہے کہ "جب اللہ کی نصرت اور فتح آئے تو یہ تمہارے وصال فرمانے کی علامت ہے تو اس وقت تم اللہ تعالی کی حمد بیان کرنا اور اس کی تسبیح کرنا اور مغفرت طلب کرنا اور وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا میں اس سورت کے متعلق وہی جانتا ہوں جو کچھ تم نے بیان کیا ہے۔

قرآن پاک کی آیات اور سورتوں میں مناسبت

مناسبت لغت میں ہم شکل اور باہم قریب ہونے کے معنی میں آتا ہے آیات اور اس کی مثل چیزوں میں مناسبت کا مرجع ایک ایسا معنی ہے جو ان میں باہم تعلق اور ربط کا کام دیتا ہے وہ معنی عام ہو یا خاص، عقلی ہو یا حسی اور یا خیالی وغیرہ۔۔۔۔۔ یا اس کے علاوہ اور قسم کے علاقے اور لزومات ذہنی مثلاً" سبب اور "مسبب" علت اور معلول نظیرین اور ضدین اور دیگر امور مناسبت کا فائدہ یہ ہے کہ وہ کلام کے اجزاء کو باہم جوڑنے اور ملانے کا کام دیتی ہے اور اس سے اجزاء کلام کا باہمی ارتباط بڑھ کر کلام میں مضبوطی اور تقویت پیدا ہوتی ہے۔ تالیف کلام کا حال اس عمارت کی طرح ہوتا ہے جو کہ نہایت محکم اور متناسب اجزاء کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے۔

علامہ ابو جعفر ابن الزبیر ابو حیان کے استاذ نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی جس کا نام " البرہان فی مناسبة ترتیب سور القرآن" ہے اور شیخ برہان الدین بقاعی نے اسی موضوع پر نظم الدرر فی مناسبۃ الآیِ والسور کے نام سے ایک کتاب تالیف کی ہے۔

اور علامہ حافظ جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ کی اس موضوع پر ایک عمدہ اور لطیف تصنیف "تناسق الدرر فی تناسب السور" موجود ہے

علم المناسبہ ایک بہترین فن ہے عام طور پر مفسرین نے اس علم کی دقت اور باریکی کی وجہ سے بہت کم اس پر توجہ کی ہے۔

اور جن علماء مفسرین نے بہ بکثرت مناسبات کو بیان کیا ہے ان میں سے ایک امام فخرالدین رازی رحمتہ اللہ تعالی ہیں وہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

قرآن حکیم کے اکثر نکات اور باریکیاں اس کی ترتیبوں مناسبتوں اور رابطوں میں مضمر ہیں۔

شیخ عزالدین بن عبد السلام فرماتے ہیں کہ

"مناسبت ایک اچھا علم ہے لیکن ارتباط کلام کے عمدہ اور خوبصورت ہونے میں یہ

شرط ہے کہ وہ کسی ایسے کلام میں واقع ہو جس میں اتحاد و یگانگت ہو اور اس کا اول اس کے آخر سے مربوط ہو لہٰذا اگر کلام کا وقوع مختلف اسباب پر ہو گا تو اس میں یہ ارتباط ہرگز نہیں ہو گا اور جو شخص ایسے کلام کو ربط دے گا وہ خواہ مخواہ ٹھنڈے تکلف کا مرتکب ہو گا اور ہتھیلی پر سرسوں اگانے کی کرے گا اور ایسے بودے طریق کی پیروی کرے گا کہ اس سے تو معمولی قسم کے کلام کے حسن کو بھی بچانا اور محفوظ رکھنا ضروری ہے چہ جائیکہ قرآن حکیم ایسے افضل ترین کلام کی خوبی و حسن کی حفاظت اور قرآن حکیم کا نزول جو بیس سے زیادہ سال تک تدریجاً" ہوتا ہے اور اس عرصہ میں مختلف اسباب کی بناء پر مختلف اوقات میں مختلف احکام کے بارے میں یہ نازل ہوا تھا اور اس طرح کا کلام بھی باہم مربوط نہیں کیا جا سکتا۔

تنبیہہ:۔

بعض آیات اس طرح کی ہیں کہ ان کی مناسبت ان کے ماقبل کے ساتھ مشکل نظر آتی ہے ان آیات میں سے ایک "سورہ القیامہ" کی یہ آیت کریمہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

"لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ" تم یاد کرنے کی جلدی میں قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دو اور اس آیت کی وجہ مناسبت اول و آخر کے ساتھ ایک نہایت دشوار امر ہے کیونکہ یہ ساری سورت احوال قیامت کے بیان میں نازل ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ بعض رافضیوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ اس سورت میں سے کچھ حصہ ساقط ہو گیا ہے۔

اور حدیث صحیح میں ہے کہ اس آیت کا نزول رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزول وحی کی حالت میں زبان مبارک کو حرکت دینے پر ہوا تھا۔

ائمہ مفسرین نے اس کی بہت سی مناسبتیں بیان فرمائی ہیں۔

○ ان میں سے ایک یہ ہے جس وقت اللہ تعالیٰ نے قیامت کا ذکر فرمایا اور یہ بیان کیا کہ جو شخص عمل آخرت میں کوتاہی کرتا ہے وہ عاجلہ یعنی دنیا کی محبت میں مبتلا ہے۔

اور دین کا منشاء دراصل یہ ہے کہ نیکی کے امور کی طرف جلدی کی جائے اور یہ نیک کاموں میں سبقت شرعاً" مطلوب ہے تو اللہ تعالی نے متنبہ فرمایا کہ کبھی اس "مطلوب" کو ایک ایسی چیز عارض ہو جاتی ہے جو اس سے بھی زیادہ اہمیت کی حامل ہوتی ہے مثلاً" وہ وحی کا پوری توجہ اور یکسوئی کے ساتھ ہمہ تن گوش ہو کر سننا ہے اور اس کے مفاہیم و مطالب کو سمجھنا ہے۔ اور فوراً" اس کے حفظ اور یاد کرنے میں مشغول ہونا اس سے مانع ہے لہٰذا امر ہوا کہ ساتھ ساتھ فوراً" حفظ اوریاد کرنے میں جلدی نہ کرو اس لئے کہ اس کا یاد کرانا اللہ رب العالمین کے ذمہ کرم پر ہے بس آپ کا کام صرف اتنا ہے کہ جو وحی اترتی ہے اسے توجہ سے سنتے رہئے اور جب اس کا نزول مکمل ہو چکے تو اس کے احکام کی اتباع کریں۔ پھر جس وقت یہ جملہ معترضہ ختم ہوگیا اس وقت دوبارہ کلام کا آغاز اسی انسان اور اس کے ابناء جنس کے متعلقات سے ہوا جس کے ذکر سے پہلے کلام کا افتتاح ہوا تھا اور اللہ تعالی نے فرمایا "کلا" یہ کلمہ ردع ہے گویا کہ رب العزت نے فرمایا "بلکہ تم لوگ اے آدم کے بیٹو! اس وجہ سے کہ تمہارا خمیر اور اٹھان ہی عجلت سے واقع ہوئی ہے ضرور ہر چیز میں جلد بازی کرو گے اور اسی عاجلانہ سرشت کی وجہ سے عاجلہ (دنیا) سے دوستی کا دم بھرو گے۔

○ دوسری وجہ مناسبت یہ ہے کہ جس نفس کا ذکر سورت کے شروع میں ہوا اس سے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس شریف اور ذات لطیف کی طرف عدول کیا اور گویا یہ کہا کہ " عام نفوس کی شان تو وہ ہے مگر اے سراپا ستائش محبوب! آپ تمام نفوس سے افضل و اعلی ہیں۔ لہٰذا آپ اپنی شان کے لائق کامل ترین احوال اختیار فرمائیں۔

○ اور اسی باب سے اللہ تعالی کا یہ قول "یسئلونک عن الاھلۃ" بھی ہے کیونکہ بعض اوقات اس پر یہ اشکال وارد کیا جاتا ہے کہ " ہلال" کے احکام اور گھروں میں داخل ہونے کے احکام میں کونسی مناسبت ہے؟ اوران کو ایک ساتھ کس تعلق اور ربط و مناسبت کی بناء پر ذکر کیا گیا ہے؟

اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے۔ "یہ استطراد" کے باب سے ہے کیونکہ چاند کے گھٹنے بڑھنے کی حکمت یہ بیان کی گئی تھی کہ اس سے حج کے اوقات کا تعین ہوتا ہے اور یہ گھروں میں دروازہ سے آنے کے بجائے پیچھے سے داخل ہونا ان لوگوں کا عموماً" موسم حج میں معمول ہوتا تھا(جیسا کہ اس آیت کے شان نزول سے پتا چلتا ہے) لہٰذا گھر میں داخلہ کا حکم اس مقام پر سوال کے جواب میں امر زائد کو بیان کرنے کے قبیل سے ہوا اس کی نظیر یہ ہے کہ سمندر کے پانی کے بارے میں سوال پیدا ہوا تھا تو اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"هو الطهور ماؤها الحل ميتته"

"اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قول"ولله المشرق والمغرب" بھی اسی باب سے ہے کیونکہ اس کے بارے میں بھی یہ سوال ہوتا ہے کہ اس کی ماقبل سے کیا مناسبت ہے اور اس کا ماقبل ہے "ومن اظلم ممن منع مساجد اللّٰه"(الایہ)

شیخ ابو محمد الجوینی رحمتہ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں میں نے ابوالحسن الدهان سے سنا ہے وہ فرماتے تھے

"اس آیت کی وجہ اتصال اپنے ماقبل سے یہ ہے کہ سابق میں بربادی بیت المقدس کا ذکر آچکا ہے یعنی یہ کہ تم کو یہ بات اس سے روگردانی پر آمادہ نہ کرے اور تم اس کی طرف رخ کرو اس لئے کہ مشرق اور مغرب سب اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی سمتیں ہیں"۔

اعجاز قرآن

معجزہ ایسے خرق عادت امر کو کہتے ہیں جو تحدی (چیلنج) کے ساتھ مقرون (ملا ہوا) ہو اور وہ معارضہ سے سالم رہے۔

معجزہ کی دو قسمیں ہیں (1) حسی اور (2) عقلی

بنی اسرائیل کے اکثر معجزات حسی تھے کیونکہ وہ لوگ انتہائی کند ذہن اور کم عقل تھے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے زیادہ تر معجزات عقلی تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے افراد روشن دماغ اور کمال درجہ کی ذکاوت اور فہم فراست کے مالک ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس شریعت محمدیہ علی صاحبہا التحیتہ والثناء نے چونکہ قیامت تک صفحہ ہستی پر باقی رہنا ہے اس واسطے اس امت کو یہ خصوصیت عطا ہوئی کہ اس شریعت کے شارع اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ رہنے والا عقلی معجزہ عطا کیا گیا تاکہ اہل بصیرت اس کو ہر دور میں دیکھ سکیں۔

جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کہ ہر نبی کو ایک ایسی چیز دی گئی کہ اسی کی مثل انسان اس پر ایمان لے آئے اور صرف مجھے جو چیز دی گئی ہے وہ وحی (قرآن مجید) ہے جو اللہ تعالی نے مجھ پر نازل فرمایا ہے لہٰذا مجھے امید ہے کہ میرے پیروکار اور امتی سب نبیوں کے پیروکاروں سے زیادہ ہونگے۔ (بخاری شریف....)

کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات ان کے زمانہ کے ختم ہونے کے ساتھ ہی ختم ہو گئے اس لئے ان کے معجزات کا صرف انہی لوگوں نے مشاہدہ کیا جو اس زمانہ میں موجود تھے اور قرآن مجید کا معجزہ قیامت تک کے لئے کافی ہے۔ قرآن کریم اپنے اسلوب بیان فصاحت و بلاغت اور غیب کی خبروں کے بارے میں خرق عادت اور شان اعجاز کے ساتھ متصف ہے کوئی زمانہ اور دور ایسا نہیں گزرے گا کہ اس میں قرآن حکیم کی کوئی پیش گوئی ظاہر ہو کر اس کے دعوے کی صحت پر دلالت نہ کرے اور ایک قول اس سلسلہ میں یہ بھی ہے کہ گزشتہ زمانہ کے

واضح معجزات حسی اور آنکھوں سے نظر آنے والے تھے جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی اور حضرت موسی علیہ السلام کا عصا وغیرہ۔ اور قرآن حکیم کا معجزہ عقل و ادراک کے ذریعہ مشاہدہ میں آتا ہے اس لئے اس پر ایمان رکھنے والے بہ کثرت لوگ ہونگے کیونکہ جو چیز چشم سر سے دیکھی جائے وہ اس مشاہدہ کرنے والے کے فنا ہونے کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے اور جو چیز نظر عقل سے دیکھی اور مشاہدہ کی جائے وہ باقی رہنے والی ہوتی ہے۔ اور اس کو ہر آنے والا شخص یکے بعد دیگر اپنے دور میں مشاہدہ کرتا رہتا ہے۔

ارباب عقل کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ کہ قرآن مجید معجزہ ہے اس کے چیلنج اور دعوت مقابلہ کے باوجود کسی میں سکت نہیں کہ اس کا معارضہ کر سکے۔

اور جس وقت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید اہل عرب کے سامنے پیش کیا اور وہ ایسا دور تھا کہ اہل عرب فصاحت و بلاغت کی بلندیوں کو چھو رہے تھے۔ میدان خطابت میں اپنی آپ مثال تھے قرآن نے جب ان فصحاء عرب اور شعلہ بیان مقرروں کو تحدی کی اور مقابلہ کا چیلنج کیا ان سے کہا قرآن کی مثل لاؤ اگر تم اپنے دعوی فصاحت و بلاغت میں سچے ہو اور سالہا سال تک انہیں مہلت بھی دیئے رکھی مگر عرب کے فصحاء سے ہرگز مقابلہ نہ ہو سکا اور وہ اس کی مثل نہ لا سکے۔ چنانچہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا۔

"فلیاتوا بحدیث مثلہ ان کانوا صادقین"

اور اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم الہی اہل عرب سے قرآن مجید کی دس سورتوں کی مثل پیش کرنے کا چیلنج فرمایا جس کی بابت اللہ تعالی کا ارشاد ہے "ام یقولون افتراہ قل فاتوا بعشر سور مثلہ وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صدقین لم یستجیبوا لکم فاعلموا انما انزل بعلم اللہ " (ھود 13) کیا یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اسے جی سے بنا لیا تم فرماؤ کہ تم ایسی بنائی ہوئی دس سورتیں لے آؤ اور اللہ کے سوا جو مل سکے سب کو بلاؤ اگر تم سچے ہو اور پھر ان

کو ایک ہی سورت بنا لانے کی دعوت دی جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

"ام یقولون افتراہ قل فاتوا بسورۃ مثلہ "(الآیہ) اور اس کے بعد اسی تحدی اور چیلنج کو مکرر ذکر کیا ارشاد خداوندی ہے۔

"وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورہ من مثلہ "(البقرہ 23) اور اگر تمہیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے خاص بندے پر اتارا تو اس جیسی ایک سورت تو لے آؤ مگر جب وہ اس کے معارضہ سے عاجز ہو گئے اور اس کی مثل لانے پر انہیں قدرت نہ ہوئی اور ان خطیبوں اور بلغاء کی کثرت کچھ بھی کام نہ آسکی تو اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ تمام اہل عرب قرآن کی مثل پیش کرنے سے عاجز ہو گئے ہیں اور اس طرح قرآن پاک کا معجزہ پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

"قل لئن اجتمعت الانس والجن عل ان یاتوا بمثل ھذالقر آن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا "(بنی اسرائیل 88) ترجمہ:۔ تم فرماؤ اگر آدمی اور جن سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مانند لے آئیں تو اس کا مثل نہ لا سکیں اگرچہ ان میں سے ایک دوسرے کا مددگار ہو سوچنے کا مقام ہے کہ اہل عرب جو بڑے فصیح اللسان زبان آور تھے اور پھر یہ کہ انہیں ہر وقت یہ بات کھائے جا رہی تھی کہ کسی طرح اپنی پھونکوں سے چراغ مصطفوی کو بجھا دیں اور دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو چلنے نہ دیں اس کا کام تمام کر دیں اگر ان کے بس میں ہوتا تو ضرور قرآن کا معارضہ کرتے اور اس کے چیلنج کا توڑ پیش کرتے جبکہ صورت حال یہ ہے کہ مشرکین کے بارے میں ایسی کوئی بات منقول نہیں ہے کہ ان میں کسی کے دل میں قرآن کے معارضہ کا خیال تک آیا ہو یا اس نے چیز کا ارادہ بھی کیا ہو بلکہ اس کے برعکس ہوا یہ کہ جب ان سے کوئی مقابلہ کی صورت بن نہ پائی تو عناد و دشمنی اور رکیک حرکتوں پر اتر آئے کبھی قرآنی آیات کا تمسخر اڑاتے اور کبھی جادو بتاتے اور کبھی کہتے یہ شاعری ہے اور کبھی اگلوں کی داستانوں کا مجموعہ گردانتے غرضیکہ ورطہ حیرت میں ڈوبے بوکھلاہٹ کے عالم میں بھانت بھانت کی بولی بولتے جو ان کی لاچاری و

بے بسی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

ولید بن مغیرہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سن کر آیا اور اس کی قوم نے اس سے مطالبہ کیا کہ وہ قرآن کے بارے میں کوئی ایسا کلمہ کہے جس سے معلوم ہو کہ وہ اس کو پسند نہیں کرتا تو ولید نے کہا۔ میں کیا کہوں؟ اللہ کی قسم تمہیں معلوم ہے کہ تم لوگوں میں مجھ سے بڑھ کر کوئی شخص شعر، رجز اور قصیدہ کا عالم نہیں ہے بخدا جو بات وہ کہتا ہے ان میں سے کسی کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتی اور اللہ کی قسم! محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو بات کہتے ہیں ان کی بات میں لطافت و شیرینی ہے اس کا بالائی حصہ ثمردار اور اس کا زیریں حصہ شکر بار اور یقیناً" ان کے کلام کو غلبہ حاصل ہو گا اور یہ کبھی مغلوب نہ ہو سکے گا اور بے شک یہ اپنے سے کمتر تمام کلام مٹا کر رکھ دے گا اور اسی کا سکہ جمے گا۔

فصل:۔ قرآن میں کس وجہ سے اعجاز پایا جاتا ہے

امام فخرالدین رازی فرماتے ہیں کہ

"قرآن حکیم کے اعجاز کی وجہ اس کی فصاحت، اسلوب بیان کی ندرت اور اس کا تمام عیوب کلام سے صحیح و سلامت ہونا ہے"

علامہ زملکانی کا قول ہے کہ

" قرآن حکیم کے اعجاز کی وجہ اس کا ایک خاص ترتیب و تالیف پر ہونا ہے نہ کہ مطلق ترتیب و تالیف اور خاص تالیف و ترتیب یہ ہے کہ اس کے مفردات، ترکیب اور روزن کے اعتبار سے موزوں مناسب معتدل اور مساوی ہوں اور اس کے مرکبات معنوی اعتبار سے بلند ترین درجہ اور مرتبہ کے ہوں

ابن عطیہ بیان کرتے ہیں۔

"کہ وہ صحیح بات جو ماہر علماء اور جمہور کا موقف ہے قرآن کے وجہ اعجاز کی نسبت یہ ہے کہ قرآن اپنے نظم عبارت، صحت معانی اور فصاحت الفاظ کی روانی و سلاست کی وجہ سے معجز ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر شئی کا احاطہ کرتا ہے ایسے ہی

اللہ تعالیٰ کا علم کلام کے بھی تمام محاسن اور خوبیوں کو محیط ہے۔ لہٰذا جس وقت قرآن کا کوئی لفظ اللہ تعالیٰ نے مرتب فرمایا تو اپنے وسیع و محیط علم سے اس بات کو بھی معلوم فرما لیا کہ کون سا لفظ پہلے لفظ کے بعد آنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور کون سا معنی دوسرے معنی کے بعد بیان و وضاحت کے لے مناسب رہے گا اور پھر اسی طرح اول سے آخر تک قرآن پاک کی ترتیب ہوئی ہے

اور انسان عموماً" جہل ' نسیان اور ذھول کا شکار ہوتا ہے اور یہ بھی بدیہی طور پر معلوم ہے کہ کوئی بندہ بشر اس طرح کلام پر ہمہ گیر دسترس نہیں رکھ سکتا اس لئے قرآن کا نظم فصاحت کے بلند ترین مرتبہ میں ہوا ہے اور اسی دلیل سے ان لوگوں کا قول بھی باطل ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ اہل عرب قرآن پاک کا مثل لانے پر قادر تھے مگر انہوں نے اس سے صرف نظر کرلی حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ قرآن کا مثل پیش کرنا ہرگز کسی کے بس میں نہیں ہے اس لئے تم نے دیکھا ہو گا کہ ایک فصیح و بلیغ قادر الکلام شخص سال بھر اپنے قصیدہ یا خطبہ و لکچر کی درستی اور کانٹ چھانٹ کرنے کے بعد بھی جب کبھی دوبارہ اس پر نظرثانی کا موقع پاتا ہے تو اب بھی اس میں مزید تنقیح اور اصلاح و تہذیب کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ سلسلہ یونہی جاری رہتا ہے۔

اور کتاب اللہ کی شان یہ ہے کہ اگر اس میں سے کوئی لفظ نکال دیا جائے پھر پوری لغت عرب کو چھان ماریں کہ اس سے اچھا کوئی لفظ ہاتھ آجائے تو ہرگز تلاش بسیار کے بعد بھی نہیں مل سکے گا بلکہ اس جیسا لفظ بھی دستیاب نہیں ہو گا جو اس کی جگہ رکھ سکیں اور ہم پر قرآن کے اکثر حصہ کی براعت واضح ہو جاتی ہے مگر بعض مواقع پر مخفی بھی رہتی ہے اور اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ ہم اہل عرب سے ذوق سلیم اور طبیعت کی عمدگی میں بدرجہا کم ہیں۔

قرآن عظیم کے ذریعہ دنیائے عرب پر اس لئے حجت قائم ہوئی کہ وہ ارباب فصاحت تھے اور ان کی طرف سے معارضہ و مقابلہ کا شبہ کیا جا سکتا تھا اور ایسے ہی ہوا جس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جادو گروں پر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا

طبیبوں پر معجزہ کے ذریعہ حجت قائم کرنا ہے کیونکہ اللہ تعالی عام طور انبیاء علیہم السلام کے معجزات کو ان کے زمانہ کا بہترین امر قرار دیتا ہے موسی علیہ السلام کے عہد میں سحرو جادو درجہ کمال کو پہنچا ہوا تھا اور عیسی علیہ السلام کے دور میں فن طب اپنے عروج پر تھا لہذا ان کے معجزات کا اس طرح اظہار کیا گیا کہ انہوں نے سحر اور طب کو نیچا دکھایا اور اسی طرح حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں فصاحت اپنے کمال پر تھی چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وہ معجزہ دکھایا جس سے تمام فصحائے عرب کا غرور نخوت ختم ہو گیا

تیرے آگے یوں ہیں دبے لچے فصحاء عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منہ میں زبان نہیں نہیں بلکہ جسم میں جان نہیں

تنبیہات

اول:۔ اس بات پر اتفاق ہو جانے کے بعد کہ قرآن پاک کا مرتبہ بلاغت میں نہایت اونچا ہے اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا فصاحت میں بھی اس کا درجہ اسی طرح یکساں ہے یا کوئی تفاوت ہے؟ مثلاً" یہ کہ ترکیب کلام میں کوئی ترکیب ایسی نہ ملتی ہو کہ اس خاص معنی کا فائدہ دینے میں قرآن سے بڑھ کر متناسب اور معتدل ہو؟ یا ایسا نہیں؟ بلکہ اس کے مراتب میں فرق اور تفاوت ہے؟ قاضی نے منع کو پسند کیا ہے یعنی تفاوت کا انکار کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ قرآن پاک میں یہ کلمہ فصاحت کے اعلیٰ ترین درجہ پر فائز ہے اگرچہ بعض لوگ اس کے بارے میں دوسروں کی نسبت زیادہ اچھا ہونے کا خیال کرتے ہیں۔

ابو نصر قشیری اور دیگر علماء کا مختار یہ ہے کہ قرآن میں فصاحت کے اعتبار سے فرق مراتب موجود رہے موجود چنانچہ قرآن میں افصح اور فصیح دونوں درجہ کے کلام ہیں۔

دوم:۔ قرآن مجید کی شعر موزون سے تنزیہہ کی حکمت یہ بیان کی جاتی ہے کہ باوجودیکہ موزون کلام کا رتبہ دوسرے کلاموں کے رتبہ سے بلند و بالا ہوتا ہے لیکن چونکہ قرآن سچائی کا معیار اور حق کا سرچشمہ ہے اور شاعر کا منتہائے فکر یہ ہے کہ وہ حق کی صورت میں اپنے تخیل کے زور پر باطل کی تصویر کھینچ دے اور وہ اثبات صدق اور اظہار حق کے بجائے مذمت اور ایذاء رسانی کے لئے مبالغہ آرائی سے کام لیتا ہے (جیسا کہ شاعر کہتا ہے

ہوں وہ نحیف کہ ہوا چشم مور میں مدفون
کتنا فراخ ملا گوشہ مزار مجھے

شعر کا معاملہ کچھ ایسا ہی ہے کہ "اکذب اوست احسن اوست"

ترجمہ:۔ اسی لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے پاک رکھا اور اسی وجہ سے کہ شعر کی شہرت کذب کے ساتھ ہوتی ہے۔ مناطقہ نے ان

قیاسات کو جو اکثر حالتوں میں جھوٹ اور بطلان کی طرف پہنچانے والے ہوتے ہیں"
قیاسات شعریہ" کے نام سے موسوم کیا ہے
کسی دانا کا قول ہے
"کوئی دیندار اور سچائی کا علمبردار شخص اپنے اشعار میں مبالغہ آرائی اور رنگینی
پیدا کرنے والا نظر نہیں آیا ہے"

قرآن مجید میں مستنبط علوم

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "مافرطنا فی الکتاب من شئی" (سورہ الانعام آیت 38)

ترجمہ:۔ ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھا نہ رکھا

اوراسی طرح فرمایا "ونزلنا علیک الکتاب تبیانا" لکل شئی "(النحل آیت 89)

ترجمہ:۔ اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ستکون فتن" عنقریب فتنوں کا دور آنے والا ہے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا یارسول اللہ اس سے بچنے کا ذریعہ کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ کتاب اللہ کہ اس میں ماضی، مستقبل اور حال کی خبریں اور تمہارے لئے ہر چیز کا حکم موجود ہے اس حدیث کی تخریج امام ترمذی اور دیگر محدثین نے کی ہے۔

سعید بن منصور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا جس شخص کا ارادہ ہو کہ علم حاصل کرے پس وہ قرآن کو لازم پکڑ لے کیونکہ اس میں اولین اور آخرین کی خبریں ہیں امام بیہقی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "علم" سے اس کے اصول کا ارادہ کیا ہے

امام بیہقی رحمتہ اللہ حسن رحمتہ اللہ علیہ سے روایت کرتے انہوں نے فرمایا کہ

اللہ تعالیٰ نے ایک سو چار کتابیں نازل فرمائی ہیں اوران میں سے چار کتابوں میں سب کا علم ودیعت فرمایا ہے۔ وہ چار کتابیں تورات، انجیل، زبور اور فرقان ہیں۔ اور پھر تورات، انجیل، زبور کا علم قرآن پاک میں ودیعت فرما دیا ہے

امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

علماء امت کے تمام اقوال حدیث کی شرح ہیں اور تمام احادیث قرآن پاک کی شرح ہیں نیز فرماتے ہیں "وہ تمام باتیں جن کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے وہ قرآن ہی کا مفہوم ہے امام شافعی کے اس قول کی تائید حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث مبارک سے ہوتی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا کہ "میں صرف انہی چیزوں کو حلال بتاتا ہوں جو اللہ تعالی نے حلال قرار دی ہیں اور انہی چیزوں کے بارے میں حرام کا حکم دیتا ہوں جن کو اللہ تعالی حرام فرمایا ہے"

اس حدیث کو امام شافعی نے "کتاب الام" میں روایت کیا ہے۔

سعید بن جبیر رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں

"مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو بھی حدیث پہنچی ہے میں نے اس کا مصداق اللہ کی کتاب قرآن میں پایا ہے۔"

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا" میں جب تم سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسم کی حدیث بیان کرتا ہوں تو اس کی تصدیق قرآن سے کرا دیتا ہوں یہ حدیث ابن ابی حاتم نے روایت کی ہے۔

امام شافعی کا یہ بھی قول ہے کہ "دین کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس کا ثبوت اور اس کی دلیل قرآن پاک میں نہ پائی جاتی ہو بلکہ ہر مسئلہ کی رہنمائی قرآن سے ہوتی ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بعض احکام شریعت ایسے بھی ہں جو ابتداء سنت سے ثابت ہیں تو پھر ایسے کیوں ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ درحقیقت وہ احکام بھی کتاب ہی سے ماخوذ ہیں کیونکہ قرآن پاک نے ہم پر رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کو فرض کیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات پر عمل کرنا ہم پر فرض قرار دیا ہے۔

امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں یہ بات کہی کہ "تم لوگ جو بھی بات پوچھو میں اس کا جواب قرآن مجید سے تمہیں دونگا!

اس پر لوگوں نے سوال کیا" آپ اس محرم (احرام باندھنے والے) کی بابت کیا کہتے ہیں جو حالت احرام میں زنبور (بھڑ) کو مار ڈالے؟

امام شافعی نے فرمایا

"بسم اللہ الرحمن الرحیم وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا

(حشر 7)

ترجمہ:۔ اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔ اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو اور اپنی پوری سند کے ساتھ حدیث بیان کی کہ حضرت حذیفہ بن الیمان نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر"

اور پھر انہوں نے ایک پوری سند کے ساتھ سفیان کے واسطہ سے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت بیان کی کہ انہوں نے محرم کو زنبور (بھڑ) کے مار ڈالنے کا حکم دیا امام بخاری رحمتہ اللہ الباری نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا

" اللہ تعالی نے ان گودنے والیوں' بال اکھڑوانے والیوں' دانتوں کے درمیان شگاف ڈالنے والیوں

جو کہ خدا کی خلقت کو بدلتی ہیں پر لعنت کرے یہ بات قبیلہ بنی اسد کی ایک عورت کو پہنچی اس نے آکر حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے کہا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ ایسی ایسی عورت پر لعنت بھیجتے ہیں ابن مسعود فرمانے لگے جن پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی ہو مجھے کیا ہے کہ میں ان پر لعنت نہ بھیجوں اور یہ بات قرآن پاک میں ہے اس عورت نے کہا میں نے تو قرآن پاک پورا پڑھا ہے اس میں کہیں یہ بات نہیں پائی جس کو آپ بیان کرتے ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا اگر تو نے قرآن کو پڑھا ہوتا تو ضرور اس میں یہ بات پاتی کیا تو نے یہ نہیں پڑھا ہے"وما اتکم الرسول فخذوہ ومانھا کم عنہ فانتھوا"(حشر 7) اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو اس عورت نے کہا ہاں اس کو بے شک پڑھا ہے ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی اس بات سے منع فرمایا ہے

ابن سراقہ نے "کتاب الاعجاز" میں ابوبکر بن مجاہد سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ کہا "دنیا میں کوئی شئی ایسی نہیں ہے جس کا ذکر قرآن میں نہ ہو" لوگوں نے ان سے کہا قرآن میں خیانتوں کا ذکر کہاں ہے؟ تو انہوں نے کہا "اللہ تعالی کے اس قول میں "لیس علیکم جناح ان تدخلوا بیوتا" غیر مسکونة فیھا متاع لکم" (النور آیت 29) اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ ان گھروں میں جاؤ جو خاص کسی کی سکونت کے نہیں اوران کے برتنے کا تمہیں اختیار ہے اور یہی خیانتیں ہیں۔

ابن برہان کا بیان ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے وہ بعینہ یا اس کی اصل قریب بعید قرآن میں موجود ہے جس نے سمجھ لیا سمجھ لیا جو اندھا رہا وہ اندھا رہا ایسے ہی ہر حکم اور فیصلہ جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صادر اور نافذ فرمایا وہ قرآن سے باہر نہیں ہے۔

البتہ یہ بات ضرور ہے کہ ہر طالب قرآن اپنے اجتہاد اور فہم کے مطابق جتنی کوشش اور ہمت صرف کرے گا اسی قدر قرآن کے مفاہیم و مطالب کو پالے گا ایک اور عالم فرماتے ہیں "اللہ تعالی نے جس شخص کو فہم و فراست کی دولت عطا فرمائی ہو اس کے لئے کوئی چیز ایسی نہیں جس کا استخراج قرآن سے ممکن نہ ہو وہ ہر شئی کو قرآن پاک سے معلوم کرسکتا ہے حتی کہ ایک عالم نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک تریسٹھ برس قرآن سے مستنبط کی ہے وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالی نے سورہ المنافقین میں فرمایا ہے "ولن یوخر اللّٰہ نفسا" اذا جاء ھا اجلھا" اور یہ سورت تریسٹھویں سورت ہے پھر اس کے بعد اللہ تعالی نے سورہ التغابن کو رکھا ہے جو اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے دنیا میں نقصان عظیم ظاہر ہو گا۔

ابن ابی الفضل المرسی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

"قرآن پاک اولین اور آخرین کے علوم کا جامع ہے مگر اس کے تمام علوم کا احاطہ کرلینا حقیقی طور پر اللہ تعالی ہی کی شان کے لائق ہے اس کے بعد اللہ کے رسول صلی

اللہ علیہ وسلم وہ بھی ماسوا ان امور کے جن کا علم اللہ تعالی نے اپنے لئے مخصوص رکھا ہے اور اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم قرآن کی میراث سادات صحابہ کرام علیہم اجمعین کو پہنچی جسے خلفائے اربعہ حضرت ابن مسعود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھم اجمعین یہاں تک کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما تو فرماتے ہیں کہ

"اگر میرے اونٹ باندھنے کی رسی بھی گم ہو جائے تو میں اس کو بھی قرآن پاک میں پاتا ہوں۔

ازاں بعد صحابہ سے تابعین نے علوم قرآن کی میراث پائی اور اس کے بعد سے پھر ہمتیں پست ہو گئیں۔ عزائم ٹھنڈے پڑ گئے اور علماء کی حالت پتلی ہو گئی ان لوگوں نے صحابہ کرام اور تابعین کی طرح قرآن پاک کے علوم و فنون کا حامل بننے میں کمزوری دکھائی اور بعد کے علماء نے علوم کو کئی انواع میں تقسیم کر لیا اور ہر ایک گروہ کسی ایک فن کو سیکھنے سکھانے کی طرف متوجہ ہو گیا ایک جماعت نے لغات القرآن کے ضبط کرنے اس کے کلمات کی تحریر اس کے حروف کے مخارج اور تعداد کلمات آیات سورتوں، احزاب، انصاف اور ارباع اور اس کے سجدوں کی تعداد اور ہر دس آیات تک تعلیم دینے کے اصول و ضوابط وغیرہ محض اس کے مشابہ کلمات کے شمار اور آیات متماثلات کی گنتی و شمار پر اکتفاء کیا اور قرآن کے معانی سے تعرض ہی نہ کیا اور نہ ہی ان مضمرات میں تدبر کیا جو قرآن میں ودیعت کئے گئے ہیں۔ ان لوگوں کو "قراء" کے نام سے موسوم کیا گیا۔

علماء نحو نے معرب، مبنی اسماء و افعال اور حروف عاملہ وغیرہ کے بیان پر اپنی توجہ مبذول رکھی اور اسماء اور ان کے توابع افعال کی اقسام لازم و متعدی اور کلمات کے رسم الخط اور انہی کے متعلق تمام امور کی نہایت شرح و بسط کے ساتھ تحقیق کی یہاں تک بعض نحویوں نے مشکلات قرآن کے اعراب کو بتایا اور بعض نحویوں نے ایک ایک کلمہ کا اعراب الگ الگ بیان کیا

مفسرین کی صرف الفاظ قرآن پر زیادہ توجہ رہی اور جب انہوں نے دیکھا کہ کوئی لفظ صرف ایک ہی معنی پر دلالت کرتا ہے اور کوئی دو معنوں پر اور کسی لفظ کی دلالت دو سے زیادہ معانی پر ہے تو انہوں نے پہلے لفظ کو اسی کے حکم پر جاری رکھا اور اس میں سے خفی لفظ کے معنی واضح کئے اور دو یا زیادہ معانی کا احتمال رکھنے والے لفظ میں متعدد احتمالات میں سے کسی ایک معنی کو ترجیح دینے کے لئے غور و فکر کیا اور ہر شخص نے اپنی اپنی فکر کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنے نظریہ کے تقاضا کے مطابق بات کہی۔

علمائے اصول نے قرآن مجید میں پائے جانے والے اصولی اور نظریاتی شواہد اور عقلی دلائل پر توجہ مبذول کی مثلاً" قول باری تعالی جل شانہ "لو کان فیھما الھة الا اللہ لفسدتا" (الانبیاء 22) اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا اور خدا ہوتے تو ضرور وہ تباہ ہو جاتے اور اس ایسی آیات کثیرہ میں غور و فکر کر کے ان سے اللہ تعالی کی توحید اس کے وجود بقاء، قدم، قدرت اور علم پر دلائل و براہین کا استنباط کیا اور نئی نئی دلیلیں پیش کیں اور جو باتیں اللہ سبحانہ تعالی کی شان کے لائق نہ تھیں ان سے اس کی تنزیہہ اور پاکی کو بیان کیا اور اس علم کا نام "علم اصول دین" رکھا۔

ایک جماعت نے خطاب قرآن کے معانی میں غور و فکر کیا اور دیکھا کہ ان میں سے بعض خطابات عموم کے اور بعض خصوص کے مقتضی ہیں اور اسی طرح کی دیگر باتیں معلوم کیں ایک طبقہ نے لغت کے احکام از قسم حقیقت و مجاز اس سے مستنبط کئے اور تخصیص، اخبار، نص، ظاہر مجمل، محکم، متشابہ، امر، نہی نسخ اور اسی طرح دیگر امور انواع قیاسات، استصحاب حال اور استقراء کی انواع پر کلام کیا اور اس فن کا نام "اصول فقہ" رکھا۔

○ اور ایک جماعت نے قرآن کے حلال و حرام اور ان تمام احکام پر جو اس میں موجود ہیں محکم طریقہ سے نظر صحیح اور فکر صادق سے کام لیا اور انہوں نے ان احکام کے اصول و فروع کی داغ بیل ڈالی اور نہایت خوبصورت طریقے سے جامع بحث کی اور اس کا نام علم الفروع رکھا اس کو "علم الفقہ" کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

○ ایک جماعت کا نصب العین قرآن مجید میں پائے جانے والے گزشتہ صدیوں اور سابقہ امتوں کے قصص اور واقعات بیان کرنا رہا ہے چنانچہ انہوں نے سابقہ امتوں کے تاریخی واقعات نقل کئے اور ان کے آثار اور کارناموں کو مدون کیا یہاں تک کہ دنیا کی ابتداء اور تمام اشیاء کے آغاز آفرینش کا ذکر کیا اور اس فن کا نام تاریخ اور قصص رکھا

○ اور ایک جماعت نے قرآن مجید کی حکمتوں تمثیلوں اور مواعظ پر متنبہ کیا جو کہ بڑے بڑے مردان کار کے دلوں کو لرزا دینے اور پہاڑوں کو پاش پاش کر دینے والے ہیں۔

پس انہوں نے اس میں سے وعد وعید تحذیر اور تبشیر' موت اور آخرت کی یاد' حشر و نشر' حساب و عقاب' جنت اور دوزخ وغیرہ کے واقعات اخذ کئے مواعظ کو فصول کے انداز میں مرتب کیا زجروتوبیخ کے اصول منضبط کئے اور یہ کام سرانجام دینے والی جماعت واعظین اور خطباء کے نام سے موسوم ہوئی۔

○ ایک گروہ نے قرآن حکیم سے "تعبیر الرویا" کے اصول مستنبط کئے اور اس سلسلہ میں سورہ یوسف میں سات فربہ گایوں کو خواب میں دیکھنے کا قصہ' جیل کے دو قیدیوں کا خواب' اور خود حضرت یوسف علیہ السلام کا سورج' چاند اور ستاروں کو خواب میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھنا اور اس طرح کے بیانات کو مشعل راہ بنا کر قرآن مجید سے ہر قسم کے خوابوں کی تعبیر کے قواعد بنائے اور اگر ان پر قرآن سے کسی خواب کی تعبیر دشوار ہوئی تو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روشنی حاصل کی کیونکہ حدیث مبارک قرآن پاک کی شارح ہے پھر حدیث شریف سے بھی کسی خواب کی تعبیر نکالنے میں مشکل پیش آئی تو امثال و حکم کو مرجع بنایا پھر عرف عام اور لوگوں کے محاورات اور عادات و اطوار کا بھی لحاظ رکھا کیونکہ لوگوں کے راہ و رسم اور ان کے عرف و رواج سے رہنمائی لینے کی طرف خود قرآن میں ارشارہ ملتا ہے ارشاد خداوندی ہے

" وامر بالعرف "(اعراف 199) اور بھلائی کا حکم دو

بعض لوگوں نے آیت میراث میں شہام یعنی حصص اور حصہ داروں اور مستحقین کا ذکر دیکھ کر اس سے "علم الفرائض" وضع کیا اور قرآن پاک میں نصف' ثلث ربع' سدس

اور ثمن وغیرہ کے بیان سے فرائض کا حساب اور عول کے مسائل نکالے پھر اسی آیت میں وصایا کے احکام کا استخراج کیا

○ ایک طبقہ نے قرآن حکیم کی ان روشن آیتوں میں فکرو نظر سے کام لیا جن میں رات، دن، چاند، سورج منازل مہر و ماہ نجوم اور بروج کی اعلی حکمتوں پر دلالت موجود ہے اور ان سے "علم المواقیت" کا فن وضع کیا

○ ادیبوں اور شاعروں نے لفظ کی جزالت و عمدگی، نظم کا بدیع اور اچھوتا پن، حسن سیاق مبادی، مقاطع، مخالص، خطاب کی رنگینی اور تنوع، اطناب، ایجاز، وغیرہ امور کو پیش نظر رکھ کر اس سے علم بلاغت (معانی، بیان بدیع) کی بنیاد ڈالی

○ ارباب اشارات اور اصحاب حقیقت (صوفیاء کرام) نے قرآن میں نظر کی تو ان پر اس کے الفاظ سے بہت کچھ معانی اور باریکیاں منکشف ہوئیں چنانچہ ان حضرات نے اپنی مخصوص اصطلاحات وضع کر کے ان معانی کو خاص ناموں مثلاً" فناء، بقا، حضور، خوف، ہیبت، انس، وحشت اور قبض و بسط وغیرہ ناموں سے موسوم کیا۔

○ غرض مذکورہ بالا علوم و فنون تو وہ ہیں جو ملت اسلامیہ کے علماء نے اخذ کئے اور ان کے علاوہ بھی قرآن کریم بے شمار علوم پر حاوی ہے۔

حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ اور دوسرے علماء کرام کا بیان ہے کہ "قرآن مجید کی آیتیں پانچ سو ہیں اور بعض کے نزدیک ایسی آیات صرف ایک سو پچاس ہیں ممکن ہے ان کی مراد ان ہی آیات سے ہو جن میں احکام کی تصریح کر دی گئی ہے کیونکہ قصص اور امثال وغیرہ کی آیات سے بھی تو بکثرت احکام مستنبط ہوتے ہیں۔

شیخ عزالدین بن عبدالسلام کتاب "الامام فی ادلۃ الاحکام" میں لکھتے ہیں۔ قرآن پاک کی بیشتر آیات اس طرح کے احکام سے خالی نہیں جو آداب حسنہ اور اخلاق جمیلہ پر مشتمل ہوں۔

انہی کا بیان ہے کہ کبھی احکام پر صیغہ (امر) کے ساتھ استدلال کیا جاتا ہے اور یہ ظاہر صورت ہے اور بسا اوقات اخبار کے ساتھ جیسے" احل لکم حرمت علیکم

"علیکم المیتۃ۔۔ کتب علیکم الصیام" اور کبھی اس چیز کے ساتھ احکام پر استدلال ہوتا ہے جس پر دنیا یا آخرت میں فوراً" یا آئندہ اچھا یا برا اور نفع یا نقصان کا نتیجہ مرتب ہو۔

اور شارع علیہ السلام نے اس کی متعدد انواع قرار دی ہیں تاکہ بندگان خدا کو تعمیل احکام کی ترغیب و شوق دلایا جاسکتے اور خوف دلا کر پابند احکام کیا جاسکے اور مختلف طریقوں سے حکم کو بیان کر کے اسے ان کے فہم و ادراک کے قریب تر کر دیا جائے۔

چنانچہ ہر ایسا کام کہ شرع نے اس کے کرنے والے کی مدح کی اور اس کی عظمت بیان کی ہے۔

○ یا اس فعل یا اس کے فاعل کو پسند فرمایا ہے یا اس فعل پر اپنی رضا و خوشنودی کا اظہار فرمایا ہے اور اس کے کرنے والے کو محبوب و پسندیدہ قرار دیا ہے یا اس کے کرنے والے کو برکت' اچھائی و عمدگی اور استقامت کے وصف سے موصوف گردانا ہے یا اس فعل کی یا فاعل کی قسم یاد فرمائی ہے جیسے شفع وتر اور مجاہدین کے گھوڑوں اور نفس لوامہ کے قسم ذکر کی ہے

○ یا اس کو اس امر کا سبب قرار دیا ہے کہ اللہ تعالی اس کے فاعل کو یاد کیا کرتا ہے یا اس سے محبت رکھتا ہے

○ یا اسے جلدی (دنیا میں) یا آئندہ (آخرت میں) ثواب دیتا ہے یا بندہ کو اللہ تعالی کی شکر گزاری کرنے یا اللہ تعالی بندہ کو ہدایت فرمانے یا اللہ تعالی کے اس فعل کرنے والے کو راضی کرنے یا اس کے گناہوں کو معاف کرنے اور اس کی برائیوں کا کفارہ دینے کا وسیلہ قرار دیا ہے۔

○ یا یہ اس نے وہ فعل قبول فرمایا ہے یا یہ کہ اللہ تعالی نے اس فعل کے کرنے والے کی مدد و نصرت فرمائی ہے یا اس کو کوئی بشارت دی ہے یا اس کے فاعل کو کسی خوبی کے ساتھ موصوف کیا ہے یا فعل ہی کا معروف وصف ذکر کیا ہے۔

○ یا اس کے فاعل سے حزن اور خوف کی نفی کر دی ہے۔

○ یا اس کو امن دینے کا وعدہ فرمایا ہے یا اس کو فاعل کی ولایت کا سبب قرار دیا ہے یا اس بات کی خبر دی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شئی کے حصول کی دعا فرمائی ہے یا اس چیز کا وصف اس طرح سے ذکر کیا ہے کہ اس کو اس کو باعث قربت و ثواب بتایا ہے۔

○ یا اس کو صفت مدح کے ساتھ موصوف کیا ہے جیسے حیات' نور اور شفاء اور یہ امور اس فعل کی ایسی مشروعیت کی دلیل ہیں جو کہ واجب اور مندوب ہونے کے درمیان مشترک ہے۔

اور ہر ایسا فعل کہ شارع نے اس کے ترک کرنے کا حکم دیا ہو۔ یا اس فعل یا فاعل کی مذمت کی ہو۔۔ یا اس کے فاعل پر خفگی کا اظہار کیا ہو یا اس کے کرنے والے پر لعنت کی ہو۔۔ یا اس فعل اور اس کے فاعل سے راضی ہونے اور اس سے محبت کی نفی فرمائی ہو۔۔ یا اس کام کے کرنے کو بہائم اور شیطان ایسا کہا ہو۔۔ یا اس فعل کو ہدایت پانے اور مقبولیت حاصل کرنے سے رکاوٹ قرار دیا ہو۔۔۔ یا اس کا وصف کسی برائی اور ناپسندیدگی کے ساتھ فرمایا ہو۔۔ یا انبیاء کرام علیہم السلام نے اس فعل سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی ہو۔۔ یا اس فعل پر غصہ کا اظہار کیا ہو یا اس فعل کو فلاح و کامرانی کی نفی کا سبب قرار دیا ہو۔۔۔ یاس کسی جلد یا دیر میں آنے والے عذاب کا موجب بتایا ہو۔۔۔ یا کسی مذمت' ملامت' گمراہی یا معصیت کا سبب بتایا گیا ہو۔۔۔ یا اس فعل کی صفت خبث' رجس یا نجس بیان کی گئی ہو یا اس کو فسق یا اثم ہونے کے ساتھ موصوف کیا ہو یا کسی گناہ 'ناپاکی' لعن' غضب' زوال نعمت نزول عذاب کا سبب بتایا گیا ہو۔۔۔ یا وہ فعل کسی سزا پانے' سنگدلی' رسوائی' ذلت نفس کا سبب قرار دیا ہو۔۔ یا اس فعل کو معاذ اللہ اللہ کی عداوت اس سے لڑائی استہزاء یا مسخری کرنے کا سبب بتایا گیا ہو یا اس کام کرنے سے اللہ تعالیٰ اس کو محروم کر کے چھوڑے یا خود اللہ تعالیٰ اپنی ذات کو اس کام پر رکنے یا برداشت کرنے یا درگزر کرنے کے وصف سے موصوف کیا ہو۔ یا اس فعل سے توبہ کرنے کی دعوت دی ہو۔۔ یا اس کام کے کرنے والے کو خبث

یا احتقار سے موصوف کیا ہو۔۔۔ یا اس کو شیطانی کام قرار دیا ہو یا۔۔۔ یہ فرمایا ہو کہ شیطان اس عمل کو کرنے والوں کی نگاہ میں آراستہ و مزین کر کے پیش کرتا ہے یا۔۔۔ یہ فرمایا کہ اس عمل کے کرنے والے کا شیطان دوست بن جاتا ہے۔ یا یہ کہ اللہ تعالی نے اس فعل کو کسی بری صفت کے ساتھ موصوف کیا ہو جیسے ظلم، سرکشی حد سے بڑھنا، گناہ، مرض کا باعث ہونا بیان کیا ہو۔۔۔ یا اس فعل یا اس کے فاعل سے انبیاء علیہم السلام نے برات کا اظہار فرمایا ہو۔۔۔ یا اللہ تعالی کے حضور اس فعل کے مرتکب کی شکایت کی ہو۔۔۔ یا اس کام کے کرنے والے سے عداوت کا اظہار کیا ہو۔۔۔ یا اس پر افسوس اور غم کرنے سے منع کیا ہو یا۔۔۔ اس فعل کو فاعل کے لئے جلد یا دیر سے ناکامی و نقصان کا سبب بتایا ہو۔۔۔ یا وہ فعل جنت اور اس کی نعمتوں سے محرومی کا موجب بنے۔ یا اس فعل کے حامل شخص کو اللہ تعالی کا دشمن کہا گیا ہو یا یہ کہ اللہ تعالی کو اس سے دشمنی رکھنے والا بتایا گیا ہو ---یا یہ بتایا گیا ہو کہ اس فعل کا کرنے والا اللہ تعالی اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے والا ہے۔۔۔ یا اس فعل کے فاعل نے غیر کا گناہ خود اٹھا لیا ہو --- یا اس فعل کے بارے میں کہا گیا ہو کہ یہ کام نہیں ہوتا ہے یا مناسب نہیں ہے۔۔۔ یا اس کام کا سوال کرتے وقت اس سے بچنے کا حکم دیا گیا ہو یا۔۔۔ اس کام کی ضد پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہو۔۔۔ یا اس کے فاعل سے بائیکاٹ کرنے کا حکم دیا گیا ہو۔۔۔ یا اس کام کے کرنے والوں نے آخرت (نتیجہ) میں ایک دوسرے پر لعنت کی ہو۔۔ یا انہوں نے باہم ایک دوسرے سے بیزاری کا اظہار کیا ہو۔۔۔ یا ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کے لئے بددعا کی ہو۔۔۔ یا اس کے فاعل کو ضلالت کے ساتھ موصوف کیا ہو۔۔۔ یا اس کے متعلق یہ کہا گیا ہو کہ یہ عمل اللہ، رسول اور صحابہ کے نزدیک کوئی شئی نہیں ہے۔۔۔ یا شارع علیہم السلا نے اس کام سے اجتناب کرنے کو فلاح و کامیابی کا ذریعہ قرار دیا ہو۔ یا اس کام کو مسلمانوں کے درمیان بغض و عداوت کے وقوع کا سبب بتایا گیا ہو۔۔۔ یا یہ کہا ہو کہ کیا تو اس کام کے کرنے سے باز رہنے والا ہے؟ یا انبیاء کرام علیہم السلام کو اس

کام کے کرنے والے کے حق میں دعا کرنے سے منع کر دیا گیا ہو۔۔۔ یا اس کام کے کرنے پر ابعاد (دور کرنا) یا طرد (دھتکارنا) کا ترتب ہوا ہو۔۔۔ یا اس فعل کے کرنے والے کے لئے (قاتلہ اللہ) خدا اس کو غارت کرے کے الفاظ وارد ہوئے ہوں۔

○ یا اس فعل کے فاعل کی نسبت یہ خبر دی گئی ہو کہ اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے دن کلام (رحمت کا کلام) نہیں فرمائے گا۔

○ اس کی طرف نظر (کرم) نہیں فرمائے گا۔ اور اس کا تزکیہ نہیں کریگا اور اس کے عمل درست نہیں کریگا' اس کا حیلہ چلنے نہیں دیگا۔۔۔ یا فلاح نہیں پائے گا یا۔۔۔ اس پر شیطان کو مسلط کرنے کی خبر دی گئی ہو۔۔۔ یا وہ فعل اس کے فاعل کی کج دلی کا سبب ہو۔۔۔ یا وہ فعل اس کے کرنے والے کے لئے اللہ کی آیتوں اور قدرت کے واضع دلائل سے روگردانی کا باعث بتایا گیا ہو۔۔۔ یا اس کے علت فعل کے بارے میں سوال کرنے کی خبر دی ہو کیونکہ یہ فعل کے نہ کرنے پر دلیل ہے اور اس کی دلالت محض کراہت پر دلالت کی بہ نسبت تحریم پر زیادہ ظاہر ہے۔

اور اباحت لفظ "احلال" سے مستفاد ہوتی ہے اور اسی طرح جناح' حرج' اثم اور مواخذہ کی نفی بھی اباحت کا فائدہ دیتی ہے اور اس کام کے کرنے کی اجازت ملنے' اس فعل سے درگزر کرنے' اور اعیان میں جو منافع ہیں ان پر احسان جتانے تحریم سے سکوت فرمانے' اور جو شخص کسی چیز کو حرام بتائے اس پر انکار سے سکوت فرمانے اور اس کی خبر دینے سے کہ اس نے یہ چیز ہمارے (نفع) کے لئے بنائی اور پیدا کی ہے اور اگلوں کے ایسے عملوں کی خبر دینے سے کہ جن پر مذمت نہ کی گئی ہو۔۔۔ اور اگر شارع کے خبر دینے کے ساتھ کوئی مدح بھی ہو تو وہ مدح اس فعل کے وجوبا" یا استحبا" مشروع ہونے کی دلیل ہے یہاں تک شیخ عزالدین کا کلام تمام ہو گیا۔

کسی دوسرے عالم کا قول ہے کہ "بعض اوقات حکم کا استنباط سکوت (شارع) سے بھی ہوتا ہے اور اس کے متعلق ایک جماعت نے قرآن پاک کے "غیر مخلوق" ہونے پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ جگہوں پر انسان کا ذکر کیا اور فرمایا کہ

وہ مخلوق ہے اور قرآن کا ذکر چون مقامات پر کیا ہے مگر ایک جگہ بھی قرآن کو مخلوق نہیں کہا اور جس جگہ قرآن اور انسان کا ذکر اکٹھے ایک ساتھ کیا تو وہاں ان دونوں کے درمیان بیان میں مغایرت پیدا کر دی چنانچہ ارشاد فرمایا الرحمٰن علم القرآن خلق الانسان""

امثال قرآن

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"ولقد ضربنا للناس فی ھذا القر آن من کل مثل لعلھم یتذکرون" (الزمر 27) اور بے شک ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کی کہاوت بیان فرمائی کہ کس طرح انہیں دھیان ہو۔

○ امام بیہقی رحمتہ اللہ علیہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "بے شک قرآن پانچ وجوہ پر نازل ہوا ہے حلال، حرام، محکم، متشابہ اور امثال پر، پس تم لوگ حلال کو کام میں لاؤ اور حرام سے خود کو بچاؤ، محکم کی اتباع کرو اور متشابہ پر ایمان لاؤ اور امثال سے عبرت پکڑو اور نصیحت حاصل کرو"

○ علامہ ماوردی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"علم القر آن" کا ایک بہت عظیم حصہ "علم الامثال" ہے حالانکہ لوگ اس سے غافل ہیں اس لئے کہ وہ امثال ہی میں پھنس کر رہ جاتے ہیں (یعنی کہانیوں میں ہی کمن ہو جاتے ہیں ان کو کنہ میں نہیں پہنچتے) اور جن امور سے متعلق وہ مثالیں بیان ہوئی ہیں ان سے غافل رہتے ہیں (اور یہ سبک سار سبق گیر نہیں ہوتے) اور حقیقت یہ ہے کہ مثل بغیر ممثل کے اسپ بے لگام اور ناقہ بے زمام ایسی ہے۔

○ ایک اور عالم فرماتے ہیں۔

"امام شافعی رحمہ اللہ نے "علم الامثال کو علوم القرآن کے ان امور میں سے شمار

کیا ہے جن کا جاننا مجتہد پر واجب ہے اور اس کے بعد قرآن کی بیان کردہ ان امثال کی معرفت ضروری ہے جو اطاعت خداوندی پر دلالت کرنے والی اور اس کی نافرمانی سے اجتناب کو ضروری قرار دینے میں مبین اور واضح ہیں

○ شیخ عزالدین رحمہ اللہ کا قول ہے کہ

" اللہ تعالی نے قرآن پاک میں امثال کو وعظ و تذکیر یعنی ڈرانے اور یاد دہانی کے لئے بیان فرمایا ہے پھر ان امثال میں سے وہ جو ثواب میں تفاوت پر یا عمل کے اکارت و رائیگاں کر دینے یا مدح و ذم وغیرہ پر مشتمل ہیں وہ احکام پر دلالت کرتی ہیں اور یاد دہانی کے لئے بیان فرمایا ہے پھر ان امثال میں سے وہ جو ثواب میں تفاوت پر یا عمل کے اکارت ورائیگاں کر دینے یا مدح و ذم وغیرہ پر مشتمل ہیں وہ احکام پر دلالت کرتی ہیں۔

فصل

امثال قرآن کی دو قسمیں ہیں۔

(1) ظاہر جس کی صراحت کردی گئی ہے۔

(2) کامن (پوشیدہ) کہ اس میں مثل کا کوئی ذکر ہی نہیں ہوتا

قسم اول کی مثالوں میں سے ایک اللہ تعالی کا یہ قول ہے

"مثلھم کمثل الذی استوقدنارا" (آلایات کہ اس میں اللہ تعالی نے منافقین کے لئے دو مثالیں بیان کی ہیں ایک آگ کے ساتھ دوسری بارش کے ساتھ قسم اول ہی کی دوسری مثال اللہ تعالی کا یہ قول بھی ہے۔

"انزل من السماء ماء" فسالت اودیۃ بقدرھا" (الآیۃ (الرعد 17) اس نے آسمان سے پانی اتارا تو نالے اپنے اپنے لائق بہہ نکلے۔

○ ابن ابی حاتم نے علی کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہم سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالی نے یہ جو مثال بیان فرمائی ہے اس میں سے قلوب اپنے یقین و شک کے موافق محتمل ہوئے اور انہوں نے خط اٹھایا سورہ زبد (جھاگ) تو وہ یونہی بے سود و قابل انداخت ہوتا ہے یہ شک کی تمثیل ہے اور رہی وہ چیز جو لوگوں کو

فائدہ بہم پہنچاتی ہے تو وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے اور یہ شئی یقین ہے اور اس کی مثال یہ ہے کہ جس طرح زیور کو آگ میں ڈال کر کھرا کھوٹا دیکھا جاتا ہے پھر اس میں سے خالص چیز لے لی جاتی ہے اور کھوٹ اس میں چھوڑ دی جاتی ہے اسی طرح اللہ تعالی یقین کو قبول فرمالیتا ہے اور شک کو چھوڑ دیا کرتا ہے۔

اسی راوی کا بیان ہے کہ حضرت عطاء رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ یہ مثال اللہ تعالی نے مومن اور کافر کے لئے دی ہے۔

اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ یہ تین مثالیں ہیں جن کو ایک مثال میں سمو دیا گیا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے کہ جس طرح یہ "زبد" (جھاگ) مضمحل ہو کر جفاء (کوڑا، کچرا) بن گیا اور بے کار چیز ہو گیا کہ اب وہ قابل انتفاع نہیں رہا اسی طرح باطل اہل باطل سے دور ہو جاتا ہے۔ اور جس طرح کہ وہ پانی زمین میں ٹھہر کر شادابی پیدا کرتا ہے اور پیداوار میں اضافہ کا سبب بنتا ہے اور زمین سے نبات کی روئیدگی اور نشوونما کا ذریعہ بنتا ہے۔

یا جس طرح کہ سونا چاندی کو آگ میں ڈالنے سے اس کا میل کچیل دور ہو جاتا ہے اور وہ کندن بن جاتا ہے ایسے ہی حق اہل حق کے لئے باقی رہ جاتا ہے اور انہی سیم وزر کے میل کی طرح کہ وہ آگ میں پڑنے سے الگ ہو جاتا ہے باطل بھی اہل باطل سے مضمحل اور جدا ہو جاتا ہے۔

اور اسی پہلی قسم کی ایک اور مثال اللہ تعالی کا یہ قول بھی ہے۔

"والبلد الطیب" (اعراف 58) اور جو اچھی زمین ہے ابن ابی حاتم علی کے طریق سے ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ "یہ مثال اللہ تعالی نے مومن کے لئے بیان کی ہے یعنی اللہ تعالی فرماتا ہے کہ "مومن طیب" (پاک باز اور اچھا) ہے اور اس کا عمل بھی طیب و عمدہ ہے جس طرح کہ اچھی زمین کا پھل اچھا ہوتا ہے اور "والذی خبث" یہ مثال کافر کے لئے دی گئی ہے کہ وہ شوریلی

اور دلدلی زمین کی مانند ہے اور کافر خود بھی خراب اور ردی ہے تو اس کے عمل بھی خبث یعنی رد اور خراب ہونگے۔

اور اسی قبیل سے ہے۔ اللہ تعالی کا قول " ایود احدکم ان تکون لہ جنۃ" الایۃ اس کے متعلق امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کی ہے وہ فرماتے کہ ایک دن حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے دریافت کیا "تم لوگوں کے نزدیک یہ آیت کس بارے میں نازل ہوئی ہے؟"ایود احدکم ان تکون لہ جنۃ من نخیل واعناب ""صحابہ کرام نے جواب دیا" "اللہ تعالی خوب علم والا ہے"

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ یہ جواب سن کر برہم ہوئے اور فرمایا یہ کیا بات ہوئی صاف صاف کہہ کہ ہم جانتے ہیں یا نہیں جانتے! "پس ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما یہ سن کر کہنے لگے اس کے متعلق میرے دل میں ایک بات ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا بھتیجے بیان کرو اور اپنے نفس کو حقیر نہ سمجھو (یعنی) خود میں اعتمادی ہو احساس کمتری نہیں ہونا چاہیے"

ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہمانے کہا" یہ ایک عمل کی مثال دی گئی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کس عمل کی یہ مثال ہے؟

انہوں نے جواب دیا ایک ایسے مال دار شخص کی جو اللہ تعالی کی اطاعت میں عمل پیرا ہوتا ہے پھر اللہ تعالی نے اس کی طرف شیطان کو بھیجا تو وہ شخص نافرمانیوں اور گناہوں میں ایسا کاربند ہوا کہ اس نے اپنے تمام اعمال کا بیڑا غرق کر دیا

○امثال کامنہ

یعنی وہ امثال جو پوشیدہ ہوتی ہیں اور صریح طور پر لفظوں سے ظاہر نہیں ہوتیں ان کے متعلق علامہ ماوردی بیان کرتے ہیں کہ

"میں نے ابو اسحاق ابراہیم بن مضارب ابن ابراہیم سے سنا ان کا بیان ہے کہ میں نے اپنے باپ "مضارب" کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے حسن بن الفضل

سے دریافت کیا کہ تم قرآن سے عربی اور عجمی ضرب الامثال بہت بیان کیا کرتے ہو اچھا بھلا یہ بتاؤ کہ تم نے قرآن میں یہ ضرب المثل "خیر الامور اوساطھا" بھی کہیں پائی ہے؟

حسن ابن فضل نے جواب دیا "بے شک" "یہ ضرب المثل" قرآن حکیم میں چار جگہ آئی ہے

○آیت نمبر 1 :- "لافارض ولا بکر عوان بین ذلک" (بقرہ 68) نہ بوڑھی نہ بچھیا (بلکہ) اس کے درمیان متوسط عمر کی

○آیت نمبر 2 :- "والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذالک قواما" (فرقان 67) اور وہ کہ جب خرچ کرتے ہیں نہ حد سے بڑھیں اور ان تنگی کریں اور نہ دونوں کے درمیان اعتدال پر رہیں

○آیت نمبر 3 :- "ولا تجعل یدک مغلولة الی عنقک ولا تبسطھا کل البسط" (بنی اسرائیل 29) اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھو اور نہ پورا کھو دے

○آیت نمبر4 :- قولہ تعالیٰ "ولا تجھر بصلاتک ولا تخافت بھا وابتغ بین ذلک سبیلا" (بنی اسرائیل 110) اور اپنی نماز نہ بہت آواز سے پڑھو اور نہ بالکل آہستہ بلکہ ان دونوں کے بیچ میں راستہ چاہو مضارب کہتے ہیں کہ پھر میں نے پوچھا کہ کیا تم نے قرآن میں یہ ضرب المثل بھی پائی ہے

"من جھل شیئا عاداہ" (الناس اعداء لما جھلوا) (مترجم) حسن نے کہا ہاں دو جگہ قرآن میں اس کہاوت کا مفہوم پاتا ہو

○آیت نمبر1 :- "بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمه" (یونس 39) بلکہ اسے جھٹلایا جس کے علم پر قابو نہ پایا۔

○آیت نمر2 :- "واذ لم یھتدوا به فسیقولون ھذا افک قدیم" (الحقاف - 11) اور جب انہیں اس کی ہدایت نہ ہوئی تو اب کہیں گے یہ پرانا بہتان ہے

سوال:۔ مضارب:"احذر شر من احسنت الیہ" کیا یہ مثل (کہاوت) بھی قرآن میں ہے؟

جواب:حسن: بے شے دیکھو اللہ تعالیٰ کا قول"وما نقموا آلا ان اغناھم اللہ ورسولہ من فضلہ"(التوبہ 74) اور انہیں کیا برا لگا یہی نہ کہ اللہ اور رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا

سوال:مضارب: کیا یہ مثل "لیس الخبر کالعیان"(شنیدہ کے بود مانند دیدہ) قرآن سے پائی جاتی ہے؟

جواب:حسن: بالکل دیکھو! اللہ تعالیٰ کا قول

"اولم تومن قال بلی ولکن لیطمئن قلبی"(بقرہ 260) فرمایا کیا تجھے یقین نہیں؟ عرض کیا کہ یقین کیوں نہیں! مگر یہ جانتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آئے

سوال:مضارب:"فی الحرکات البرکات"(حرکت میں برکت) کیا ضرب المثل قرآن میں ہے۔

جواب:حسن: جی ہاں! اللہ تعالیٰ کا قول"ومن یھاجر فی سبیل اللہ یجد فی الارض مراغما" کثیرا" وسعة " اس پر دلالت کرتا ہے (النساء 100) اور جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں گھر بار چھوڑ کر نکلے گا وہ زمین میں بہت جگہ اور گنجائش پائے گا۔

سوال:مضارب: کیا یہ ضرب المثل "کما تدین تدان "(چاہ کن را چاہ درپیش یعنی۔۔۔ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے قرآن میں ہے؟

جواب حسن ہاں اللہ تعالیٰ کا قول: " من یعمل سوء" یجزبہ"(النساء 123)
اور جو برائی کرے گا اس کا بدلہ پائے گا۔

سوال:مضارب: کا تم کو اہل عرب کی یہ کہاوت "حسین تقلی تدری" بھی قرآن میں ملی ہے؟

جواب حسن: بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وسوف یعلمون حین یرون العذاب من اضل سبیلا""(الفرقان 42)

اور وہ عنقریب جانے لیں گے جب عذاب دیکھیں گے کہ راستہ سے پھٹکا ہوا کون تھا؟

سوال: مضارب: کیا آپ نے یہ ضرب المثل کہ " لا یلدغ المومن من حجر مرتین " قرآن میں پائی ہے (مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا)

جواب: حسن: بے شک دیکھو قول باری تعالیٰ " ھل امنکم علیہ الا کما امنتکم علی اخیہ من قبل "(یوسف 24)

کیا اس کے بارے میں تم پر اسی طرح اعتبار کر لوں جس طرح پہلے اس کے بھائی (یوسف) کے بارے میں میں نے تم پر اعتبار کیا تھا۔

سوال: مضارب: میں نے کہا کیا تم یہ کہلوت کہ " من اعان ظالما" سلط علیہ" بھی قرآن میں پاتے ہو؟

جواب: حسن: بے شک دیکھئے ارشاد خداوندی ہے

"کتب علیہ انہ من تولاہ فانہ یضلہ ویھدیہ الی عذاب السعیر "(الج 4) جس پر لکھ دیا گیا کہ جو اس کی دوستی کریگا تو یہ ضرور اسے گمراہ کر دیگا اور اسے عذاب دوزخ کی راہ بتائے گا۔

سوال: مضارب: اور تم "لا تلد الحیۃ الا حیۃ"(عاقبت گرگ زادہ گرگ شود) سپاں دے بچے متر نہ ہندے بھانویں چلیاں دودھ پلائیے ہو)

"کی کہاوت کس آیت سے لیتے ہو؟

جواب حسن: اس آیت کریمہ سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ولا یلدوا الا فاجرا" کفارا" (الجن 27) اور ان کی اولاد نہ ہو گی مگر بدکار شدید کافر

سوال: مضارب: اور یہ ضرب المثل کہ "للحتیطان اذان" (دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں قرآن میں کہا ہے؟

جواب: حسن: دیکھئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

"وفیکم سماعون لھم "(التوبہ 47)

اور تم میں ان کے جاسوس موجود ہیں

سوال مضارب: اور کیا یہ کہاوت کہ "الجاھل مرزوق والعالم محروم" بھی قرآن میں ملتی ہے؟

جواب: حسن: ضرور دیکھو! اللہ تعالی کا ارشاد ہے

"من کان فی الضلالة فلیمدد له الرحمن مدا" "(مریم 75)

جو گمراہی میں ہو تو اسے رحمن خوب ڈھیل دے

سوال: مضارب: اور کیا یہ ضرب المثل قرآن میں ہے" الحلال لا یاتیک الا قوتا" والحرام یا یاتیک الا جزافا""

جواب: حسن: ہاں موجود ہے۔ آیت "اذ تاتیھم حیاتنھم یوم سبتھم شرعا" ویوم لا یسبتون لا تاتیھم" (الاعراف 163) جب ہفتہ کے دن ان کی مچھلیاں پانی پر تیرتیں ان کے سامنے آتیں اور جو دن ہفتے کا نہ ہوتا نہ آتیں

فائدہ

جعفر بن شمس الخلافہ نے کتاب الاداب میں ایک خاص باب مقرر کیا ہے جس میں قرآن کے ایسے الفاظ ذکر کئے ہیں جو ضرب المثل کے قائم مقام ہیں اور یہ ایک بدیع نوع ہے جس کو "ارسال المثل" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جعفر الخلافہ لکھتے ہیں حسب ذیل آیات قرآن اس نوع مذکور میں پیش کی جا سکتی ہیں۔

(1)"لیس لھا من دون اللہ کاشفة"(النجم 58)

اللہ تعالی کے سوا اس کا کوئی کھولنے والا نہیں

(2)لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون"

تم ہرگز بھلائی کو نہ پہنچو گے جب تک راہ خدا میں اپنی پیاری چیز نہ خرچ کرو

(3)"الان حصحص الحق "(یوسف 51)

اب اصلی بات کھل گئی

(4)"وضرب لنا مثلا" ونسی خلقه"(یسین 78

اور ہمارے لئے کہاوت کہتا ہے اور اپنی پیدائش بھول گیا (ایاز قدر خود بشناس)

(5)" ذلک بما قدمت یداک "(الحج 10)

یہ اس کا بدلہ ہے جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیجا (گندم از گندم بروید جوز جو) جو بو گے وہی کاٹو گے

(6)"قضی الامر الذی فیہ تستفتیان "(یوسف 41)

حکم ہو چکا اس بات کا جس کا تم سوال کرتے تھے

(7)"الیس الصبح بقریب"(ھود 81)

کیا صبح قریب نہیں

(8)"وحیل بینھم وبین مایشتھون"(سباء 54)

اور روک، کر دی گئی ان میں اور اس میں جسے چاہتے ہیں۔

(9)"لکل نباء مستقر "(الانعام 67)

ہر چیز کا وقت مقرر ہے

(10)"ولا یحیق المکر السیئی الا باھلہ"(فاطر 43)

اور برا داؤ اپنے چلنے والے پر ہی پڑتا ہے (چاہ کن را چاہ درپیش) اور

(11)"قل کل یعمل علی شاکلتہ "(بنی اسرائیل 84)

فرما دیجئے ہر شخص اپنی طبیعت کے مطابق کام کرتا ہے۔

(12)"وعسی ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم "(البقرہ 216)

اور قریب ہے کوئی بات تمہیں بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو۔

(13)"کل نفس بما کسبت رھینۃ"(المدثر 38)

ہر جان اپنی کرنی میں گروی ہے (یعنی جیسا کرو گے ویسا بھرو گے)

(14)"ما علی الرسول الا البلاغ "(المائدہ 99)

رسول پر نہیں مگر حکم پہنچانا کہ بر رسولاں بلاغ است وبس

(15)"ما علی المحسنین من سبیل "(التوبہ 91)

نیکی والوں پر کوئی راہ نہیں

(16)"هل جزاء الاحسان الا الاحسان" (الرحمن 60)

نیکی کا بدلہ کیا ہے مگر نیکی

(17)"كم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة" (البقرہ 249)

کہ بارہا کم جماعت غالب آگئی

(18)" آلان وقد عصيت قبل" (یونس 91)

کیا اب' اور پہلے سے نافرمان رہا۔

(19)"تحسبهم جميعا" وقلوبهم شتى" (الحشر 14)

تم انہیں ایک جتھا سمجھو گے اور ان کے دل الگ الگ ہیں

(20)"ولا ينبئك مثل خبير" (فاطر 14)

اور تجھے کوئی نہ بتائے گا اس بتانے والے کی طرح

(21)"كل حزب ما لديهم فرحون" (المومنون 53)

ہر گروہ جو اس کے پاس ہے اس پر خوش ہے

(22)"ولو علم الله فيهم خيرا لا سمعهم" (انفال 23)

اور اگر اللہ تعالیٰ ان میں کچھ بھی بھلائی جانتا (یعنی ان میں حق کے قبول کی کچھ بھی صلاحیت ہوتی) تو ضرور انہیں سنوا دیتا (23)"وقليل من عبادى الشكور" (سباء 13)

اور میرے بندوں میں سے شکر گزار بہت کم ہیں

(24)"لا يكلف الله نفسا" الا وسعها" (بقرہ 286)

اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا

(25)"قل لا يستوى الخبيث والطيب" (المائدہ 100)

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرما دیجئے کہ پاک اور ناپاک برابر نہیں ہو سکتے

(26)"ظهر الفساد فى البر والبحر" (الروم 41)

خشکی اور تری میں (انسانوں کے کرتوتوں کی وجہ سے) فساد اور برائیاں ظاہر ہو گئیں

(27)"ضعف الطالب والمطلوب" (الحج 73)

کس قدر کمزور ہے چاہنے والا اور جس کو چاہا گیا۔

(28)"لمثل هذا فليعمل العاملون" (الصفت 61

ایسی ہی کامیابی کے لئے کام کرنے والوں کو کام کرنا چاہئے

(29)"وقليل ماهم" (ص 24)

اور وہ بہت ہی کم ہیں (آٹے میں نمک کے برابر)

(30)"فاعتبروا يا اولي الابصار" (الحشر2)

چشم عبرت بر کشاو صورت حق بین نصیر شامت اعمال ماصورت گرفتہ بے نظیر اسی طرح اور بھی ہیں۔

قرآن اور قسمیں اٹھانے کا بیان

ابن قیم نے اس موضوع پر "التبیان" کے نام سے ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے "قسم" سے مقصود خبر کی تحقیق اور اس کی تاکید ہوتی ہے حتی کہ اسی بناء پر " واللہ یشھد ان المنافقین لکاذبون" ایسے کلاموں کو بھی قسم کی قسم سے شمار کیا گیا حالانکہ اس میں شہادت (گواہی) کی خبر دی گئی ہے اور اس کو قسم قرار دیئے جانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ کلام خبر کو تاکید کرتا ہے اس لئے یہ قسم کے نام سے موسوم ہے۔

"اس جگہ ایک اعتراض کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالی کے قسم یاد فرمانے کا کیا معنی ہے؟

کیونکہ اگر وہ قسم مومن کے لیے ذکر کی گئی ہے تو مومن تو محض خبر دینے ہی کے ساتھ بغیر قسم کے اس کی تصدیق کرتا ہے اور اگر یہ قسم کافر کے لیے بیان کی گئی ہے تو پھر کافر کے لیے یہ کچھ بھی مفید نہیں۔

اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ قرآن شریف کا نزول اہل عرب کی زبان میں ہوا ہے اور ان کی عادت ہے کہ جس وقت وہ کسی بات کو تاکید کے ساتھ ذکر کرنا چاہتے ہیں تو قسم کھایا کرتے ہیں ابوالقاسم قشیری اس اعتراض کے جواب میں لکھتے

ہیں۔

کہ اللہ تعالی نے کمال حجت اور اس کی تاکید کے لئے قسم کو ذکر کیا ہے اور یہ اس لئے ہے کہ حکم (فیصلہ کرنے والا) فریقین کے درمیان کسی امر کا فیصلہ دو ہی طریق سے کرتا ہے (1) شہادت (2) یا قسم کے ساتھ' اس لئے کہ اللہ تعالی قرآن میں دونوں نوعوں کا ذکر فرما دیا تاکہ ان(منافقین کے لئے کوئی حجت باقی نہ رہ جائے چنانچہ ارشاد فرمایا"قل ای وربی انہ لحق"

اور فرمایا "شهدالله انه لا له الا هوالملئکه واولوالعلم" (آل عمران 18) اللہ تعالی اور فرشتے اور علم والے انصاف کے ساتھ گواہی دے چکے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور ایک اعرابی کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ اس نے جب اللہ تعالی کا قول:

"وفی السماء رزقکم وماتوعدون' فورب السماء والارض انه لحق" (الذریت 22/22)(اور آسمان میں تمہاری روزی ہے اور تمام وہ چیزیں جن کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے اور آسمان اور زمین کے رب کی قسم بے شک یہ قرآن اسی طرح حق ہے جیسا تمہارا آپس میں باتیں کرنا سنا تو چیخ اٹھا اور کہنے لگا وہ کون ہے جس نے رب تعالی کو اس قدر غضب دلایا یہاں تک کہ اللہ تعالی کے نزدیک یہ امر ضروری قرار پایا کہ وہ قسم ذکر کر کے بات کی تاکید فرمائے قسم صرف کسی عظمت والے نام کے ساتھ ہی کھائی اور ذکر کی جاتی ہے اور اللہ تعالی نے قرآن شریف میں سات جگہ اپنی ذات مبارک کی قسم یاد فرمائی ہے۔

(1) "قل ای وربی "(یونس 53) آپ فرمائیے کہ مجھے اپنے رب کی قسم

(2)"قل بلی وربی لتبعثن"(تغابن 7) آپ فرما دیجئے کیوں نہیں مجھے اپنے رب کی قسم ہے۔ تم ضرور اٹھائے جاؤ گے۔

(3)"فوربک لنحشرنهم والشیاطین"(مریم 68) تو آپ کے رب کی قسم ہم انہیں اور شیطانوں کو سب کو گھیر کر لائیں گے

(4)"فوربک لنسئلنهم اجمعین"اے نبی آپ کے رب کی قسم ہم ان سب سے

ضرور پوچھیں گے۔

(5)"فلا وربک لا یومنون"(النساء 65) اے نبی آپ کے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہونگے

(6)"فلا اقسم برب المشارق والمغارب"(المعارج 40) اور مجھے قسم ہے سب مشرقوں اور مغربوں کے رب کی۔

اور باقی تمام قسمیں اپنی مخلوق کے ناموں کے ساتھ ذکر فرمائی ہیں۔ مثلاً" اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے

(1) "والتین والزیتون"(التین 1 تا 2)انجیر کی قسم اور زیتون کی۔

(2)"والصافات"(الصافات 1) قسم ہے باقاعدہ صف باندھ کر کھڑے ہونے والوں کی۔

(3)"والشمس وضحاھا"(الشمس 1) سورج اور اس کی روشنی کی قسم

(4)"والیل"(واللیل 1) رات کی قسم

(5)"والضحی"(والضحی 1) چاشت کی قسم

(6)"فلا اقسم بالخنس"(التکویر 15) قسم ہے ان ستاروں کی جو الٹے پھریں سیدھے چلیں اگر کہا جائے کہ اللہ تعالی نے مخلوق کی قسم کیوں کر ذکر فرمائی ہے حالانکہ غیراللہ کی قسم اٹھانے کی سخت ممانعت آئی ہے۔

تو ہم کہیں گے کہ اس کا جواب کئی طریقوں سے دیا گیا ہے

○ پہلا طریق یہ ہے کہ ان جگہوں پر مضاف محذوف ہے اور اصل میں اس طرح ہے "ورب التین○ ورب الزیتون○ ورب الشمس" اور اسی طرح باقی میں ہے

○ دوسرا طریق یہ ہے کہ اہل عرب ان چیزوں کی تعظیم کرتے تھے اور ان کی قسم کھایا کرتے تھے لہذا قرآن کا نزول ان کے عرف کے موافق ہوا ہے۔

○ تیسرا طریق یہ ہے کہ قسم صرف ان چیزوں کی کھائی جاتی ہے جو قسم کھانے والے کے نزدیک بزرگی اور عظمت کی حامل ہوں اور وہ چیزیں قسم کھانے والے سے بلند و بالا ہوں اور اللہ تعالی سے بلند تر کوئی نہیں ہے اس لئے اس نے کبھی اپنی ذات پاک کی

قسم یاد فرمائی ہے اور کبھی اپنی مصنوعات کی کیونکہ مصنوعات اپنے خالق اور صانع کی ذات اور وجود پر دلیل ہیں۔

○ ابن ابی حاتم حسن رحمتہ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ
"بے شک اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جس چیز کی چاہے قسم یاد فرمائے جبکہ کسی بندے کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسری کسی چیز کی قسم کھائے"

○ علماء بیان فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے اپنے قول "لعمرک" میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم بیان فرمائی ہے تاکہ لوگوں کو آپ کا مرتبہ اور اللہ کے نزدیک جو قدر و منزلت ہے معلوم ہو جائے۔

○ ابن مردویہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل اور زیادہ شان و عظمت والا کوئی نفس پیدا نہیں فرمایا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ کسی کی جان کی قسم یاد نہیں فرمائی ہے صرف آپ کی جان کی قسم بیان فرمائی ہے ارشاد خداوندی ہے۔

"لعمرک انہم لفی سکرتہم یعمھون" (الحجر 72)

○ اے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کی جان کی قسم بے شک وہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے تھے پھر اللہ تعالیٰ ان اصول ایمان کی قسم بیان فرماتا ہے جن کے معرفت لوگوں پر واجب اور ضروری ہے اور وہ اصول ایمان جن کی قسم اٹھائی گئی حسب ذیل ہیں۔

(1) توحید (2) قرآن حق ہے (3) رسول برحق ہے (4) جزاو سزا (5) اور وعدہ اور وعید

○ اول یعنی توحید کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول "والصافات صفا" سے لیکر تا قولہ تعالیٰ "ان الھکم لواحد" (صافات 1 تا 4) قسم ہے ان کی کہ باقاعدہ صف باندھے پھر ان کی کہ جھڑک کر چلائیں پھر ان جماعتوں کی کہ قرآن پڑھیں بے شک تمہارا معبود ضرور ایک ہے

○ دوم کی مثال "فلا اقسم بمواقع النجوم، وانه لقسم لو تعلمون عظیم، انه لقرآن کریم" (الواقعہ 75 تا 77) تو مجھے قسم ہے ان جگہوں کی جہاں (تارے) ڈوبتے ہیں اور تم سمجھو تو یہ بڑی قسم ہے بے شک یہ عزت والا قرآن ہے

○ سوم کی مثال "یٰسین والقرآن الحکیم انک لمن المرسلین" اور "والنجم اذھوی ماضل صاحبکم وما غوی" (النجم 1-2)

(1) ترجمہ حکمت والے قرآن کی قسم بے شک تم سیدھی راہ پر بھیجے گئے ہو

(2) اس پیارے چمکتے تارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم جب یہ معراج سے اترے تمہارے صاحب نہ بہکے اور اور نہ بے راہ چلے۔

○ چہارم (ا) والذاریات تا قولہ تعالیٰ "انما توعدون لصادق، وان الدین لواقع" (الذاریات 1 تا 6) ترجمہ:۔ "قسم ان کی جو بکھر کر اڑانے والیاں۔۔ بے شک جس بات کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے ضرور سچ ہے اور بے شک انصاف ضرور ہونا ہے۔

(ب) والمرسلات تا قولہ "انما توعدون لواقع" (المرسلات 1 تا 7) ترجمہ:۔ قسم ان کی جو بھیجی جاتی ہیں لگاتار بے شک جس بات کا وعدہ تم دیئے جاتے ہو ضرور ہونی ہے

○ پنجم یعنی انسان کے احوال کی قسمیں کھانے کی مثال "واللیل اذا یغشی" تا قولہ تعالیٰ (اللیل 1 تا 4) "ان سعیکم لشتی" "ترجمہ اور رات کی قسم جب چھا جائے۔۔۔ بے شک تمہاری کوشش مختلف ہے۔

(ب) "والعادیات" تا قولہ "ان الانسان لربہ لکنود" (العادیات 1 تا 6)

ترجمہ:۔ قسم ہے ان گھوڑوں کی جو میدان میں تیزی سے دوڑتے ہیں۔ بے شک آدمی اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے

(ج) "والعصر ان الانسان لفی خسر" (العصر 1 تا 2)

اس زمانہ محبوب کی قسم بے شک انسان ضرور نقصان میں ہے

(د) والتین الی قولہ "لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم" آیات (التین 1 تا 4)

ترجمہ:۔ انجیر کی قسم۔۔ بے شک ہم نے انسان کو اچھی صورت پر بنایا

(ه)"لااقسم بهذا البلد۔۔۔ الی قوله لقد خلقنا الانسان فی کبد"(البلد 1 تا 4

ترجمہ:۔ مجھے اس شہر کی قسم۔۔۔ بے شک ہم نے انسان کو مشقت میں رہتا پیدا کیا۔

مجادلہ کا بیان

قرآن عظیم دلائل و براہین کا جمیع انواع پر مشتمل ہے کوئی، برہان، دلیل تقسیم اور تحذیر ایسی نہیں جو کہ معلومات عقلیہ اور سمعیہ سے بنائی گئی ہو اور وہ کتاب اللہ میں بیان نہ ہوئی ہو مگر فرق صرف یہ ہے کہ قرآن حکیم نے متکلمین کی طرح دقیق ابحاث میں الجھے بغیر سادہ انداز میں اہل عرب کی عادات اور عرف و رواج کے مطابق دلائل و براہین کو پیش کیا ہے اور قرآن کے اس سادہ اسلوب اور طرز بیان کو اپنانے کی دو وجہیں ہیں۔

○ پہلی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے"وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه ليبين لهم"(ابراہیم 4) اور ہم نے ہر رسول اس کی قوم ہی کی زبان میں بھیجا کہ وہ انہیں صاف بتائے۔

○ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حجت پیش کرنے کے دقیق طریق کی طرف وہی شخص مائل ہو گا جو جلی اور روشن کلام سے دلیل قائم کرنے سے عاجز ہو گا ورنہ جو شخص ایسے واضح ترین کلام سے اپنی بات سمجھا سکتا ہے جس کو اکثر لوگ سمجھ سکتے ہوں اسے کیا پڑی ہے کہ ایسے غامض کلام کی طرف مائل ہو جس کو بہت کم لوگ جانتے ہوں اور قادر الکلام شخص ہرگز اپنی بات کو معمہ اور چیستان بنانے کی کوشش نہیں کریگا۔

○ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لئے دلائل بیان فرمانے کا نہایت واضح طریقہ اختیار فرمایا تاکہ عالم لوگ بھی خطاب کے اس صاف اور نہایت واضح اسلوب سے قرآن کے معانی اور مفاہیم کو تسلی بخش طریقے سے سمجھ جائیں اور اس طرح ان پر حجت تام ہو جائے اور خواص اس اثناء میں ایسے مطالب کو بھی پالیں جو خطباء کے

ذہنوں کی رسای اوران کے ادراک سے بلندو بالا ہوتے ہیں۔

قرآن کے اسلوب مجادلہ اور طرز جدل کی مثالوں میں ایک یہ ہے کہ اللہ سبحانہ تعالی نے معاد جسمانی پر کئی طرق اور اقسام سے دلائل قائم فرمائے ہیں ایک قسم ابتداء یعنی پہلی حالت پر لوٹانے کا قیاس ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا کہ "کمابدأکم تعودون" (اعراف 29) جیسا اس نے تمہارا آغاز کیا ویسے ہی پلٹو گے۔

○ "کما بدانا اول خلق نعیدہ" (الانبیاء 104)

ہم نے جیسے پہلے اسے بنایا تھا ویسے ہی پھر کردیں گے

○ "افعیینا بالخلق الاول" (ق 15)

تو یا ہم پہلی بار بنا کر تھک گئے

دوسری قسم معاد پر اس طرح استدلال فرمایا کہ جب اللہ تعالی زمین اور آسمانوں کی تخلیق پر قادر ہے پھر اس کے لئے مردوں کو زندہ کرنا تو بطریق اولی ثابت ہے کہ یہ اس کی بہ نسبت (تمہارے سمجھنے کے لئے) نہایت آسان ہے

اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے۔

"اولیس الذی خلق السموات والارض بقادر" (یس 81)

اور کیا وہ جس نے آسمان اور زمین بنائی ان جیسے اور نہیں بنا سکتا؟

○ تیسری قسم : زمین کے مردہ اور ویران ہونے کے بعد بارش وغیرہ سے اس کے دوبارہ زندہ اور سرسبز و شاداب کر دینے پر قیاس کرنا ہے۔

○ چوتھے: تازہ و ہرے بھرے درخت سے آگ کے پیدا کرنے پر مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے کا قیاس کرنا ہے۔

○ حاکم وغیرہ روایت کرتے ہیں کہ ابی بن خلف ایک ہڈی لے کر آیا اور اس کو چکنا چور کر کے بکھیر دیا پھر کہنے لگا۔ کیا اللہ اس ہڈی کو بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو جانے کے بعد بھی زندہ کر دیگا؟ پس اس موقع پر اللہ تعالی نے یہ آیت اتاری کہ "قل یحییھا الذی انشاھا اول مرۃ" (یس 79)

ترجمہ:۔ آپ فرمایئے انہیں وہ زندہ کریگا جس نے پہلی بار انہیں بنایا پس اللہ سبحانہ تعالی نے نشاۃ ثانیہ کو نشاہ اولی کی طرف پھیرنے اور دونوں کے درمیان علت حدوث کے مشترک ہونے سے استدلال فرمایا پھر حجت کو مزید پختہ کرنے کے لئے یہ قول بطور حجت ارشاد فرمایا کہ "الذی جعل لکم من الشجر الاخضر نارا" (یس 80) اور دو چیزوں کے درمیان بحیثیت تبدیل اعراض جامع ہونے کی یہ آیت ایک شئی کی نظر پر قیاس کرنے کی نہایت واضح اور روشن دلیل ہے۔

○ اسی قسم سے تعلق ہے اس استدلال کا کہ صانع عالم ایک ہی ہے اور یہ استدلال دلالت قانع کے طور پر کیا جاتا ہے جس کی طرف آیت کریمہ "لو کان فیھما الھہ الا اللہ لفسدتا" مشیر ہے اور آیت مذکور جس تمانع (یعنی متعدد معبودوں کے عدم اتحاد و اتفاق) پر دلالت کرتی ہے اس کی تقریر اس طرح کی جاتی ہے کہ اگر کائنات کے دو صانع و خالق ہوتے تو ہرگز ان کی تدبیریں ایک ہی نظام پر نہ چل سکتیں اور نہ یہ نظام کائنات ایک نہج پر مستحکم ہو سکتا اور لازما" ان دونوں کو یا کسی ایک کو عاجز ہونا پڑتا اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ان میں سے ایک صانع کسی جسم کو زندہ کرنے کا ارادہ کرتا اور دوسرے صانع کا ارادہ اسی جسم کو مردہ رہنے دینے کا ہوتا تو اس کی تین صورتیں بنتی ہیں۔

(1) یا دونوں خداؤں کا ارادہ نافذ ہو گا۔

(2) یا دونوں خداؤں کا ارادہ نافذ نہیں ہو گا۔

(3) یا ایک کا ارادہ نافذ ہو گا دوسرے کا نہیں ہو گا۔

اس میں پہلی شق کی پھر دو صورتیں ہیں۔ یا تو دونوں کا اتفاق فرض کیا جائے گا یا اختلاف، بصورت اول فعل کی تجزی لازم آتی ہے اور بصورت ثانی اجتماع ضدین اور یہ دونوں باتیں محال ہیں۔

اور شق ثانی پر دونوں کا عجز اور بصورت ثالث کسی ایک صانع کا عاجز ہونا لازم آتا ہے اور جو عاجز ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا بلکہ خدا وہ ہے جو ہر ممکن پر قادر ہے۔

فن مجادلہ کی اصطلاحات میں سے ایک نوع "قول بالموجب" ہے ابن ابی الاصبع بیان کرتے ہیں کہ :

قول بالموجب کی حقیت یہ ہے کہ فریق مخالف کے کلام کو اسی کے کلام کے فحوی معنی مدلول و مفہوم سے رد کر دیا جائے۔

اور "قول بالموجب" کی دو قسمیں ہیں۔

(1) پہلی قسم یہ ہے کہ غیر کے کلام میں کوئی صفت بطور کنایہ اس شئی کے لئے واقع ہو جس کے لئے حکم ثابت کیا گیا ہے۔ اب وہ صفت اسی پہلی شئی کے سوا دوسرے کے لئے ثابت کر دی جائے

مثلاً" اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے

"یقولون لئن رجعنا الی المدینة لیخرجن الا عز منها الا ذل ولله العزة (آلایہ المنافقون 8) کہتے ہیں ہم مدینہ پھر کر گئے تو ترجمہ:۔(ضرور جو بڑی عزت والا ہے وہ (عزت والا) وہ اس میں سے نکال دیگا اسے جو نہایت ذلت والا ہے اور عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کے لئے ہے۔اس آیت میں منافقون نے لفظ اعز کنایہ کے طور پر اپنے گروہ کے لئے استعمال کیا ہے اور اذل(ذلیل) کا لفظ گروہ مومنین کے لئے بطور کنایہ استعمال کیا اور منافقون نے اپنی جماعت کے لئے یہ بات ثابت کی تھی کہ وہ ایمان والوں کو مدینہ سے نکال دیں گے۔ پس اللہ تعالی نے ان کا رد فرماتے ہوئے صفت عزت کو منافقین کے بجائے ان کے مقابل جماعت کے لئے ثابت کر دی جو اللہ' رسول اور ایمان والوں کی جماعت ہے پس گویا یہ کہا گیا کہ ہاں یہ صحیح ہے کہ عزت والے وہاں سے ذلیل لوگوں کو شہر بدر کریں گے مگر وہ ذلیل اور دیس نکالے لوگ خود منافقین ہیں اور اللہ اور اس کے رسول مکرم عزت والے اور نکال باہر کرنے والے ہیں۔

○ قسم دوم یہ ہے کہ ایک لفظ کو جو غیر کلام میں واقع ہوا ہے اس کو اس شخص کی مراد کے خلاف پر محمول کر دیا جائے اور وہ لفظ اپنے متعلق کے ذکر سے اس کا محتمل بھی

ہو۔

علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ "میری نظر سے کوئی ایسا شخص نہیں گزرا جس نے قرآن مجید سے اس کی کوئی مثال پیش کی ہو"

ہاں خود میں اس قسم کی ایک آیت ڈھونڈ نکالنے میں کامیاب ہوا ہوں وہ آیت یہ ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

"ومنھم الذین یوذون النبی ویقولون ھو اذن قل اذن خیر لکم" (التوبہ 61) ترجمہ اور ان میں کوئی وہ ہیں کہ ان غیب کی خبریں دینے والے کو ستاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ تو کان ہیں تم فرماؤ تمہارے بھلے کے لئے کان ہیں - فن جدل قرآن کی اصطلاحات میں سے ایک مناقضہ بھی ہے۔

اور مناقضہ اس چیز سے عبارت ہے کہ ایک امر کو کسی محال اور ناممکن شئی پر لٹکا دیا جائے اور محال شئے سے متعلق کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ اس کا وقوع ہی دائرہ امکان سے خارج ہے مثلاً" اللہ تعالیٰ کا قول ہے

"ولا یدخلون الجنۃ حتی یلج الجمل فی سم الخیاط" ترجمہ: اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں جب تک سوئی کے ناکے اونٹ نہ داخل ہو

ایک اور قسم "مجاراۃ الخصم" ہے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خصم یعنی فریق مخالف اور مد مقابل لغزش کھائے اور پھسل کر اپنے ہی بعض مقدمات کو اس جگہ تسلیم کرے جہاں کہ اس کو الزام دینا اور قائل کرنا مطلوب تھا

مثلاً" اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

"قالو ان انتم الا بشر مثلنا تریدون ان تصدونا عما کان یعبد اباؤ نا فا تو بسلطان مبین قالت لھم رسلھم ان نحن الا بشر مثلکم - (ابراھیم 10 _ 11)<" بولے تم تو ہمیں جیسے آدمی ہو تم چاہتے ہو کہ ہمیں اس سے باز رکھو جو ہمارے باپ دادا پوجتے ہیں اب کوئی روشن سند ہمارے پاس لے آؤ ان کے رسولوں نے ان سے کہا ہم ہیں تو تمہاری انسان اس جگہ رسولوں کا یہ کہنا کہ "ان نحن الا

بشر مثلکم" بے شک ہم بھی تمہاری طرح انسان ہیں اس میں ایک طرح کا اقرار ان کے بشریت ہی میں منحصر ہونے کا پایا جاتا ہے اوراس طرح گویاانہوں نے اپنی ذوات سے رسالت کا انتفاء تسلیم کر لیا حالانکہ یہ قطعاً" مراد نہیں ہے بلکہ ان کا یہ فرمان " مجارہ خصم" کے قبیل سے ہے جس سے مقصود فریق مخالف کی دلجوئی کرنا اور ان کو بہلانا ہے پس گویا کہ انبیاء کرام نے یوں کہا ہے "تم نے ہمارے بشرہونے کی بابت جو کچھ کہا ہے وہ بجا ہے اور ہم اس سے انکاری نہیں ہیں لیکن یہ بات کچھ اس کے منافی تو نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل عظیم سے ہمیں منصب رسالت کے لئے چن لیا ہے۔

قرآن پاک میں واقع اسماد القاب اور کنیتوں کا بیان

قرآن مجید میں انبیاء اور مرسلین علیہم السلام میں سے پچیس کے اسماء مبارک ذکر ہوئے ہیں اور وہ مشہور انبیاء علیہم السلام ہیں۔

○ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام — حضرت نوح علیہ السلام

○ حضرت ادریس علیہ السلام — حضرت ابراہیم علیہ السلام

○ حضرت اسماعیل علیہ السلام — وہ ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے ہیں۔

○ حضرت اسحاق علیہ السلام آپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت کے چودہ سال بعد پیدا ہوئے۔

○ حضرت یعقوب علیہ السلام آپ نے ایک سو سینتالیس سال عمر پائی۔

○ حضرت یوسف علیہ السلام بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام۔

○ حضرت لوط علیہ السلام ابن اسحاق کا قول ہے وہ لوط ابن ہاران بن آزر ہیں۔

○ حضرت ھود علیہ السلام — حضرت صالح علیہ السلام

○ حضرت شعیب علیہ السلام — حضرت موسیٰ علیہ السلام

○ حضرت ہارون علیہ السلام — حضرت داؤد علیہ السلام

○ حضرت سلیمان علیہ السلام آپ حضرت داؤد علیہ السلام کے جگر گوشہ ہیں۔
○ حضرت ایوب علیہ السلام حضرت ذوالکفل علیہ السلام
○ حضرت یونس علیہ السلام حضرت الیاس علیہ السلام
○ حضرت الیسع علیہ السلام حضرت زکریا علیہ السلام
○ حضرت یحیٰ علیہ السلام (آپ حضرت زکریا علیہ السلام کے بیٹے ہیں)
○ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ علیہ التحیتہ والثناء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم

اسماء ملائکہ (فرشتوں کے نام)

قرآن مجید میں جن فرشتوں کے اسماء آئے ہیں یہ ہیں۔
حضرت جرائیل، میکائیل، مالک (یہ فرشتہ جہنم کا داروغہ ہے)
ہاروت اور ماروت
(نوٹ علامہ سیوطی رحمتہ اللہ تعالیٰ عنہ نے الاتقان میں مختلف روایات کے حوالہ سے کچھ اور بھی اسماء ذکر رکھے ہیں مثلاً" الرعد، برق، سجل، قعید، ذوالقرنین، روح اور سکینہ اس طرح فرشتوں کے اسماء کی کل تعداد بارہ ہوئی مترجم)
صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام قرآن مجید میں آیا ہے۔

رسولوں اور انبیاء علیہم السلام کے علاوہ جن متقدمین حضرات کے نام قرآن میں آئے ہیں یہ ہیں۔
عمران، مریم کے باپ عزیز، تبع، لقمان، یوسف (جن کا ذکر سورہ غافر میں ہے) اور یعقوب کا سورہ مریم کے اول میں ان کا ذکر آیا ہے اور "تقی" اللہ تعالیٰ کے قول "انی اعوذبالرحمن منک ان کنت تقیا" اس میں کہا گیا ہے کہ یہ ایک ایسے مرد کا نام ہے جو عالمی شہرت کا حامل تھا اور اس کا نام زبان زد عام تھا مراد یہ ہے کہ اگر تو نیک

چال میں تقی کی مثل ہے تو میں تجھ سے پناہ مانگتی ہوں اس بات کو ثعلبی نے نقل کیا ہے۔

قرآن مجید میں عورتوں کے نام قرآن مجید میں صرف ایک عورت حضرت مریم کا نام آیا ہے اس کے علاوہ کسی عورت کا نام مذکور نہیں ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالی کے ارشاد "اتدعون بعلا" میں لفظ "بعل" ایک خاتون کا نام ہے جس کو لوگ دیوی مانتے اور اس کی پرستش کرتے تھے یہ قول ابن عساکر سے منقول ہے۔

قرآن پاک میں کافروں کے مندرجہ ذیل نام ذکر ہوئے ہیں۔

قارون، آزر، جالوت، اور ہامان

قرآن مجید میں جنات کے ناموں سے ان کے دادا ابلیس کے نام آیا ہے

قبائل کے نام: قرآن پاک میں قبیلوں میں سے یاجوج، ماجوج، عاد، ثمود، مدین، قریش اور الروم کے نام آئے ہیں۔

قوموں کے نام: اقوام کے نام جو کہ دوسرے ناموں کی طرف مضاف ہو کر آئے ہیں حسب ذیل ہیں۔ قوم نوح، قوم لوط، قوم تبع، قوم ابراہیم اور اصحاب الایکہ اور کہا گیا ہے کہ اصحاب الایکہ ہی "مدین" ہیں اور "اصحاب الرس" قوم ثمود کے باقی ماندہ لوگ ہیں یہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ کا قول ہے عکرمہ کہتے ہیں کہ وہ اصحاب یاسین ہیں اور حضرت قتادہ کا قول ہے کہ وہ قوم شعیب ہیں اور کہا گیا کہ وہ "اصحاب الاخدود" ہیں اسی کو ابن جریر نے پسندیدہ قول قرار دیا ہے قرآن پاک میں بتوں کے ایسے نام جو کہ انسانوں کے نام پر رکھے گئے حسب ذیل ہیں۔

ود، سواع، یغوث، یعوق، اور نسر یہ قوم نوح کے اصنام تھے۔

لات، عزیٰ، اور مناۃ بتان قریش کے نام تھے اسی طرح "الرجز" اس شخص کے نزدیک بت کا نام ہے جس نے اس کو راء کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے

امام اخفش نے کتاب "الجمع والواحد" میں ذکر کیا ہے کہ "رجز" ایک صنم کا نام ہوتا تھا۔

اور جبت، طاغوت اور بعل بھی بتوں کے نام ہیں۔ قرآن پاک میں شہروں خاص مقامات جگہوں اور پہاڑوں کے حسب ذیل اسماء مذکور ہیں۔

بلکہ (یہ شہر مکہ کا نام ہے) مدینہ منورہ، بدر، احد، حنین، مشعرالحرام، مصر، بابل، الایکہ، الحجر، الاحقاف، طور سینا، الجودی، طوی (ایک وادی کا نام ہے) الکھف، الرقیم، العرم، حرد، الصرم (ابن جریر حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ "ملک یمن" میں ایک خطہ زمین ہے جو اس نام سے موسوم ہے

ق :ایک پہاڑ جو زمین کے گرد محیط ہے

الجرز: یہ ایک خطہ زمین کا نام ہے۔

الطاغیہ: روایت ہے کہ یہ زمین کے اس علاقہ کا نام ہے جہاں قوم ثمود کو پیوند خاک کیا گیا تھا یہ دونوں قول الکرمانی سے منقول ہیں۔

قرآن مجید میں آخرت کے مقامات میں سے مندرجہ ذیل جگہوں کے نام آئے ہیں۔

فردوس: یہ جنت میں چوٹی کا علاقہ ہے

علیون: روایت ہے کہ یہ جنت کا بالائی مقام

الکوثر: جنت کی ایک نہر ہے

سلسبیل اور تسنیم: جنت میں دو چشموں کے نام ہیں

سجین: ایک جگہ کا نام ہے جو کفار کی روحوں کا ٹھکانا ہے

صعود: جہنم میں ایک پہاڑ ہے جیساکہ ترمذی میں ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ سے مرفوعا" مروی ہے

غی، آثام، موبق، سعیر، ویل، شائل، اور سحق جہنم کی وادیاں ہیں۔

یحموم: سیاہ دھوئیں کا نام ہے

قرآن پاک میں کواکب (ستاروں) کے ناموں میں سے شمس، قمر، طارق اور شعری آئے ہیں۔

بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں پرندوں کی دس جنسوں کے

نام ذکر کئے ہیں۔
سلویٰ، بعوض، مچھر، ذباب (مکھی) النحل (شہد کی مکھی) العنکبوت (مکڑی) الجراد، ٹڈھی، ھد ھد، ہد ہد، غراب، کوا، ابابیل، غل، چیونٹی اور رہی رکنیت تو وہ قرآن پاک میں صرف ابو لھب کی کنیت کا ذکر ہوا ہے اس کے علاوہ اور کوئی کنیت مذکور نہیں ہوئی ابو لھب کا نام عبدالعزیٰ تھا۔

فوائد

مصحف شریف کو بوسہ دینا مستحب ہے کیونکہ وہ حضرت عکرمہ بن ابی جہل ایسا ہی کرتے تھے۔
مصحف کے چومنے کو حجراسود کے بوسہ دینے پر بھی قیاس کرنا بعض علماء نے ذکر کیا ہے۔
اور اس لئے بھی قرآن مجید کو چومنا مستحب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدیہ ہے لہٰذا اس کو چومنا ایسے ہی جائز امر ہوا جس طرح کہ چھوٹے بچے کو بوسہ دینا مستحب ہے اور یہ عمل اظہار محبت کی غمازی کرتا ہے۔
امام احمد رحمتہ اللہ علیہ سے اس سلسلے میں تین روایتیں آئی ہیں۔
جواز، استحباب، اور توقف اس لئے کہ اگرچہ مصحف پاک کو بوسہ دینے میں کلام الٰہی کی رفعت اور اس کی تعظیم کا اظہار ہوتا ہے۔ مگر اس میں قیاس کو کچھ دخل نہیں ہے اسی لئے حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حجراسود کے بارے میں (اس کو مخاطب کر کے) فرمایا تھا کہ "لولا انی رایت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یقبلک ما قبلتک" اگر میں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں کبھی تجھ کو بوسہ نہ دیتا۔
○ قرآن شریف کو خوشبو لگانا اور اسے رحل وغیرہ کسی اونچی چیز پر رکھنا مستحب ہے اور اس کو تکیہ بنانا حرام ہے اس لئے کہ اس طرح کرنے میں قرآن کریم کی بے ادبی اور

بے حرمتی ہوتی ہے

امام زرکشی نے کہا ہے کہ اسی طرح قرآن پاک کی طرف پاؤں دراز کرنا بھی حرام ہے ابن ابی داوٗد نے کتاب "المصاحف" میں سفیان سے روایت کیا ہے ان کے نزدیک مصحف شریف کو لٹکانا مکروہ ہے اور ضحاک سے روایت ہے کہ حدیث شریف کے لئے قرآن پاک کی طرح کرسیاں (رحلیں یا بلند تپائیاں) استعمال نہ کرو

"ایک صحیح روایت سے یہ ثابت ہے کہ قرآن پاک کو تعظیم کے لئے چاندی سے مزین اور آراستہ کرنا جائز ہے۔

امام بیہقی نے ولید بن مسلم سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مصاحف پر چاندی چڑھانے کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے ایک مصحف لاکر ہمیں دکھایا اور فرمانے لگے۔ میرے والد نے میرے دادا جان سے یہ روایت بیان کی ہے کہ "صحابہ کرا علیہم الرضوان نے قرآن مجید کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کے عہد میں جمع کیا تھا اور انہوں نے مصاحف کو اس طرح یا اس کی مانند آب سیم سے آراستہ اور مزین کیا تھا۔

لیکن یہ مسئلہ کہ مصحف کو آب زر سے آرستہ کرنے کا کیا حکم ہے؟ تو زیادہ درست بات یہ ہے کہ مرد کے لئے جائز اور عورت کے لئے جائز ہے۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ مصحف پر سوناچاندی چڑھا کر آراستہ کرنے کا جواز صرف خود مصحف کے ساتھ خاص ہے غلاف جو اس سے جدا ہوتا ہے اس حکم میں شامل نہیں ہے مگر اظہریہ ہے کہ دونوں کے لئے یکساں جواز ہے

قرآن پاک کے نسخے پرانے اور بوسیدہ ہونے کی صورت میں کیا کئے جائیں؟

اگر قرآن مجید کے اوراق کو پرانے اور بوسیدہ ہو جانے یا اسی کسی اور وجہ سے ازکار رفتہ اور ناقابل استعمال بنانے کی ضرورت پیش آجائے تو ان کو دیوار کی دارڑیا کسی اور ایسی جگہ رکھنا جائز نہیں ہوے کیونکہ وہاں سے ان کے گرنے کا احتمال ہے اسی طرح وہ پاؤں کے نیچے آئیں گے اور بے حرمتی ہوگی۔

اسی طرح اوراق قرآنیہ کو پھاڑنا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ اس طرح کرنے میں حروف کی کتربرید اور کلام کے حصے بخرے کرنا لازم آتا ہے اس طرح رقم شدہ اور مسطور چیز کی توہین پائی جاتی ہے۔

الحلیمی نے ایسا ہی کہا ہے اور نیز وہ فرماتے ہیں "اس کو پانی سے دھو ڈالنا مناسب ہے اور اگر آپ میں جلا ڈالے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے اس لئے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان مصاحف کو جلا ڈالا تھا جن میں منسوخ شدہ آیات اور قراتیں درج تھیں اور ان کے اس عمل کو کسی نے ناپسندیدہ قرار نہیں دیا تھا۔

اور ایک دوسرے عالم کا قول ہے کہ دھونے کی بہ نسبت جلا دینا بہتر ہے کیونکہ اس کا غسالہ (دھوون) زمین پر پڑے گا اس سے بسا اوقات بے حرمتی ہوتی ہے ابن اب داؤد نے ابن المسیب سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا۔

"تم میں کوئی شخص مصیحف اور مسیجد (یعنی بصیغہ تصغیر) نہ کہے کیونکہ جو چیز اللہ تعالیٰ کے لئے ہے وہ بہرحال عظمت والی ہے (لہٰذا اس کو تصغیر کے صیغہ سے تعبیر کرنا جو حقارت کے لئے بھی آتی ہے نہیں چاہیے۔

قرآن پاک کو بے وضو چھونے کا حکم

جمہور علماء کا مذہب یہی ہے کہ بے وضو شخص کو مصحف پاک چھونا حرام ہے خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا' اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ "لا یمسہ الا المطھرون" (اسے نہ چھوئیں مگر باوضو (الواقعہ) اور امام ترمذی وغیرہ نے روایت کی ہے کہ "لایمس القرآن الاطاہر" قرآن پاک کو پاک شخص کے سوا کوئی نہ ہاتھ لگائے۔

ابن ماجہ نے اور دوسرے علماء کرام نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ "سات چیزیں ایسی ہیں جن کا اجروثواب بندہ ہے کو مرنے کے بعد بھی قبر میں ملتا رہتا ہے جس نے علم (دین کا) سکھایا کوئی نہر جاری کی کوئی کنواں کھودا کوئی پھل دار درخت لگایا مثلاً" کھجور وغیرہ مسجد بنوائی یا ایسی اولاد چھوڑ گیا جو اس کے

پس مرگ اس کے لئے دعائے مغفرت کرتی رہے یا قرآن پاک کا کسی کو وارث بنا گیا ہو۔

مفردات قرآن کا بیان

السلفی کتاب المختار من الطیورات میں امام شافعی رحمتہ اللہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ کی کسی سفر میں ایک قافلہ سے ملاقات ہوئی ان میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ بھی تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ ان لوگوں سے پکار کر دریافت کرے کہ وہ کہاں سے آرہے ہیں؟ قافلہ والوں نے جواب دیا کہ "اقبلنا من الفج العمیق نرید البیت العتیق" یعنی ہم لوگ دور دراز سے آرہے ہیں اور بیت اللہ شریف جانے کا ارادہ ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ یہ جواب سن کر فرمایا کہ "بے شک ان لوگوں میں ضرور کوئی صاحب علم آدمی ہے چنانچہ آپ نے حکم دیا کہ ایک شخص اس قافلہ سے با آواز بلند دریافت کرے کہ قرآن حکیم کا کون سا حصہ عظیم تر ہے (دریافت کرنے پر) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے اس کے جواب میں کہا" اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم" عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے اس شخص سے فرمایا اس سے دریافت کرو کہ قرآن کا کون سا حصہ احکم ہے؟ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے کہا" ان اللہ یامر بالعدل والا حسان وایتاء ذی القربی "(النحل 90) ترجمہ۔ بے شک اللہ حکم فرماتا ہے انصاف اور نیکی اور رشتے داروں کے دینے کا حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا ان سے معلوم کرو کہ قرآن کا کون سا حصہ اجمع (جامع تر) ہے؟ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا کہ "فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا" یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا" یرہ" (الزلزال 7 - 8) ترجمہ:۔ تو جو ایک ذرہ بھر بھلائی کرے اسے دیکھے گا اور جو ایک ذرہ بھر برائی کرے اسے دیکھے گا پھر حضرت عمر فاروق رضی

رضی اللہ تعالی عنہ سے فرمایا کہ ان سے پوچھو کہ قرآن کی کون سی آیت سب سے زیادہ (احزن) یعنی غمناک کرنے والی ہے؟

جواب ملا کہ " من یعمل سوء " یجزبہ "(النساء 123) جو برائی کرے گا اس کا بدلہ پائے گا۔

پھر عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا ان سے پوچھو قرآن میں "ارجی" یعنی نہایت امید افزا حصہ کونسا حصہ ہے؟

اللہ تعالی عنہ سے فرمایا کہ ان سے پوچھو کہ قرآن کی کون سی آیت سب سے زیادہ (احزن) یعنی غمناک کرنے والی ہے؟

جواب ملا کہ " من یعمل سوء " یجزبہ "(النساء 123) جو برائی کرے گا اس کا بدلہ پائے گا۔

پھر عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا ان سے پوچھو قرآن میں "ارجی" یعنی نہایت امید افزا حصہ کونسا حصہ ہے؟

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے جواب دیا " قل یاعبادی الذین اسرفوا علی انفسم " الایہ (الزمر 53)

ترجمہ:۔ تم فرماؤ اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی یہ جوابات سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے دریافت فرمایا کہ "کیا تم میں عبداللہ بن مسعود موجود ہیں؟ انہوں نے عرض کیا ہاں" اس روایت کو عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں اسی طرح بیان کیا ہے۔

ابن ابی حاتم نے عکرمہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے پوچھا گیا کہ قرآن پاک میں ارجی (یعنی سب سے امید فزا) آیت کونسی ہے؟ تو انہوں نے ارشاد فرمایا "کہ وہ اللہ تعالی کا قول "ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا" (حم سجدہ 30)

ترجمہ:۔ بے شک وہ لوگ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے ابن ابی حاتم حسن سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے ابو ہریرہ اسلمی سے سوال کیا قرآن پاک میں وہ کون سی آیت ہے جو اہل نار پر سب سے زیادہ گراں بار ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا ان پر سب سے سخت آیت "فذوقوا فلن نزیدکم الا عذابا" ہے (نباء 30)

ترجمہ:۔ اب چکھو! کہ ہم تمہیں نہ بڑھائیں گے مگر عذاب

بعض علماء کا بیان ہے کہ قرآن مجید میں سب سے لمبی سورت (البقرہ) ہے اور

○ سب سے مختصر سورت "سورہ الکوثر" ہے

○ سب سے لمبی آیت، آیت دین ہے

○ سب سے مختصر آیت قرآن میں والضحی اور والفجر ہے

○ رسم الخط کے لحاظ سے قرآن مجید میں سب سے طویل کلمہ "فاسقیناکموہ" (الحجر 22) قرآن پاک میں دو آیتیں ایسی ہیں کہ ان میں کی ہر آیت میں حروف معجم جمع ہیں اور وہ یہ ہیں "ثم انزل علیکم من بعد الغم امنة الایة" (آل عمران 154) اور " محمد رسول اللہ " الایہ (الفتح 29)

○ قرآن پاک میں (حا) کے بعد (حا) بغیر کسی فاصلہ اور آڑ کے صرف دو مقام پر آئی ہے (1) عقدۃ النکاح حتی (2) لا ابرح حتی اسی طرح دو کاف بلا فاصل دو ہی جگہ آئے ہیں۔ (1) مناسککم (2) ماسلککم اسی طرح دو غین بھی بلا رکاوٹ اور حرف فاصل کے ایک جگہ آئے ہیں۔ "ومن یبتغ غیر الاسلام" (آل عمران 85) اور جو اسلام کے سوا کوئی دین چاہے گا۔

○ اور آیت دین کے سوا کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس میں تئیس کاف جمع ہوں

○ اور مواریث دو آیتوں کے سوا کوئی دو آیتیں ایسی نہیں جن میں تیرہ وقف آئے ہوں

○ اور کوئی تین آیات والی ایسی سورت نہیں جس میں دس واؤ آئے ہوں سوائے سورہ "والعصر" "کے"

○ اور یہ خصوصیت صرف سورہ الرحمن کی ہے کہ اس کی اکیاون آیتوں میں باون وقف ہیں

○ ابوعبداللہ الخبازی المقری بیان کرتے ہیں کہ جب میں پہلی مرتبہ سلطان محمود بن ملک شاہ کے دربار میں گیا تو انہوں نے مجھ سے ایک سوال پوچھا کہ یہ بتاؤ کہ قرآن مجید کی وہ کون سی آیت ہے جس کے اول میں (غین) ہو؟ میں نے جواب دیا کہ ایسی آیات تین ہیں۔

(1) غافر الذنب (2) غلبت الروم (3) اور غیرا لمغضوب علیھم

علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے شیخ السلام ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ کے مخطوطہ سے نقل فرمایا ہے کہ قرآن پاک میں چار پے در پے (لگا تار) شدات حسب ذیل آیات میں آئے ہیں۔

○"نسیامنسیارب السموات"○"فی بحر لجی یغشاہ موج"○"قولا من رب رحیم"○"ولقد زینا السماء"

مبہم آیات کا بیان

معلوم ہونا چاہئے کہ علم مبہمات کا مرجع محض نقل ہے (یعنی اس میں قیاس آرائی کی گنجائش نہیں ہے) اس جگہ ہم صرف بعض اہم آیات مبہمات کے ذکر کرنے پر اکتفاء کریں گے ان کی مثالیں حسب ذیل ہیں۔

مبہم آیات	ترجمہ آیات	مرادو مبہم کا بیان
(1)انی جاعل فی الارض خلیفه (بقرہ-30)	میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں	آدم وحواء علیہم السلام سے مراد ہے
(2)ومن الناس من یعجبك قوله (بقره-204)	اور بعض آدمی وہ ہے کہ دنیا کی میں اس کی بات تجھے بھلی لگے	وہ اخنس بن شریک ہے
(3)ومن الناس من یشری نفسه (بقره-207)	اور کوئی آدمی اپنی جان بیچتا ہے	وہ حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔
(4)ومنهم من كلم الله (بقره-253)	ان میں سے کسی سے اللہ نے کلام فرمایا	مجاہد کا بیان ہے کہ اس سے حضرت موسیٰ علی نبینا مراد ہیں
(5) ورفع بعضهم درجات (بقره -253)	کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا	مجاہد ہی کا قول ہے کہ وہ حضرت محمد ﷺ ہیں۔
(6)امراہ عمران (آل عمران-35)	عمران کی بی بی	ان کا نام حنہ بنت فاقوذ تھا
(7)منادیا ینادی للایمان (آل عمران-193)	(اے رب ہمارے) ہم نے ایک منادی کو سنا کہ ایمان کے لئے ندا فرماتا ہے۔	وہ محمد ﷺ ہیں
(8)ومن یحرج من بیته مهاجرا الی الله ورسوله ثم	اور جو اپنے گھر سے نکلا اللہ ورسول کی طرف ہجرت کرتا پھر	وہ ضمرہ بن جندب تھے

مبہم آیات	ترجمہ آیات	مراد و مبہم کا بیان
یدرکه الموت (النساء-100)	اسے موت نے آلیا۔	
(9) وانی جارلکم (الانفال 48)	اور تم میری پناہ میں ہو	اس سے سرقہ بن جعشم مراد ہے
(10) اذ یقول لصاحبه (التوبه-40)	جب اپنے یار سے فرماتے تھے	صاحب سے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق خلیفہ اولؓ مراد ہیں
(11) ومنهم من يقول ائذن لی (التوبه-49)	اور ان میں کوئی تم سے یوں ہے کہ مجھے رخصت دیجئے	مراد مصداق کا بیان یہ کہنے والا الجد بن قیس تھا
(12) ومنهم من يلمزك فی الصدقات (التوبه-58)	اور ان میں کوئی وہ ہے کہ صدقے بانٹنے میں تم پر طعن کرتا ہے	وہ شخص ذوالخویصرہ
(13) ان نعف عن طائفه منکم (التوبه-66)	اگر ہم تم میں سے کسی کو معاف کریں	وہ مخشی بن حمیر تھا
(14) ومنهم من عاهد الله (التوبه-75)	اور ان میں کوئی وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا	ثعلبہ بن حاطب وغیرہ
(15) وآخرون اعترفوا بذنوبهم (التوبه-102)	اور کچھ اور ہیں جو اپنے گناہوں کا اقرار کرنے والے ہوئے	ابن عباسؓ فرماتے ہیں وہ سات آدمی ابولبابہ اور اس کے ساتھی جدین قیس حرام اوس کردم اور مرداس
(16) وآخرون مرجون (التوبه-106)	اور کچھ موقوف رکھے گئے ہیں	وہ لوگ ہلال بن امیہ مرارہ بن الربیع اور کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور یہی تین حضرات جنگ تبوک کے موقع پر مدینہ منورہ میں پیچھے رہ گئے تھے۔

مبہم آیات	ترجمہ آیات	مراد و مبہم کا بیان
(17)والذين اتخذوا مسجداً ضراراً(التوبہ-107)	اور جنہوں نے مسجد تانی پہنچانے کو	ابن اسحاق کا بیان ہے کہ وبارہ افراد انصار میں سے تھے
(18)افمن كان على بينه من ربه (ہود-17)	اور کیا وہ اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہو	مراد حضرت محمد ﷺ سے ہے
(19)ويتلوه شاهد منه (ہود-17)	اور اس پر اللہ کی طرف گواہ آئے	اس سے مراد کون ہے ؟اس میں چند اقوال آئے ہیں(1) (1)جبرائیل علیہ السلام(2) (2)قرآن مجید(3)حضرت ابوبکر صدیق(4)حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم
(20)انا كفيناك المستهزئين (الحجر-95)	بے شک ان ہنسنے والوں پر ہم تمہیں کفایت کرتے ہیں-	حضرت سعد بن جبیر کا بیان ہے کہ وہ ہنسی اڑانے والے پانچ شخص تھے جن کے نام یہ ہیں- ولید بن المغیرہ العاص بن وائل ابو زمعہ، حارث بن قیس، اسود بن عبد یغوث
(21)ومن يامر بالعدل (النحل-76)	اور جو انصاف کا حکم کرتا ہے	حضرت عثمان بن عفانؓ مراد ہے-
(22)هذان خصمان (الحج-19)	یہ دو فریق ہیں-	حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں- کہ یہ آیت حمزہ عبیدہ بن الحارث، علی بن ابی طالب عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے

مبہم آیات	ترجمہ آیات	مراد و مبہم کا بیان
(23)امراہ تملکھم (النمل-23)	ایک عورت ان پر بادشاہی کر رہی ہے-	یہ عورت بلقیس بنت شراحیل تھی-
(24)الذی عندہ علم الکتاب (النمل-40)	اس نے عرض کی جس کے پاس کتاب کا علم تھا	یہ آصف بن برخیار حضرت سلیمان علیہ السلام کے کاتب تھے-
(25)امراہ فرعون (القصص-9)	فرعون کی بی بی	آسیہ بنت مزاحم
(26)افمن کان مومنا کمن کان فاسقاً(السجدہ-18)	تو کیا جو ایمان والا ہے وہ اس جیسا ہو جائے گا جو بے حکم ہے-	یہ آیت حضرت علی اور ولید بن عقبہ کے بارے میں نازل ہوئی-
(27)قول التی تجادل (المجادلہ-1)	بے شک اللہ نے سنی اس کی بات جو تم سے بحث کرتی ہے-	وہ خاتون خولہ بنت ثعلبہ ہے
(28)فی زوجھا (المجادلہ-1)	اپنے شوہر کے معاملہ میں	شوہر کا نام اوس بن صامت ہے
(29)اسر النبی الی بعض ازواجه(التحریم-3)	نبی پاک نے اپنی ایک بی بی سے راز کی بات فرمائی	وہ زوجہ محترمہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا ہیں
(30)نبات بہ (التحریم-4)	پھر جب وہ اس کا ذکر کر بیٹھی	حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ کو راز بتادیا تھا-
(31)ان تتوبا وان تظاھرا (التحریم-4)	نبی کی دونوں بیبیو! اگر اللہ کی طرف تم رجوع کرو اور اگر ان پر زور باندھو	وہ دونوں حضرت ام المومنین حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہم ہیں
(32)وصالح المومنین (التحریم-4)	اور نیک ایمان والے	طبرانی نے الاوسط میں بیان کیا ہے کہ اس سے مراد حضرت ابوبکر

مبہم آیات	ترجمہ آیات	مراد و مبہم کا بیان
		صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہما ہیں۔
(33)ذرنی ومن خلقت وحیدا (المدثر-11)	اسے مجھ پر چھوڑ جسے میں نے اکیلا پیدا کیا	وہ ولید بن مغیرہ ہے
(34)فلا صدق ولا صلی (القیامہ-31)	اس نے نہ سچ مانا اور نہ نماز پڑھی	یہ آیات ابو جہل کے بارے میں نازل ہوئیں۔
(35)ان جاء الاعمی (عبس-2)	اس پر کہ اس کے پاس وہ نابینا حاضر ہوا	وہ آنے والے حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم تھے
(36)اما من استغنی (عبس-5)	وہ جو بے پرواہ بنتا ہے	وہ امیہ بن خلف تھا اور ایک قول یہ ہے کہ وہ عتبہ بن ربیعہ ہے

قرآن مجید میں ابہام کے آنے کے اسباب و وجوہ کا بیان

قرآن میں ابہام کے آنیکی کئی وجوہ ہیں۔

○ اول:۔ وجہ یہ ہے کہ چونکہ دوسری جگہ اس کا بیان ہو جانے کی وجہ سے وہ مستغنی عن البیان ہے لہٰذا مبہم ذکر کر دیا جاتا ہے مثلاً" اللہ تعالیٰ کا یہ قول" صراط الذین انعمت علیھم" اس جگہ بیان نہیں کیا کہ وہ کون لوگ ہیں جن پر انعام ہوا مگر اس کا بیان دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کے قول" مع الذین انعم اللّٰہ علیھم من النبین والصدیقین والشھداء والصالحین" میں آگیا ہے۔

○ دوسری:۔ وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس لئے مبہم رکھتے ہیں کہ وہ اپنے مشہور ہونے کی بناء پر متعین ہے مثلاً" اللہ تعالیٰ کا قول ہے"وقلنا یاآدم اسکن انت وزوجک الجنہ" کہ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے"حوا" نہیں فرمایا جس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی ان کے سوا کوئی دوسری بیوی تھی ہی نہیں لہٰذا وہ متعین ہیں محتاج نہیں ہے یا"الم ترا الی الذی حاج ابراہیم فی ربہ" کہ یہاں نمرودد مراد ہے اس کو بیان نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ بات مشہور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرودد کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔

○ تیسری:۔ وجہ یہ ہے کہ بیان نہ کرنے میں کسی شخص کی پردہ پوشی مقصود ہوتی ہے تاکہ یہ طریقہ اس کو برائی سے بچانے میں زیادہ موثر ثابت ہو اور اس پر نرمی ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے"ومن الناس من یعجبک قولہ فی الحیٰوۃ الدنیا" الایہ وہ شخص اخنس بن شریق تھا جو بعد میں دولت ایمان سے بہرہ ور ہوا اور بہت اچھا مسلمان ثابت ہوا۔

○ چوتھی:۔ وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس مبہم چیز کے متعین کرنے میں کوئی بڑا فائدہ نہیں ہوتا جیسے " او کالذی مر علی قریۃ " اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قول"واساتھم عن القریہ"

○ پانچویں:۔ وجہ یہ ہے کہ اس چیز کے عموم پر تنبیہہ کرنا مقصود ہوتی ہے کہ یہ خاص

نہیں ہے عام ہے کیونکہ اس کے برعکس اگر تعیین کر دی جاتی تو اس میں خصوصیہ۔ پیدا ہو جاتی ہمہ گیریت نہ رہتی جیسے اللہ تعالی کا قول ہے"ومن یخرج من بیتہ مہاجرا"

○چھٹی:۔ وجہ یہ ہے کہ اسم اس کے بغیر اس لئے ذکر کرتے ہیں کہ وصف کامل کے ساتھ موصوف کرنے میں اس کی تعظیم مقصود ہوتی ہے جیسے"ولا یاتل اولوا الفضل" اور"والذی جاء بالصدق وصدق بہ" اور"اذ یقول لصاحبہ" حالانکہ اس سب جگھوں میں مراد سچا دوست (صدیق) ہی ہے

○ساتویں:۔ وجہ ابہام رکھنے کی یہ ہوا کرتی ہے کہ وصف ناقص کے ساتھ تحقیر کرنے کا قصد ہوتا ہے مثلاً" اللہ تعالی کا قول ہے"ان شانئک ھوالابتر"(الکوثر 3) بے شک تمہارا دشمن ہی وہی ہر خیر سے محروم ہے

قرآن کی تفسیر و تاویل کی معرفت اور اس کی ضرورت کا بیان

تفسیر اور تاویل کے بارے میں اختلاف ہے۔

ابو عبیدہ اور ایک گروہ کا کہنا ہے کہ یہ دونوں لفظ ہم معنی ہیں امام راغب کا قول یہ ہے کہ "تغیر کا معنی تاویل کی بہ نسبت عام ہے تغیر کا استعمال زیادہ تر الفاظ اور مفردات میں ہوتا ہے اور تاویل کا استعمال اکثر معانی اور جملوں میں ہوتا ہے پھر (یہ بھی فرق ہے کہ) تاویل کا استعمال کتب الہیہ میں ہوتا ہے اور تفسیر کو کتب الہیہ اور ان کے علاوہ دیگر کتابوں میں بھی استعمال کر لیتے ہیں۔

علامہ زرکشی بیان کرتے ہیں کہ "تفسیر" وہ علم ہے جس سے قرآن پاک کو سمجھا جاتا ہے اور اسی علم تفسیر کے ذریعے قرآن کریم کے معانی کا بیان اس کے احکام کا استخراج اور اس کے اسرار و مضمرات کو معلوم کیا جاتا ہے اس سلسلے میں علم لغت، علم نحو، علم صرف علم بیان، اصول فقہ اور قوانین قرات سے مدد لی جاتی ہے۔

اسی طرح تفسیر قرآن کے لئے اسباب نزول اور ناسخ و منسوخ کی معرفت بھی

ضروری ہے۔

علم تفسیر کی فضیلت:۔

علم تفسیر کی فضیلت اور اس کا شرف و مرتبہ کوئی مخفی امر نہیں ہے اس بارے میں خود اللہ تعالی کا ارشاد مبارک ہے۔

"یوتی الحکمة من یشاء ومن یوت الحکمة فقد اوتی خیرا" کثیرا"" (البقرہ 269) ترجمہ:۔ اللہ حکمت دیتا ہے جسے چاہے اور جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالی کے قول "یوتی الحکمہ" سے مراد معرفت قرآن ہے یہ کہ اس میں ناسخ کیا ہے منسوخ کیا ہے محکم کیا ہے اور متشابہ کیا ہے۔ مقدم کون سی چیز ہے اور موخر کونسی اور حلال کیا اور حرام کیا اور امثال کی شناخت کہ کون سی ہیں۔

ابوذر ھروی "فضائل القرآن" میں سعید بن جبیر کے حوالہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا جو شخص قرآن مجید تو پڑھتا ہے مگر اس کی تفسیر اچھی طرح نہیں جانتا اس کی حالت اس اعرابی جیسی ہے۔ جو مطلب سمجھے بغیر بے ڈھب، شعر گنگنا تا رہتا ہے۔

○ امام بیہقی اور دیگر علماء نے بیان کیا ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مرفوعا" روایت ہے "اعربوا القرآن والتمسوا غرائبه"

قرآن پاک کی تفسیر کرو اور اس کے عجیب و غریب معانی کی تلاش و جستجو میں لگے رہو۔

○ ابن الانباری حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ "مجھے قرآن پاک کی کسی ایک آیت کو حفظ کرنے کی نسبت اس کی تفسیر بیان کرنا زیادہ محبوب ہے۔

اسی راوی نے حضرت عبداللہ بن بریدہ سے بواسطہ کسی صحابی کے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا "اگر مجھے چالیس راتوں کا سفر کر کے بھی قرآن پاک کی کسی ایک

آیت کی تفسیر کا علم حاصل کرنا پڑے تو میں ضرور اس کے لئے سفر اختیار کر لوں"

اور اسی روای نے شعبی کے طریق پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا کہ جس نے قرآن پاک کو تفسیر کے ساتھ پڑھا اس کے لئے اللہ تعالی کے نزدیک ایک شہید کا ثواب ملے گا۔

اعراب سے مراد تفسیر ہے

علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں مذکورہ بالا آثار کا معنی یہ ہے کہ اعراب و تعریب سے تفیر مراد لی گئی ہے اس لئے کہ اعراب کا اطلاق حکم نحوی پر نئی اصطلاح ہے اور اس لئے کہ سلف صالحین اپنے سلیقہ میں اس کے سیکھنے کے محتاج نہ تھے

○ علامہ اصبہانی فرماتے ہیں کہ "سب سے افضل صنعت یا فن جو انسان اختیار کرتا ہے وہ قرآن مجید کی تفسیر ہے۔

فن تفیر کو تین وجوہ سے دیگر علوم و فنون پر شرف حاصل ہے۔

(1) موضوع کے اعتبار سے اس لئے کہ اس کا موضوع اللہ تعالی کا کلام ہے جو تمام حکمتوں کا سرچشمہ اور ہر طرح کی فضیلتوں کا معدن اس میں ماضی، حال اور مستقبل کے حالات اور اخبار کا بیان ہے۔ اس کے احکام مرور زمانہ کے ہاتھوں فرسودہ اور پرانے نہیں ہوتے اور نہ ہی اس کے عجائب ختم ہوتے ہیں۔

(2) اور غرض کے اعتبار سے اس کو جو شرف و بزرگی حاصل ہے۔' وہ اس لئے کہ اس کی غرض و غایت ہے "عروۃ الوثقی" کو مضبوطی سے پکڑنا اور اس سعادت حقیقی کو پالینا جسے کبھی فنا نہیں ہے۔

(3)اس کی سخت ضرورت ہونے کے لحاظ سے شرف یوں ہے کہ دینی یا دنیوی ہر کمال جلد حاصل ہونے والا ہو یا بدیر علوم شرعیہ اور معارف دینیہ ہی کا متحاج ہوا کرتا ہے اور یہ علوم و معارف کتاب اللہ کے علم پر موقوف ہیں۔

تفسیر کے اصل الاصول ماخذ

تفسیر قرآن کے چار ماخذ ہیں۔

پہلا ماخذ:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کا پایا جانا اور یہ سب سے عمدہ ماخذ لیکن ضعیف اور موضوع روایت سے احتراز لازم ہے کیونکہ کمزور اور من گھڑت روایات بکثرت ملتی ہیں اسی لئے امام احمد رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ تین قسم کی روایتیں ایسی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں ہے

مغازی، ملاحم، اور تفسیر

امام احمد کے اصحاب میں سے محققین نے کہا ہے کہ اس قول سے امام صاحب کی مراد یہ ہے کہ عام طور پر ان امور کی صحیح اور متصل اسناد نہیں پائی جاتیں ورنہ یوں تو اس کے بارے میں اکثر صحیح روایتیں بھی آئی ہیں جیسے سورہ انعام کی آیت میں لفظ "ظلم " کی تفسیر "شرک" اور "الحساب الیسیر" کی تفسیر عرض کے ساتھ اور قول باری تعالی ہے " واعدوا لھم ما استطعتم من قوہ" میں لفظ قوہ کی تفسیر "رمی" (تیر اندازی بم باری) کے ساتھ صحیح روایت کے ساتھ منقول ہے

علامہ جلال الدین سیوطی زرکشی نے جو ثابت کیا ہے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ تفسیر کے متعلق صحیح روایات درحقیقت بہت ہی کم واقع ہوئی ہیں بلکہ اس قسم سے اصل مرفوع احادیث حد درجہ قلت کے ساتھ پائی گئی ہیں۔

دوسرا ماخذ:۔ اقوال صحابہ (علیھم الرضوان) سے اخذ کرنا کیونکہ ان کی تفسیر علماء کے نزدیک اس روایت کے درجہ میں ہے جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع ہو جیسا کہ حاکم نے اپنی "مستدرک" میں بیان کیا ہے

تیسرا ماخذ:۔ مطلق لغت کو ماخذ بنانا کیونکہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے اس بات کو علماء کی ایک جماعت نے ذکر کیا ہے امام احمد رحمتہ اللہ تعالی علیہ نے بھی کئی مقام پر اسی بات پر صاد کیا ہے

لیکن فضل بن زیاد نے امام احمد علیہ الرحمہ ہی سے نقل کیا ہے کہ ان سے ایک مرتبہ قرآن پاک کی مثال کسی شعر سے پیش کرنے کی بابت دریافت کیا گیا کہ یہ کیسا

ہے؟ تو انہوں نے فرمایا مجھے یہ بات اچھی نہیں لگتی؟ چنانچہ کہا گیا ہے کہ امام احمد کے اس قول کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ ممنوع ہے اسی لئے بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ " قرآن مجید کی تفسیر لغت کے مقتضاء کے مطابق جائز ہونے میں امام حمد سے دو روایتیں آئی ہیں۔

اور یہ بھی قول ہے اس سلسلے میں کراہت کا احتمال اس شخص پر ہو گا جو کہ آیت کو اس کے ظاہر سے ایسے معنی کی طرف پھیرے جو اس کی ذات سے خارج اور محض محتمل ہیں اور کلام عرب کی دلالت اس معنی پر کم ہی ہو اور غالب اور زیادہ تر وہ معنی شعر اور اسی کی مثل کے علاوہ اور کلام میں نہیں پائے جاتے اور ذہن فوری طور پر اس کے خلاف کی طرف ہی سبقت کرتا ہو۔

چوتھا ماخذ:۔ تفسیر قرآن کلام کے معنی کے مقتضی اور شریعت سے مکتسب اور ماخوذ رائے سے کی جائے اور یہی تفسیر ہے جس کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ کے لئے دعا کی تھی کہ "اللھم فقھه فی الدین وعلمه التاویل"

اے اللہ! تو اسے فقیہہ اسلام اور عالم تفسیر بنا دے

اور اسی امر کو حضرت علی کرم اللہ وجھہ الکریم نے اپنے قول "الا فھما یوتاہ الرجل فی القرآن" (مگر وہ فہم و ادراک جو کسی شخص کو قرآن کے بارے میں عطا فرمائی گئی ہو) سے مراد لیا ہے۔ اور اسی وجہ سے صحابہ رضی اللہ تعالی عنھم کا اس آیت کے معنی میں اختلاف ہوا اور ہر ایک نے اپنے منتہائے فکر و نظر کے مطابق اپنی رائے قائم فرمائی مگر قرآن مجید کی تفسیر بغیر کسی اصل کے محض رائے اور اجتہاد کے ساتھ کرنا جائز نہیں ہے اللہ تعالی فرماتا ہے "ولا تقف ما لیس لک به علم" (بنی اسرائیل 36) جس چیز کا تمہیں علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑو۔

نیز فرمایا "وان تقولوا علی اللّٰہ مالا تعلمون" اور یہ کہ اللہ پر وہ بات کہو جس کا علم نہیں رکھتے (اعراف 33)

اسی طرح ارشاد ہے "لتبین للناس مانزل الیھم "(النحل 44)
تم لوگوں سے بیان کر دو جوان کی طرف اترا اس میں " بیان" کی نسبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " من تکلم فی القرآن برایہ' فاصاب فقد اخطاء" "جس شخص نے اپنی رائے سے قرآن مجید میں کوئی بات کہی چاہے اس کی بات درست بھی نکلی مگر اس نے ایسا کرنے میں غلطی کی ہے اس حدیث کو ابوداؤد ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے۔

اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوا مقعدہ من النار "(اخرجہ ابوداؤد)

جس شخص نے قرآن پاک (کی تفسیر) میں بغیر علم کے کوئی بات کہی پس وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے

امام بیہقی پہلی حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "اگر یہ حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو (حقیقت امر تو اللہ ہی جانتا ہے لیکن) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "رائے" سے وہی رائے مراد لی ہے جس کی پشت پر کوئی دلیل قائم نہ ہو' ورنہ وہ رائے جس کی تائید و توثیق کوئی روشن دلیل کر دے اس کو تفسیر میں پیش کرنا جائز ہے

○ ماوردی رحمتہ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ "بعض محتاط اور پرہیزگار لوگوں نے اس حدیث کو اس کے ظاہری معنی پر محمول کرتے ہوئے اجتہاد سے قرآن پاک سے احکام کا استنباط کرنا ممنوع قرار دیا ہے اگرچہ شواہد اس کے جواز کا ساتھ دیتے ہوں اور کوئی نص صریح بھی ان کے قول کے شواہد کے معارض نہ ہو پھر بھی وہ اپنے اجتہاد سے قرآن حکیم کے معانی کا استنباط کرنے سے دستکش رہے ہیں لیکن یہ فعل ہمارے اس تعبد (عبادت گزاری) سے ایک قسم کا تجاوز ہے جس کی معرفت کا ہمیں حکم ملا ہے کہ ہم قرآن میں نظر و فکر کر کے اس سے احکام مستنبط کریں جیسا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے "لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم "(النساء 83)

ترجمہ:۔ تو ضرور ان سے اس کی حقیقت جان لیتے یہ جو بعد میں کاوش کرتے ہیں اور اگر پرہیزگار لوگوں کی یہ منطق درست مان لی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اجتہاد کا دروازہ بند' اور استنباط کے ذریعے سے کسی امر کو معلوم کرنا ہی شجر ممنوعہ ہے اور اکثر لوگ قرآن پاک سے کسی چیز کو سمجھیں ہی نہیں۔ اور اگر حدیث مذکور صحیح ثابت ہو تو اس کی تاویل یعنی اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ "جو شخص صرف اپنی رائے سے قرآن حکیم کے بارے میں کلام کرے اور بجز اس کے لفظ کے کسی اور بات پر توجہ نہ کرے تو خواہ وہ حق بات کو پالے مگر وہ ہے غلط رو اور اس کا صحیح منہاج پر چلنا اتفاق ہی سے ہے! کیونکہ اس حدیث کا منشاء یہ ہے کہ ایسا قول محض رائے ہے جس کا کوئی شاہد نہیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ "القرآن ذلول ذو وجوہ ' فاحملوہ علی احسن وجوھہ یعنی قرآن بہت ہی رام ہو جانے والی سہل الفہم چیز ہے اور وہ متعدد وجوہ (پہلو) رکھتا ہے لہٰذا تم اسے سب سے اچھے پہلو پر محمول کرو۔ اس حدیث کو ابونعیم وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے نقل کیا ہے اس حدیث میں لفظ (ذلول) دو معنوں کا احتمال رکھتا ہے (1) ایک یہ کہ وہ قرآن اپنے حاملین (اٹھانے والوں) کا اس طرح مطیع اور ان کے زیر تصرف ہے کہ ان کی زبانیں اسی قرآن ہی کے ساتھ ناطق اور گویا ہیں

(2) دوسرے یہ کہ قرآن خود اپنے معانی کو واضح کرتا ہے یہاں تک کہ ان مجتہدین کی سمجھ فہم القرآن سے قاصر اور عاجز نہیں رہتی۔

اور "ذو وجوہ" کا قول بھی دو معنوں کا محتمل ہے (1) ایک یہ کہ قرآن کے بعض الفاظ ایسے ہیں جو تاویل کی کئی وجوہ کا احتمال رکھتے ہیں (2) اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ قرآن پاک میں اوامر و نواہی' ترغیب و ترہیب اور تحلیل و تحریم کی قسم سے بہ کثرت وجوہ موجود ہیں۔

○ اور اسی طرح قولہ "فاحملوہ علی احسن وجوھہ" بھی دو معنوں کا احتمال رکھتا ہے ایک یہ ہے کہ اس کو اس کے بہترین معانی پر حمل کرنا ہے اور دوسرے یہ معنی

ہیں کہ کلام اللہ میں جو بہترین باتیں ہیں وہ عزیمتیں بغیر رخستوں کے ہیں اور عفو بغیر انتقام کے ہے اور اس بات میں کتاب اللہ سے استنباط اور اجتہاد کے جواز پر دلیل بڑی روشن ہے۔

مفسر کون ہو سکتا ہے؟

علماء بیان کرتے ہیں کہ قرآن کی تفسیر وہ شخص کر سکتا ہے جو تمام ایسے علوم کا جامع ہو جن کی حاجت مفسر کو ہوتی ہے اور وہ مندرجہ ذیل پندرہ علوم ہیں۔

(1) علم لغت۔ کیونکہ مفردات الفاظ کی شرح اور ان کے مدلولات باعتبار وضع اسی علم کے ذریعہ سے معلوم ہوتے ہیں۔

(2) علم نحو۔ نحو کا علم اس لئے ضروری ہے کہ معانی کا تغیر اور اختلاف اعراب کے اختلاف سے وابستہ ہے لہذا اس کا اعتبار ناگزیر ہے۔

ابو عبید نے حسن رحمتہ اللہ سے روایت کی ہے کہ ان سے اس شخص کے متعلق پوچھا گیا جو کہ زبان سے الفاظ کو ٹھیک طریق سے ادا کرنے اور صحیح قرات کرنے کے لیے عربی زبان سیکھتا ہے تو حسن رحمتہ اللہ نے جواب دیا "اس کو عربی کی تعلیم ضرور لینی چاہیے کیونکہ ایک آدمی کسی آیت کو پڑھتا ہے اور وہ وجہ اعراب میں لغزش کھا کر ہلاکت میں جا گرتا ہے۔

(3) علم صرف۔ اس سے لفظوں کی ساخت اور صیغوں کا علم حاصل ہوتا ہے ابن فارس رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جس شخص سے علم صرف فوت ہو گیا وہ ایک عظیم الشان چیز سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے۔

(4) علم اشتقاق:۔ کیونکہ اگر ہم اشتقاق دو مختلف مادوں سے ہو گا تو وہ اپنے دونوں مادوں کے مختلف ہونے کے لحاظ سے الگ الگ ہو گا جیسے "مسیح" کہ معلوم نہیں آیا وہ "سیاحت" سے مشتق ہے یا "مسح" سے بنا ہے

(5، 6، 7) معانی' بیان اور بدیع کے علوم کیونکہ علم معانی سے مفید ہونے کے لحاظ سے ترکیب کلام کے خواص کی معرفت اور شناخت حاصل ہوتی ہے۔

علم بیان۔ سے تراکیب کلام کے خواص کی معرفت ان کے وضوح دلالت اور خفائے دلالت میں مختلف ہونے کے اعتبار سے حاصل ہوتی ہے اور علم بدیع وجوہ تحسین کلام کی معرفت کا ذریعہ ہے انہیں تین علوم کو علوم بلاغت کہتے ہیں۔

اور مفسر کے لئے یہ تینوں علوم رکن اعظم ہیں کیونکہ مفسر کے لئے مقتضائے اعجاز کی رعایت لازمی امر ہے اور وہ صرف انہی علوم سے معلوم ہو سکتا ہے

(8) علم قرات۔ اس لئے کہ قرآن کے ساتھ نطق کی کیفیت اسی علم کے ذریعہ سے معلوم ہوتی ہے اور قراتوں ہی کے ذریعہ سے احتمالی وجوہ میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دی جاتی ہے۔

(9) علم اصول دین۔ یہ علم اس لئے ضروری ہے کہ قرآن پاک میں ایسی آیات بھی ہیں جو اپنے ظاہر کے اعتبار سے ایسی چیز پر دلالت کرتی ہیں جس کا اطلاق اللہ تعالی پر جائز نہیں ہوتا ہے لہذا اصولی شخص (کہ جس کو اصول دین کا علم حاصل ہو گا) اس کی تاویل کر کے ایسا طریق نکال لے گا۔ جو عقیدہ صحیحہ کے موافق ہو اور اللہ تعالی کی طرف ان باتوں کی نسبت درست ہو سکے۔

(10) علم اصول فقہ۔ کیونکہ اسی علم سے احکام پر دلیل قائم کرنے اور استنباط مسائل کا طریقہ معلوم ہوتا ہے

(11) اسباب نزول۔ اور قصص کا علم۔ یہ اس لئے ضروری ہے کہ شان نزول کے علم سے ہی آیت کے وہ معنی معلوم ہوتے ہیں جن کے بارے میں آیت نازل کی گئی ہے

(12) علم ناسخ و منسوخ۔ اس علم کی ضرورت اس لئے ہے تاکہ محکم آیات کو اس کے ماسوا سے ممتاز کر سکیں۔

(13) علم فقہ۔

(14) ان احادیث مبارکہ کا علم ہو کہ تفسیر مجمل اور مبہم کی مبین ہیں۔

(15) علم وہبی (یا علم لدنی) یہ وہ علم ہے جو اللہ تعالی اپنے عالم با عمل بندوں کو عطا فرماتا ہے اسی کی طرف اشارہ ہے اس حدیث میں کہ "من عمل بما علم ورثه اللّٰہ مالم

یعلم "یعنی جو شخص اپنے علم پر عمل کریگا۔ تو اللہ تعالی اس کو ان باتوں کا بھی علم عطا فرمادیگا جو اسے معلوم نہیں ہیں۔

ابن ابی الدنیا فرماتے ہیں۔

"قرآن کے علوم اور اس سے مستنبط ہونے والے احکام و مسائل ایک بحر بے کراں ہے۔

پس یہ علوم جو مفسر کے بارے بمنزلہ آلہ کے ہیں اور چراغ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں ان کے حاصل کئے بغیر کوئی شخص مفسر نہیں ہو سکتا اور جو شخص ان علوم کے بغیر تفسیر قرآن کریگا وہ تفسیر بالرائے کا مرتکب ہو گا جس کے بارے میں نہی وارد ہوئی ہے اور لیکن جب ان علوم کے حاصل کرنے کے بعد تفسیر کرے گا تو مفسر بالرائے نہ ہو گا جس سے کہ ممانعت ہے۔

صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ تعالی عنہم علوم عربیہ کے طبعی اور فطری طور پر ہی عالم تھے وہ اکتسابی عالم نہ بنے تھے اور دیگر علوم کا انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کیا تھا اور تعلیم سے حاصل کئے تھے

کتاب البرہان میں ہے معلوم ہونا چاہئے کہ صاحب نظر آدمی کے لئے اس وقت تک معانی وحی کا مفہم ادراک حاصل نہیں ہو سکتا اور اس پر وحی کے اسرار و رموز اس وقت تک آشکارا نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ اس کے دل میں کوئی بدعت تکبر، ہوائے نفس، حب دنیا ہوتی ہے یا وہ گناہ پر اصرار کرتا رہتا ہے۔ یا اس کا ایمان تذبذب اور تزلزل کا شکار رہتا ہے یا اس کا پائیہ تحقیق ڈھیلا ہوتا ہے یا کسی ایسے مفسر کے قول پر اعتماد کرتا ہے جو علم سے کورا ہوتا ہے یا اپنی عقل ہی پر تفسیر کا پورا محل تعمیر کرنے والا ہوتا ہے اور یہ تمام باتیں ایسے موانع حجابات اور حصول فہم و عقل کی راہ کے روڑے ہیں ایک سے ایک بڑھ کر ہے۔

طبقات مفسرین

تفسیر صحابہ

صحابہ کی جماعت میں سے دس صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم مفسر مشہور ہوئے ہیں خلفاء اربعہ (5) حضرت عبداللہ بن مسعود (6) حضرت عبداللہ بن عباس (7) حضرت ابی بن کعب (8) حضرت زید بن ثابت (9) حضرت ابوموسی الاشعری اور حضرت عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین)

خلفائے اربعہ علیہم اجمعین میں سے سب سے زیادہ روایتیں تفسیر قرآن کے سلسلہ میں حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم سے آئی ہیں اور باقی تینوں خلفاء رضی اللہ تعالی عنہم سے اس بارے میں بہت ہی کم روایتیں منقول ہیں اور اس کا سبب یہ تھا کہ ان کا وصال پہلے ہو گیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت حدیث کی قلت کا بھی یہی سبب ہے۔

تفسیر قرآن کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے بہت ہی کم آثار (اقوال) محفوظ ہیں جو تعداد میں تقریباً دس سے متجاوز نہیں ہونگے مگر حضرت مولی علی مشکل کشاء کرم اللہ وجہہ الکریم سے بکثرت آثار تفسیر کے بارے میں مروی ہیں۔

○ معمر نے وہب بن عبداللہ رحمتہ اللہ سے اور وہب نے ابوالطفیل رحمتہ اللہ سے روایت کی ہے وہ بیان کرتے ہیں میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو خطبہ دیتے ہوئے دیکھا وہ فرما رہے تھے۔

ترجمہ تم لوگ مجھ سے سوال کرو! کیونکہ اللہ کی قسم تم جو بات بھی پوچھو گے میں تم کو اس کی خبر دونگا' ہاں مجھ سے قرآن پاک کے متعلق سوال کرو اس لئے کہ واللہ کوئی آیت ایسی نہیں جس کے بارے میں مجھ کو علم نہ ہو کہ آیا وہ رات میں نازل ہوئی یا دن میں اور ہموار میدان میں اتری یا پہاڑی علاقہ میں ابونعیم کتاب الحلیہ' میں ابوبکر بن عیاش کے طریق نصیر بن سلیمان الاحمس سے اس کے باپ سلیمان کے واسطہ سے۔

اور سلیمان حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا

"واللّٰہ مانزلت آیتہ الا وقد علمت فیم انزلت واین انزلت ان ربی وھب لی قلبا عقولا' ولسانا" سئولا"" ترجمہ:۔ اللہ کی قسم کوئی آیت ایسی نہیں نازل ہوئی جس کی نسبت میں نے یہ نہ معلوم کر لیا ہو کہ وہ کس بارے میں نازل ہوئی ہے میرے رب نے مجھ کو ایک نہایت سمجھ والا دل اور بہت سوال کرنے والی زبان عطا فرمائی ہے۔

○ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہما سے بہ نسبت حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے بھی زیادہ روایتیں منقول ہیں۔

ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ

" اس ذات پاک کی قسم ہے جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے کہ کتاب اللہ کی کوئی آیت نہیں اتری مگر یہ کہ مجھ کو علم ہے کہ وہ کن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئیں ہے۔ اور اگر میں کسی ایسے شخص کا مکان جانتا ہوتا جو کہ کتاب اللہ کا مجھ سے زیادہ علم رکھنے والا ہے۔ ہو اور وہاں تک سواریاں پہنچ سکتی ہوں تو اس کے پاس میں جا پہنچتا"

○ ابو نعیم رحمتہ اللہ نے ابو البحتری سے روایت کی ہے انہوں نے بیان کیا ہے کہ لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم دریافت کیا آپ ہم سے ابن مسعود (رضی اللہ تعالی عنہ) کے بارے میں کچھ بیان فرمائیے۔ تو حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے جواب میں ارشاد فرمایا "علم القر آن والسنہ ثم انتھی' وکفی بذلک علما"

یعنی انہوں نے قرآن اور سنت کا علم سیکھا اور پھر وہ منتھی ہو گیا اور ان کا اس قدر علم کافی ہے!

○ رہے ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما تو وہ ترجمان القرآن ہیں اور وہ شخصیت ہیں جن کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ "اللھم فقھہ فی الدین وعلمہ

التاویل" اے اللہ! تو اس کو دین کا فقیہہ بنا اور تاویل و تفسیر کا عالم بنا۔
اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کے لئے یہ بھی دعا فرمائی۔
"اللھم آتہ الحکمۃ"اے اللہ! تو اس کو حکمت عطا فرما اور ایک روایت میں ہے
"اللھم علمہ الحکمۃ" اے اللہ! تو اس کو حکمت سکھا۔

○ ابو نعیم نے "الحلیہ" میں ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حق میں دعا کی اور فرمایا"اللھم بارک فیہ وانشر منہ"یا اللہ! تو اس میں(اس کے علم میں) برکت عطا فرما اور اس کے علم کی اشاعت فرما دے اور اس کو پھیلا دے۔

ابو نعیم نے اپنی ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس حالت میں پہنچا جب آپ کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام موجود تھے پس جبرائیل علیہ السلام نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یہ شخص اس امت کا" حبر" زبردست عالم ہونے والا ہے لہٰذا آپ اس کی نسبت نیک وصیت فرمائیں۔

○ پھر اسی راوی نے عبداللہ بن حراش کے طریق پر بہ واسطہ عوام بن حوشب' مجاہد رحمتہ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ ابن عباس نے کہا مجھ سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"نعم ترجمان القرآن انت" تم کیا خوب ترجمان قرآن ہو۔

○ ابو نعیم نے مجاہد سے روایت کی ہے انہوں نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما اپنے علم کی کثرت کی وجہ سے بحر العلوم کہلاتے تھے (یعنی آپ کو علم کا سمندر کہا جاتا تھا)

اور ابن الحنیفہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا ابن عباس اس امت کے حبر (زبردست) عالم ہیں۔

اسی راوی نے حسن سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا"ابن عباس رضی اللہ

تعالی عنہما کو فہم القرآن میں وہ بلند مرتبہ حاصل تھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہما فرمایا کرتے تھے "ذاکم فتی الکھول ان لہ لسانا سولا وقلبا عقولا" یہ ہیں تمہارے پختہ عمر نوجوان تحقیق ان کی زبان بے حد سوال کرنے والی اور دل اعلی درجہ کا دانش ور ہے۔

○ امام بخاری نے سعید بن جبیر کے طریق پر ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کی ہے انہوں نے بیان کیا ہے کہ "حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہما مجھ کو اپنی خدمت میں شیوخ بدر کے پاس جگہ دیتے اور ان کے ساتھ بٹھاتے تھے اسی وجہ سے ان شیوخ میں سے بعض کے دل میں یہ خیال آیا اور اس نے کہا" یہ لڑکا ہمارے ساتھ کیوں داخل کا جاتا ہے حالانکہ یہ تو ہمارے بیٹوں کا ہم عمر ہے۔ حضرت عمر نے یہ اعتراض سن کر فرمایا یہ لڑکا ان لوگوں میں سے ہے جن کے درجہ کو تم جانتے ہو

چنانچہ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک دن شیوخ بدر کو بلا بھیجا اور ابن عباس کو بھی انہی کے ساتھ بٹھایا۔ حضرت ابن عباس کہتے ہیں میں سمجھ گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے آج مجھ کو ان لوگوں کے ساتھ محض اس لئے بلایا تاکہ ان کو میرا مقام دکھا دیں چنانچہ حضرت عمر نے شیوخ بدر کو مخاطب کرتے ہے۔ دریافت فرمایا تم لوگ اللہ تعالی کے قول "اذا جاء نصر اللّٰه والفتح" کے متعلق کیا کہتے ہو یعنی اس کا کیا مفہوم ہے؟ بعض شیوخ نے کہا ہمیں اس وقت اللہ تعالی کی حمد کرنے اور اس سے بخشش مانگنے کا حکم دیا گیا ہے جب کہ ہم کو نصرت عطا ہو اور ہمیں فتوحات نصیب ہوں۔ بعض شیوخ بالکل چپ رہے انہوں نے کوئی بات نہیں کہی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اس کے بعد میری طرف توجہ فرما کر کہا کیوں ابن عباس (رضی اللہ تعالی عنہ) کیا تم بھی ایسا ہی کہتے ہو؟ میں نے کہا نہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے پوچھا پھر تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کی طرف اشارہ جس کا علم اللہ تعالی نے آپ کو دیا تھا۔ اور فرمایا کہ "اذا جاء نصر اللّٰه والفتح" جس وقت اللہ تعالی کی نصرت اور فتح آئے تو یہ بات

تمہارے دنیا سے سفر کرنے کی علامت ہے اس وقت تم اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرنا اور اس میں مغفرت طلب کرنا بے شک اللہ تعالی بہت توبہ قبول کرنے والا ہے میرا یہ جواب سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا "مجھ کو بھی اس سورت کے بارے میں یہی معلوم ہوا ہے جو تم کہتے ہو"

طبقہ تابعین

علامہ ابن تیمیہ کا بیان ہے تفسیر کے سب سے بڑے عالم اہل مکہ ہیں اس لئے کہ وہ لوگ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ کے اصحاب میں سے ہیں (یعنی انہیں آپ کی صحبت اور رفاقت حاصل رہی ہے) جیسے مجاہد، عطاء بن ابی رباح، عکرمہ مولی ابن عباس، سعید بن جبیر اور طاؤس وغیرہ رضی اللہ تعالی عنہم اور اسی طرح کوفہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہم کے اصحاب اور علماء مدینہ بھی تفسیر کے بارے میں اعلی معلومات کے حامل ہیں مثلا" زید بن اسلم جن سے کہ ان کے بیٹے عبدالرحمن بن زید اور مالک بن انس نے تفسیر کا علم حاصل کیا۔

ان بزرگوں میں سرفہرست حضرت مجاہد ہیں حضرت فضل بن میمون بیان کرتے ہیں میں نے حضرت مجاہد کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ انہوں نے کہا

"میں نے تیس مرتبہ قرآن مجید کو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما پر پیش کیا ہے

نیز اسی راوی کا بیان ہے کہ مجاہد کہتے ہیں میں نے قرآن کو ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کے سامنے تین مرتبہ اس کیفیت کے ساتھ پڑھا کہ اس کی ایک ایک آیت پر ٹھہر کر پوچھا کہ وہ کس کے متعلق نازل ہوئی ہے اور کیسے تھی۔؟

○ خصیف کا بیان ہے کہ ان لوگوں میں مجاہد بہت بڑے مفسر قرآن تھے امام ثوری کہتے ہیں "اگر تم کو مجاہد سے تفسیر کی روایت ملے تو تمہارے لئے بہت کافی ہے

ابن تیمیہ کا قول ہے "اسی سبب سے مجاہد کی تفسیر پر شافعی اور بخاری وغیرہ اہل علم اعتماد کرتے ہیں۔

علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں فریابی نے اپنی تفسیر میں بیشتر اقوال صحابی اور تابعی کے اقوال بہت تھوڑے لائے ہیں۔

○ اور منجملہ ان تابعین کے جن کی تفسیر قابل اعتماد ہے سعید بن جبیر بھی ہیں حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں۔

تم تفسیر چار شخصوں سے اخذ کرو سعید بن جبیر سے مجاہد سے عکرمہ سے اور ضحاک سے حضرت قتادہ کا بیان ہے

"تابعین میں سے چار شخص بہت بڑے عالم ہیں۔ عطاء بن ابی رباح رحمتہ اللہ علیہ یہ مناسک کے بہت بڑے عالم تھے۔

○ سعید بن جبیر یہ تفسیر کے بہت ماہر تھے

○ حضرت عکرمہ کو علم سیر میں بہت دسترس حاصل تھی۔

○ اور حضرت حسن ان میں حلال اور حرام کے سلسلہ میں وسیع معلومات رکھتے تھے۔

اور منجملہ ان لوگوں کے عکرمہ مولی ابن عباس ہیں شعبی کا قول ہے

"عکرمہ سے بڑھ کر کتاب اللہ کا عالم کوئی باقی نہیں رہا

سماک بن حرب کہتے ہیں میں نے حضرت عکرمہ کو یہ کہتے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے بے شک میں نے اس چیز کی تفسیر کردی ہے جو کہ دو لوحوں کے درمیان ہے (یعنی پورے قرآن پاک کی تفسیر کر دی ہے)

تابعی مفسرین میں سے حسن بصری، عطاء بن ابی رباح، عطاء بن ابی سلمہ الخراسانی محمد بن کعب القرظی، ابوالعالیہ، ضحاک بن مزاحم، عطیہ العوفی، قتادہ زید بن اسلم، مرہ الہمدانی اور ابو مالک ہے

ربیع بن انس، اور عبدالرحمن بن زید، یہ دوسرے طبقہ کے بزرگ ہیں یہ حضرات جن کے اسماء گرامی اوپر ذکر ہوئے ہیں قدمائے مفسرین ہیں اور ان کے بیشتر اقوال اس قسم کے ہیں انہوں نے ان اقوال کا صحابہ کرام سے سماع کیا اور ان سے لئے ہیں۔

پھر اس طبقہ کے بعد ایسی تفسیریں تالیف ہوئیں جو کہ صحابہ کرام اور تابعین دونوں

کے اقوال کی جامع ہیں جیسے سفیان بن عینیہ، وکیع بن الجراح، شعبہ بن الحجاج یزید بن ہارون، عبدالرزاق آدم بن ابی ایاس، اسحاق بن راہویہ، روح بن عبادہ، عبد بن حمیدہ، سعید، ابوبکر بن ابی شیبہ اور بہت سے دوسرے بزرگوں کی تفسیریں

○ اس گروہ کے بعد ابن جریر الطبری کا مرتبہ ہے اور ان کی کتاب تمام تفسیروں میں سب سے بڑی اور عظیم الشان تفسیر ہے اور ابن ابی حاتم، ابن ماجہ، حاکم، ابن مردویہ ابوالشیخ ابن حبان اور ابن المنذر وغیرہ کی تفسریں ہیں اور ان سب بزرگوں کی تفسیریں صحابہ، تابعین اور تبع تابعین ہی کی طرف مسند ہیں اور ان تفسیروں میں اس بات کے سوا کچھ بھی نہیں ہے مگر ابن جریر کی تفسیر کہ وہ توجیہہ اقوال اور بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دینے اور اعراب و استنباط سے بھی بحث کرتے ہیں لہٰذا وہ دوسروں پر اس لحاظ سے فوقیت رکھتے ہیں۔

○ اس کے بعد بہت سے لوگوں نے تفسیر میں کتابیں لکھیں اور انہوں نے اسانید کو مختصر کر کے پیش کیا اور اقوال کے پے درپے نقل کیا اور یہیں سے خرابیاں پیدا ہوئیں اور صحیح اور غیر صحیح اقوال گڈ مڈ ہو گئے بعد ازیں تو یہ ہوا کہ ہر شخص کو جو قول سوجھتا وہ اس کو نقل کر دیتا تھا اور جس کے دل میں جو آتا اس پر اعتماد کر لیتا تھا پھر بعد کے لوگوں نے تو ان باتوں کو اس خیال سے نقل کرنا شروع کر دیا کہ اس کی کوئی اصل ہو گی تبھی پہلوں نے اس کو ذکر کیا ہے اور سلف صالحین کی تحریروں یا ایسے بزرگوں کے اقوال کی طرف بالکل التفات نہ کیا جن کی جانب تفسیر کے سلسلہ میں رجوع کیا جاتا تھا۔

○ اس کے بعد ایسے لوگوں نے تفسیر کی کتابیں لکھیں جو کہ خاص خاص علوم میں عبور اور دسترس رکھتے تھے پس ان میں سے ہر ایک مفسر اپنی تفسیر میں صرف اسی فن پر اقتصار کرتا جس کا اس پر غلبہ ہوتا۔

چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ نحوی کو اعراب اور اس کے بارے میں متعدد وجوہ محتملہ کو ذکر کرنے اور علم نحو کے قواعد، مسائل، فروع اور اختلافات بیان کرنے کے علاوہ اور کوئی خیال ہی نہیں ہوتا جیسے زجاج اور واحدی نے "البسیط" میں اور ابوحیان نے "البحر

والنھر" میں کیا ہے

اور مورخ شخص کا شغل یہ رہا کہ اس نے اپنی تفسیر میں قصوں کی بھرمار کی اور اگلوں کی خبریں اور ان کے احوال کو درج کردیا اس کو اس سے سروکار نہیں ہے کہ وہ واقعات احوال اور قصص و اخبار جو وہ درج کر رہا ہے سچے بھی ہیں یا نرا جھوٹ کا پلندا ہیں جیسے کہ ثعلبی نے کیا ہے

○ اور فقیہ مفسر لگ بھگ تمام علم فقہ کو باب طہارت سے لے کر کے ام ولد تک پوری فقہی تفصیلات کو تفسیر میں بھر دیتا ہے اور بسا اوقات ان فقہی مسائل پر دلائل قائم کرنے پر اتر آتا ہے جن کو آیت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا اور اسی کے ساتھ اپنے مخالفین کی دلیلوں کا جواب بھی دیتا جاتا ہے جیسے علامہ قرطبی رحمتہ اللہ نے کیا ہے

○ اور علوم عقیلہ کے عالم خصوصاً" امام فخرالدین رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر کو حکماء اور فلاسفہ کے اقوال اور اس قسم کی باتوں سے بھر دیا ہے اور ایک چیز کو بیان کرتے کرتے دوسری چیز کی طرف نکل جاتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی تفسیر کا مطالعہ کرنے والے شخص کو آیت کے موقع محل کے ساتھ عدم مطابقت کی وجہ سے سخت حیرت ہوتی ہے۔

ابو حیان "کتاب البحر" میں لکھتے ہیں کہ

"امام رازی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں بہت سی طویل ابحاث اور لمبی چوڑی باتیں اکٹھی کر دی ہیں جن کو علم تفسیر میں حاجت ہی نہیں پڑتی اسی لئے بعض علماء نے کہا ہے کہ علامہ رازی کی کتاب میں (تفسیر) کے علاوہ سب چیزیں ہیں۔

○ اور بدعتی کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ آیتوں کی تحریف کر کے انہیں اپنے فاسد مذہب پر منطبق اور چسپاں کرے کیونکہ جہاں اس کو دور سے بھی کسی آوارہ چھٹیل شکار کی صورت دکھائی دی اس نے فوراً" اس کو شکار کر لیا یا ذرا بھی کہیں گنجائش پائی پس جھٹ ادھر کو دوڑ گیا۔

علامہ بلقینی کا بیان ہے کہ "میں نے تفسیر کشاف" میں آیت کریمہ "فمن

زحزح عن النار وادخل الجنة فقد فاز" تو جو آگ سے بچا کر جنت میں داخل کیا گیا وہ مراد کو پہنچا(آل عمران 185) کی تفسیر میں اعتزال کی واضح علامت پائی ہے "بھلا جنت میں داخل ہونے سے بڑھ کر اور کیا کامیابی ہو سکتی ہے جس سے مفسر نے عدم رویت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

مستند اور قابل اعتماد تفسیر کون سی ہے؟

علامہ جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ تعالی فرماتے ہیں

"اگر تم یہ کہو کہ پھر کونسی تفسیر اچھی ہے جس کی طرف تم راہنمائی کرتے ہو اور اس پر اعتماد کرنے کا حکم دیتے ہو؟

تو میں کہوں گا کہ وہ مستند امام ابو جعفر بن جریر طبری رحمتہ اللہ تعالی کی تفسیر جس پر تمام معتبر علماء کا اتفاق ہے کہ فن تفسیر میں اس ایسی کوئی تفسیر نہیں پائی جاتی امام نوری رحمتہ اللہ تہذیب میں لکھتے ہیں

"ابن جریر کی تفسیر ایسی شاہکار ہے کہ اس کی مثل کسی نے کتاب تصنیف ہی نہیں کی"

النساء آیت نمبر 176 آپ سے حکم پوچھتے ہیں فرما دیجئے اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کلالہ (کی میراث میں)

نور آیت نمبر 11 بے شک جو لوگ (ام المومنین صدیقہ پر) لکھا بہتان لائے

(تحریم 5) اگر وہ تمہیں طلاق دیں تو بعید نہیں کہ ان کا رب بدل دے ان کے لئے تم سے بہتر بیویاں

جس نے تمہارے ہرے پیڑ میں سے آگ پیدا کی (یسین 80)

(2)(النور 40) یا جیسے اندھیریاں کسی کنڈے کے دریا میں اس کے اوپر موج، موج کے اوپر اور موج

(3)(یسین58) (ان پر سلام ہو گا) مہربان رب کا فرمایا ہوا

(4)(ملک 5) اور بے شک ہم نے نیچے کے آسمان کو چراغوں سے آراستہ کیا

نداء الاسلام ریڈیو سے اسلامی موضوعات پر درس کا سلسلہ بھی شروع فرمایا جس طرح آپ کے والد گرامی کا درس ہر جمعہ کی صبح کو نداء الاسلام نشر کرتا تھا اسی طرح آپ کا درس بھی اسی موقع پر شروع کر دیا گیا۔

ادارے کا قیام

آپ نے مکہ المکرمہ کے محلہ رصیفہ میں دینی علوم کا ایک مرکز قائم کر رکھا ہے جس کا نام مدرسہ عتیبیہ ہے۔

ہر روز محفل ذکر و نعت

آپ کے پاس چونکہ ہر روز مختلف مقامات سے تربیت' زیارت اور ملاقات کے لئے کافی تعداد میں لوگ آتے رہتے ہیں۔ اس لئے ہر روز مغرب کی نماز کے بعد آپ کے ہاں محفل ذکر و نعت منعقد ہوتی ہے۔

عالمی کانفرنسوں میں شرکت

حجاز مقدس میں اپنی گوناں گوں مصروفیات کے باوجود آپ نے متعدد دفعہ الجزائر' انڈونیشیا' کینیڈا' مراکش' برطانیہ اور ہندوستان سمیت کئی ممالک میں بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت کی۔

عالمی مقابلہ قرات کی صدارت

آپ سعودیہ میں منعقد ہونے والے بین الاقوامی مقابلہ قرات کے تین سو سال تک صدر رہے۔

تصانیف

آپ نے مختلف تعلیمی' تدریسی' تربیتی اور انتظامی ذمہ داریاں سنبھالنے کے ساتھ

ساتھ تیس سے زائد کتب تصنیف کی ہیں جو عالم اسلام کے لئے رہتی دنیا تک رہنمائی کا کام دیں گی۔ آپ نے عقائد، تفسیر، حدیث، سیرت، معیشت، معاشرت پر جس طرح قلم اٹھایا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ ہر کتاب کا مطالعہ کرنے والا شخص یوں سمجھتا ہے کہ اس فن میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔

آپ کی تصانیف کے نام

1- الانسان الکامل

2- زبدہ الاتقان فی علوم القرآن

3- المنھل اللطیف فی اصول الحدیث شریف

4- القواعد الاساسیہ فی علم مصطلح الحدیث

5- فضل المؤطا وعنایت الامہ الاسلامیہ

6- حول خصائص القرآن

7- قل ھذہ سبیلی

8- لبیک اللھم لبیک

9- حول الاحتفال بالمولد النبوی الشریف

10- حاشیہ المختصر فی السیرہ النبویہ

11- فی رحاب البیت الحرام

12- ذکریات و مناسبات

13- المستشرقون بین الانصاف والعصبیہ

14- الدعوہ الاصلاحیہ

15- فی سبیل الھدی والرشاد

16- ادب السلام فی نظام الاسرة

17-الطالع السعید المنتخب من المسلسلات والاسانید

18-شریعة الله الخالده

19-حاشیه المورد الروی

20- شرح المولد لابن کثیر

21- الذخائر المحمدیه

22-مفاہیم یجب ان تصحح

23- شرف الامة المحمدیۃ

24-القدوة الحسنه فی منہج الدعوة الی الله

25- تحقیق و تعلیق علیٰ قریب المجیب

26- الحصون المنیعه (27) مقبره جنت المعلی (28) شفاء الفوادبزیاره خیر العباد

29- تاریخ الحوادث والا حوال النبویه (30) مفهوم التطور والتجدید فی الشریعة الاسلامیه

31- کشف الغمه فی اصطناع المعروف ورحمة الامة

32-وهو بالافق الاعلی (33) منہج السلف فی فهم النصوص

34- القواعد الاسا میه فی علم مصطلع الحدیث (35)القواعدالاساسیه فی علوم القر آن

36- القواعد الاساسیه فی اصول الفقه

****